مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ
وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ
www.KitaboSunnat.com
کمالاتِ سیرۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
الاستاذ الشیخ محمد عبد الجبار

الاستاد الشیخ محمد عبدالجبار ۱۹۳۳ میں شاعر مشرق علامہ اقبال کے شہر سیالکوٹ کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی حکیم مولوی محمد عبداللطیف ایک جید عالم دین اور مشہور طبیب تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دارالعلوم الشہابیہ میں حضرت مولانا محمد علی کاندھلوی علیہ الرحمہ کے زیر تربیت رہے۔ درسِ نظامی سے فراغت کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے فارسی، عربی اور اردو میں سند فضیلت حاصل کی۔ ۱۹۵۸ء میں علامہ علاؤالدین صدیقی مرحوم کے تلمیذ خاص کی حیثیت سے یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامی سے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اسی سال جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں علوم اسلامی کے استاد مقرر ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے عربی اور تاریخ میں بھی ایم اے کیا۔ سول و فارن سروس اکیڈیمیز پاکستان آرمی اور مختلف یونیورسٹیوں میں کئی ایک لیکچرز اور ٹریننگ کورسز ترتیب دیئے۔ قومی اور بین الاقوامی سطح کی علمی اور تعلیمی کانفرنسوں میں شرکت کی اور مقالے پڑھے۔ وزارتِ مذہبی امور کے تحت قومی سیرت کمیٹی کے رکن رہے۔ پنجاب یونیورسٹی اکیڈمک کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ ایجوکیشن بورڈ کی کمیٹی آف کورسز اور پنجاب یونیورسٹی کے بورڈ آف اسلامک سٹڈیز کے رکن ہوئے۔

کمالاتِ سیرۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مؤلفہ

الاستاد الشیخ محمد عبدالجبار

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

نام کتاب : کمالاتِ سیرۃ رسولؐ

مُصنّف : الاستاد الشیخ محمد عبدالجبار

اِشاعت : جنوری ۲۰۱۱ء

اڈیشن : ۱

تعداد : ۱۱۰۰

اہتمام : پروفیسر محمد امین جاوید (مینجنگ ڈائریکٹر)

اِسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

۳۔کورٹ سٹریٹ، لوئر مال لاہور، پاکستان

ہیڈ آفس: منصورہ ملتان روڈ، لاہور پاکستان

فون : 042-37248676-37320961، فیکس:042-37214974

ویب سائٹ: www.islamicpak.com.pk

ای میل : islamicpak@yahoo.com

مطبع : سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور

قیمت : -/300 روپے

ترتیب کتاب

مصنف کتاب

الاستاد الشیخ محمد عبدالجبار ۱۹۳۳ میں شاعر مشرق علامہ اقبال کے شہر سیالکوٹ کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی حکیم مولوی محمد عبداللطیف ایک جید عالم دین اور مشہور طبیب تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دارالعلوم الشہابیہ میں حضرت مولانا محمد علی کاندھلوی علیہ الرحمہ کے زیرتربیت رہے۔ درسِ نظامی سے فراغت کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے فارسی، عربی اور اردو میں سند فضیلت حاصل کی۔ ۱۹۵۸ء میں علامہ علاؤ الدین صدیقی مرحوم کے تلمیذ خاص کی حیثیت سے یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامی سے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اسی سال جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں علوم اسلامی کے استاد مقرر ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے عربی اور تاریخ میں بھی

ایم اے کیا۔ سول و فارن سروس اکیڈیمیز پاکستان آرمی اور مختلف یونیورسٹیوں میں کئی ایک لیکچرز اور ٹریننگ کورسز ترتیب دیئے۔ قومی اور بین الاقوامی سطح کی علمی اور تعلیمی کانفرنسوں میں شرکت کی اور مقالے پڑھے۔ وزارتِ مذہبی امور کے تحت قومی سیرت کمیٹی کے رکن رہے۔ پنجاب یونیورسٹی اکیڈمک کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ ایجوکیشن بورڈ کی کمیٹی آف کورسز اور پنجاب یونیورسٹی کے بورڈ آف اسلامک سٹڈیز کے رکن ہوئے۔ اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے ماہرین کے پینل میں رکن نامزد ہوئے۔ جناح اسلامیہ کالج کے صدر شعبہ علوم اسلامی اور پرنسپل کے عہدہ پر فائز رہے۔ بطورِ پرنسپل آپ کا کالج تعلیمی معیار اور نظم وضبط میں بہترین کالج قرار دیا گیا۔

پچیس سال تک علاقہ کی سب سے پرانی درس گاہ دار العلوم الشہابیہ کے اعزازی مہتمم رہے۔ ۱۹۹۲ء میں حضرت مولانا کاندھلویؒ کی وفات کے بعد صدر انجمن کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

سیرت طیبہ پر صدارتی میڈل حاصل کیا۔ نیز حکومت پاکستان کی جانب سے سیرت کی بہترین کتابوں کے انعامی جائزہ کے متعدد بار جج مقرر ہوئے۔

شہر اقبال میں پرائیویٹ سیکٹر میں کروڑوں روپے کی لاگت سے انٹرنیشنل سیرت سٹڈی سنٹر قائم کیا۔ اس وقت سنٹر کے سیکرٹری جنرل ہیں اور اعزازی ڈائریکٹر کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

علوم اسلامی اور سیرت طیبہ پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ زیر نظر کتاب کمالات سیرت رسول ﷺ ان کے مضامین سیرت کا مجموعہ ہے۔

(ادارہ)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

اما بعد

فاعوذ باللّٰه من الشیطن الرّجیم

بسم اللّٰه الرحمن الرحیم

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَه‘ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَ یُّهَا

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماًo

(الاحزاب۵۶)

حرف آغاز

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیمَ
وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ.
اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاهِیمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ
مَجِیْدٌ.

اَللّٰهُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا سَلَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیمَ
وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیدٌ.

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم على آل ابراهيم
انك حميد مجيد
اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم على آل ابراهيم
انك حميد مجيد
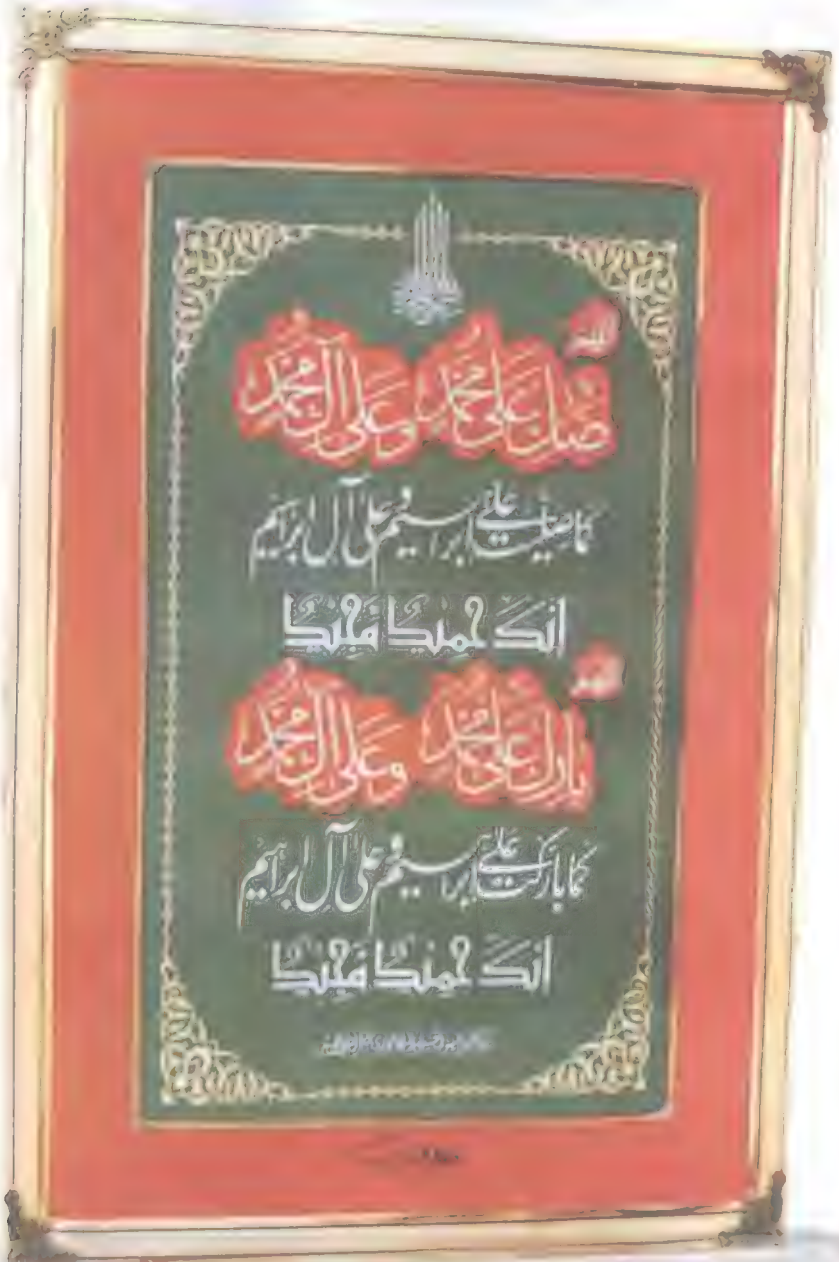
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ

یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں بہترین نمونہ

حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ

زندگی موجود ہے ہر کسی کے لئے جو اللہ سے ملاقات اور یوم

وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا۔

آخرت کی حاضری کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے

یاد کرتا ہے۔ (الاحزاب:۲۱)

دیباچہ کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد رب العالمین کے بعد لاکھوں صلوٰۃ وسلام حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے لئے کہ جو مدعائے خلائق ہیں۔

جن کے لئے وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین اور ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کی آیات مبارکہ کا نزول ہوا۔

اور جس ہستی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اعلیٰ مراتب اور ارفع درجات سے نوازا کہ جن کا ادراک ہمارے بس میں نہیں بلکہ ورفعنا لک ذکرک کے اعلامیہ سے رب تعالیٰ نے ان کے درجات کی بلندیوں اور ان کے مراتب کی رفعتوں کا تذکرہ فرمایا۔

حضورﷺ نہ صرف جامع ترین شخصیت کے مالک ہیں بلکہ مجمع کمالات نبوت و رسالت بھی ہیں۔ پھر آپﷺ خاتم النبیین ہونے پر صرف ختم نبوت کے اعلیٰ منصب پر ہی فائز نہیں ہوئے۔ بلکہ آپ کو علوم نبوت بدرجہ اتم حاصل ہوئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تحقیق وتشریح کے مطابق جملہ علوم نبوت یا کمالات نبوت آپﷺ کو عطا ہوئے۔ یہ کمالات ہیں رشد و ہدایت، علم وحکمت اور تدبیر سیاست و مملکد اری، اور یہ وہ کمالات ہیں جو عطیہ ایزدی ہیں، اکتسابی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سوشیالوجی کے جدید نامور ماہرین ان کمالات کو (charisma) کرشمہ کا نام دے کر محیر العقول سمجھتے ہیں۔ دراصل ان علوم کی دریافت کے لئے وہ آنکھ اور دل مطلوب ہیں جو علم ظاہری سے نہیں نورِ ایمان سے منور ہوتے ہیں۔

بعض غیر مسلم مفکرین نے بھی یہی تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ پروفیسر آر، ڈبلیو، جے، آسٹن نے اپنے ایک مضمون میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:

He is the archetype or norm of humanity par excellence In whom all aspect of being unique (unite) at the centre are in perfect harmony and balance.(P.68, The Prophet of Islam in the Book. The challenge of Islam. Ed Altaf Gohar. 1978)

رحمۃ للعالمین کے مصنف قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب کی جلد سوئم (صفحہ ۹۲ و بعد) میں حضورﷺ کی سیرت طیبہ سے حضورﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کے ۴۶ سوانحی نمایاں شواہد پیش کئے ہیں جن میں مصنف نے ان سب غیر معمولی شفقتوں اور بے نظیر مہربانیوں کا تذکرہ کیا ہے جو خدائے تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر کو

ودیعت کیں اور ان سے ان کے کمالاتِ نبوت کا جن سے آپ ﷺ متصف ہیں کا ثبوت ملتا ہے۔ اس واسطے آپ مجمع کمالات ہی نہیں بلکہ خاتم کمالات اور خاتم کمالات ہی نہیں بلکہ فاتح کمالات ۔۔۔ اور سر چشمہ کمالات اور فاتح کمالات ہی نہیں بلکہ منتہائے کمالات اور منتہائے کمالات ہی نہیں بلکہ اعلیٰ الکمالات اور افضل الکمالات ثابت ہوئے کہ آپ میں کمال ہی نہیں بلکہ کمال کا آخری اور انتہائی نقطہ ہے جس کے فیض سے اگلے اور پچھلے با کمال بنے۔

آج وقت کا تقاضا ہے کہ حضور ﷺ کے کمالات کو داخلی اور خارجی طور سے سارے عالم میں پھیلایا جائے۔ اگر چہ چودہ صدیاں گزر کر اب اسلام پندرہویں صدی میں داخل ہو چکا ہے۔ لیکن دنیا کو اور خود عالم اسلام کو علوم نبوت یعنی نبوی رشد و ہدایت، علم و حکمت، تدبیر مملکداری اور نظام معاشرت و سیاست کی بالکل اسی طرح ضرورت ہے جس طرح ظہور قدسی کے وقت تھی کیونکہ آپ تا قیامت بشیر بھی ہیں نذیر بھی۔ چونکہ حضور ﷺ کی نظر میں دین خیر خواہی کا نام ہے۔ (چنانچہ فرمایا: الـدیـن نصیحة) اس لئے اس خیر خواہی کے ساتھ یہ امر لازم ہو جاتا ہے۔ کہ مذکورہ سعادتوں کو تمام عالم میں پھیلا دیا جائے جو حضور ﷺ کی سیرت اور اسوۂ حسنہ اور تعلیم میں ہیں تا کہ دنیا راحت و اطمینان اور فلاح دارین حاصل کر سکے۔

یہ کتاب حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کے کمالات کے کماحقہ بیان کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے جو ان مضامین پر مشتمل ہے جنہیں سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر تحریر کیا گیا ہے۔

ویسے تو آپ کی سیرت کا موضوع اس قدر وسیع اور جامع ہے جس پر تحریر کے لئے مضامین نہیں۔ بلکہ مبسوط اور مفصل کتابیں چاہئیں۔ تاہم ان مضامین میں گلشنِ

اسوہ رسول علیہ السلام سے خوشہ چینی کر کے عقیدت کے پھول جمع کئے گئے ہیں اور سیرت کے ہر ایک باکمال پہلو پر ایک مستقل مقالہ مرتب ہوا ہے۔اس طرح ان مضامین میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ دورِ حاضرہ میں نوعِ انسان کو پیش آنے والے مسائل کا حل اسوۃ حسنہ کی روشنی میں پیش کیا جائے۔جس کے لئے قرآن پاک اور احادیث نبوی کو مشعل راہ بنایا گیا ہے۔اگرچہ بعض عبارات کو ایک سے زیادہ مرتبہ لایا گیا ہے۔تاہم ہر تکرار سے سیرت طیبہ کے کمالات مزید نکھر کر واضح ہوئے۔اور آپ کی سیرت کے حسن و جمال کے کمال کا اظہار ہوا۔اور ہر بیان سے علم و حکمت کے جوہر کھلے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد کے مطابق **وکان خلقه القرآن** چونکہ قرآن پاک کی حیثیت صحیفہ سیرت النبی ﷺ کی ہے اور چونکہ احادیث کی صورت میں آپ کے ارشادات اس صحیفہ سیرت کے شرح و بیان کی حیثیت رکھتے ہیں۔لہٰذا اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ قرآن وحدیث کو ان مضامین کی ترتیب میں سرچشمہ تحریر بنایا جائے۔تاکہ سیرت رسول اکرم ﷺ کو اجاگر کرنے میں صدق و یقین پیش نظر رہے۔

اور چونکہ آپ کی ذات پاک جامع کمالات ہے لہٰذا ہر مضمون کو متعلقہ آیت قرآنی کے مرکزی خیال کے ماتحت رکھ کر آپ ﷺ کی سیرت کے ایک نمایاں کمال کے عنوان سے منسوب کیا گیا ہے۔اور اس مضمون کا اہم ترین اقتباس شروع میں پیش کر کے ذیلی عنوانات کی تفصیل لکھ دی گئی ہے۔تاکہ ہر مضمون کو آسان اور سہل طریقے سے قاری کے سامنے پیش کرنے کی سعی کی جائے۔پھر ہر مضمون کے آخر میں اس کے مصادر و مراجع تحریر کر دیے گئے ہیں۔

سے قاری کے سامنے پیش کرنے کی سعی کی جائے۔ پھر ہر مضمون کے آخر میں اس کے مصادر و مراجع تحریر کر دیئے گئے ہیں۔

میری دعا ہے کہ رب العزت میری اس کاوش کو قبولیت سے مشرف فرمادے اور ایک ایک حرف کے بدلے میں مجھے اور میرے والدین آباؤ اجداد، اساتذہ کرام، اقارب و احباب اور دیگر متعلقین کو جنہوں نے اس کتاب کے سلسلہ میں میرے ساتھ تعاون فرمایا اجر عظیم سے بہرہ یاب فرمائے۔ (آمین)

یہ کام اپنی کاوش کے اعتبار سے تو نیاز مندانہ ہے، مگر اپنے مضمون کے لحاظ سے چونکہ بہت ہی جلیل القدر اور عظیم الشان ہے، اس لئے میں اپنی کم علمی، کم مائیگی اور احتمالِ لغزش کا احساس کرتے ہوئے تمام اربابِ علم و دانش سے راہنمائی کی درخواست کرتا ہوں۔ **وما توفیقی الا باللّٰہ**۔

بندۂ حقیر

محمد عبدالجبار

سیالکوٹ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا ہے مگر تمام کائناتِ انسانی

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

کے واسطے خوشخبری دینے والا ڈرانے والا بنا کر لیکن

لَا يَعْلَمُوْنَ۔

اکثر لوگ آپ کو جانتے نہیں

(سبا: ۲۸)

کمالِ پیغامِ سیرت

جب کبھی ہم سنت پر عمل پیرا تھے تو ایک دور یہ بھی تھا کہ اپنی ایک بہن کی پکار پر ہمارے مجاہدین محمد بن قاسم کی قیادت میں سر بکف ہو کر اٹھتے ہیں اور راجہ داہر کی اینٹ سے اینٹ بجا کر دم لیتے ہیں۔ کیونکہ زندہ قوموں کی زندگی کا یہی دستور العمل ہوتا ہے۔اس کے بر خلاف ہمارے اوپر چھا جانے والی مردنی کا آج یہ عالم ہے کہ غیروں کی ڈھٹائی پر اور ہمارے شعائر کے بارے میں ان کے گستاخانہ رویے پر ہم صرف ہڑتالوں اور مظاہروں کا سہارا لیتے ہیں کہ جن سے ہم اپنے ہی سر پیٹ ڈالیں۔ اور اپنے ہی مال و جائیداد کا نقصان کر کے دم لیں۔ موت کی اس بھیانک کیفیت کا نتیجہ یہ ہے کہ کئی سالوں تے ہمارا قبلہ اول ایک مٹھی بھر معاند قوت کے ہاتھوں غلامی میں سسک رہا ہے۔ اور اس کے لئے پکار رہا ہے کہ آج بھی ہمارے اندر کوئی صلاح الدین ایوبی اُٹھے اور اسے آزادی سے ہمکنار کرے۔

- ☆ انسانیت کے لئے امید کی شمع
- ☆ امت واحدہ کی اصطلاح
- ☆ اُمت کے دو بڑے اجزاء
- ☆ اُمتِ اجابت کے لئے خصوصی پیغام
- ☆ منتشر انسانوں کی بھیڑ
- ☆ تعارف وتفاخر کے نئے نئے معیار
- ☆ سیرت طیبہ کا عملی پہلو
- ☆ اُمت مسلمہ کی سیرت سازی
- ☆ تاریخ کا بدترین دور
- ☆ محمد بن قاسم کی قیادت
- ☆ عمل بالمعروف واجتناب عن المنکر
- ☆ شرافت اور عظمت کا معیار
- ☆ اسلامی رواداری کا عملی نمونہ
- ☆ انسان، انسان نہیں رہا
- ☆ طمانینت کا فقدان
- ☆ استعمار اور استحصال
- ☆ خود فراموشی کی خطرناک آزمائش
- ☆ امن وعافیت کی تلاش
- ☆ ایک عالمگیر پیغام کی ضرورت
- ☆ لادینی جمہوریت کی بجائے اسلامی شورائیت
- ☆ چاند کے گرد ستارے

انسانیت کے لئے اُمید کی شمع

ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء بن کر تشریف لائے۔ آپؐ کے سایہ عاطفت میں ایک ایسا ابدی اور آفاقی نظام دنیا والوں کو ملا ہے۔ جو ہر عصر اور ہر دور کے لئے راہنما ہے۔ اور جس کے اندر ہر زمانے کے واسطے مکمل اور جامع اصول موجود ہیں۔ ان اصول وضوابط کی تشریح وتفسیر کے لئے اور ان پر مبنی پیغام جاودانی کے تعارف کے لئے ایک دو دن نہیں، صدیاں درکار ہیں۔ پھر بھی حضرتؐ کی تعلیمات کا بیان مکمل نہ ہو سکے۔ تاہم وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم عصر حاضر کے تناظر میں نبی پاک ﷺ کی تعلیمات میں سے ان زاویوں کی خوشہ چینی کریں، جو دورِ جدید کے انسانوں کے لئے عمل کا پیغام بن کر ابھریں کہ جن کی بنیاد پر ہم دنیا والوں پر اُجاگر کر سکیں کہ ہمارے

زندہ جاوداں نبی کے بتائے ہوئے متحرک اور زندہ جاوید اصول وضوابط آج بھی دکھی انسانیت کے لئے ان کے مصائب و آلام کا مکمل اور آخری مداوا ہیں دورِ جدید کا انسان ان کو اختیار کر کے یقیناً سکھ اور چین کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ آیئے اس عنوان پر نکتہ دانی کے لئے سعی و کوشش کریں۔ اور عصرِ حاضر کے واسطے سیرت طیبہ کا پیغام عمل ترتیب دے کر مایوس انسانیت کے لئے اُمید کی شمع جلائیں۔

امت واحدہ کی اصطلاح

حضور ﷺ کے پیغام کی آفاقیت اور جامعیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے واسطے عصر حاضر کے تناظر میں سیرت طیبہ کے پیغام عظیم کی نشاندہی سے پہلے یہ لازم ہے کہ امت واحدہ کی اصطلاح کا معنوی تعین کیا جائے۔ جبکہ عصرِ حاضر سے مراد آج کا ترقی یافتہ دور ہے۔ جس میں معاشی وسائنسی عوامل نے پوری دنیا کو انسانوں کی ایک بستی کی صورت میں پلٹ کر رکھ دیا ہے۔ آج کے دور کے ذرائع ابلاغ اور مواصلاتی نظام نے جس طریقے سے مختلف ذہنوں اور ملکوں کو یکجا کر دیا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی بھی پیغام کی ترتیب سے پہلے دور جدید کے ان انسانوں کو سامنے رکھا جائے جو آج کے عالمی شہر کے آفاقی شہری ہیں۔ کہ جس شہر میں ذہنی اور عملی طور پر بیشتر غیر فطری سرحدیں ختم ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس صورتِ حال میں عصرِ حاضر کے انسانوں کو دو بڑے حصوں پر تقسیم کیا جائے گا۔ کہ جن کے سامنے سیرت طیبہ کے عظیم پیغام کو پیش کیا جائے۔ اس وجہ سے ان ھذہ امتکم امة واحدة (۱) کے قرآنی تصور کی روشنی میں حضور کی انفس و آفاق اور کل زمان و مکان پر پھیلی ہوئی وسیع و ہمہ گیر امت جن کی جانب آپ بھیجے گئے ہیں، دو بڑے حصوں پر مشتمل ہے۔

امت کے دو بڑے اجزء

ایک امتِ اجابت جسے یا یّھا الذین اٰمنوا کہہ کر مخاطب فرمایا اور دوسری امت دعوت، جسے یایھا الناس کے خطاب سے نوازا۔ پورا عالم اسلام امت اجابت کا درجہ رکھتا ہے۔ جس نے حضور سرور کائنات ﷺ کے پیغام کو عقیدہ و ایمان کا جزو بنا رکھا ہے۔ اور وہ مسلمان ہونے اور آپ کے پیروکار ہونے کے دعویدار ہیں۔ اس کے برخلاف مسلمانوں کے علاوہ ہر خطے، ہر دور اور ہر زمانے کے تمام تر بقیہ انسان جو آپ پر ایمان لانے سے قاصر رہے، آپ ہی کی امت کا حصہ اور جزولاینفک ہوتے ہوئے امتِ دعوت کا درجہ رکھتے ہیں۔ کہ جن تک آپ کا ازلی اور ابدی پیغام کسی نہ کسی طریقے سے پہنچایا گیا کسی بھی زاویے سے آپ کے بارے میں ان کو خبر ہوئی۔ امۃ واحدہ کے قرآنی تصور میں ہر دو اقسام شامل ہیں۔ اور یہی وہ زاویہء نظر ہے جس کی وجہ سے حضور ﷺ کو کافۃ للناس (۲) رحمۃ للعالمین (۳) اور انی رسول اللہ الیکم جمیعا (۴) کے عظیم خطابات سے نوازا گیا ہے یہ خطابات آپ کی ذات پاک کی جامعیت اور آفاقیت کے آئینہ دار ہیں۔ اور آپ کے پیغام کو ہر زمانہ، ہر دور، ہر خطے اور ہر قوم کی جانب جاری و ساری قرار دیتے ہیں۔ حضور کا پیغام کائناتی، اور آفاقی ہونے کے اعتبار سے امتِ اجابت اور امتِ دعوت ہر دو پر حاوی ہے۔ اور آغاز سے لے کر زمانہ حال تک ہر دور میں حضرت کے مخاطبین ان ہی دو حصوں پر مشتمل رہے۔ کہ جن کی رہنمائی کے بے پایاں ضابطے حضور ﷺ نے ہر دور میں عطا فرمائے ہیں۔

اُمتِ اجابت کے لئے خصوصی پیغام

اس لحاظ سے جو پیغام فی الوقت امتِ اجابت اور اہل اسلام کے لئے مختص کیا

جا سکتا ہے۔ اس میں سب سے اوّلین شے امت کا اتحاد اور اتفاق ہے۔ جو کہ عالم اسلام کی سب سے بڑی اور فوری ضرورت ہے۔ اور جس کے بغیر امت مسلمہ کی کامیابی کسی طور پر ممکن نہیں۔ چنانچہ فرمایا:

واعتصموا بحبل اللّٰه جميعا ولا تفرقوا واذكروا نعمة اللّٰه عليكم اذ كنتم اعداءً فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا. وكنتم علىٰ شفا حفرةٍ من النار فانقذكم منها. (۵)

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو، اور فرقہ فرقہ مت ہو جاؤ۔ اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم باہم دشمن تھے۔ سو اس نے تمہارے دلوں کے اندر الفت ڈال دی۔ اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور یقیناً تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ چنانچہ اس (خدا) نے تم کو اُس (آگ) سے بچا لیا۔

منتشر انسانوں کی بھیڑ

ویسے تو اس آیت کریمہ کی روشنی میں ہر دور، اور ہر زمانے میں ایمان والوں کے لئے اتحاد اور اتفاق کی اہمیت کی وضاحت کی گئی ہے لیکن عالم اسلام کے حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر اس آیت کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جب سے ایمان والوں نے عمل کے ان زاویوں کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ جو سنت مطہرہ کا اہم تقاضا ہیں۔ تب سے عالمِ اسلام بھیانک قسم کے بحران کا شکار ہے۔ بھائی بھائی کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ اور غیر ملکی اور اجنبی نظریات وافکار کی عالم اسلام پر یلغار ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم اسلام کے سنہری اصولوں کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ ڈیڑھ ارب پر

مشتمل بنیان مرصوص بن کر ابھرنے اور پنپنے کی بجائے ہم منتشر انسانوں کی بھیڑ اور جم غفیر بن کر رہ جانے پر مجبور ہیں۔ مادی اور معاشی وسائل کی بے شمار قوتوں کے مالک ہوتے ہوئے ہم دوسروں کی نظروں میں بالکل ضعیف اور کمزور ہیں اور وہ وقت آن پہنچا ہے، کہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق کثرت کے باوجود ہماری مثال سیلاب کے پانی پر اٹھنے والے جھاگ کی سی ہے۔ کہ ہم بہہ جاتے ہیں ادھر کو، جدھر سیلاب کا ریلا ہمیں بہا لے جاتا ہے۔ پھر نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے اوپر بعض اوقات ایسی بلائیں بھی ٹوٹتی ہیں کہ بے عملی کا شکار ہونا تو درکنار، اجنبی نظریات کے بہاؤ میں آ کر ہمیں اپنے فکر، اپنے تصور، نظریہ اور ایمان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا کا قولِ جمیل

اس سنگین صورت حال میں عالم اسلام کے لئے واعتصموا بحبل اللہ کے قولِ جمیل کی صورت میں ہمارے لئے ایک زریں پیغامِ عمل موجود ہے۔ جو حضور ﷺ کی سیرت طیبہ سے ایمان والوں کو جھنجھوڑ کر اور خبردار کر کے آج کے وقت میں دیا جا رہا ہے۔ یقین مانیے: کہ توحید و رسالت کی بے مثال اکائی کی بنیاد پر قائم ہونے والی امت واحدہ جس وقت انتشار اور ابتری میں منہمک دکھائی دیتی ہے۔ تو چرخِ نیلگوں بھی خون کے آنسو روتا ہے۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے یہی وہ کیفیت ہے کہ جس کے مداوا کے لئے حضرت اقبالؒ بھی پکار اٹھے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر (۶)

تعارف و تفاخر کے نئے نئے معیار

اتحاد اور اتفاق کے اس اہم ترین سبق کے باوجود ہماری صورت حال یہ ہے کہ وہ

نبی جو پورے عالمِ انسانیت کا نبی ہے۔ ہر زمانے اور ہر دور کا نبیؐ ہے۔ ہر خطے اور ہر قوم کا نبیؐ ہے۔جس کا پیغام ازلی وابدی ہے۔ جو ایک جہان نہیں، سارے جہانوں کا نبیؐ ہے۔اس کے ماننے والوں نے اپنوں کے درمیان افتراق وانتشار کی بنیاد پر ایسی سرحدیں قائم کی ہیں کہ ہر کوئی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد پر سر بکف ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ دست بہ گریبان ہونے کو نجاتِ آخرت کی دلیل سمجھ کر برسرِ پیکار ہے۔انہوں نے قرآن کو پس پشت ڈال کر اور نبیؐ کے فرمان کو نظر انداز کر کے تعارف اور تفاخر کے لئے نئے نئے معیار قائم کر رکھے ہیں کہ جن کا سیرت طیبہ سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں بالآخر نبی محترم روز محشر میں شکایت کریں گے کہ:

رب ان قومی اتخذوا ھذالقرآن مھجوراً. (۷)

اے میرے رب: میری یہ قوم ہے جس نے اس قرآن کو نظر انداز کردیا۔
اللہ کرے کہ کوئی ایسی راہ نکل آئے کہ جس سے ایمان والے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔اور انتشار سے باز آجائیں۔

سیرت طیبہ کا عملی پہلو

سیرت طیبہ کے پیغام زرفشاں میں مسلمانانِ عالم کے لئے دوسرا اہم ترین عامل جس کی طرف پورے شرح وبسط سے توجہ دلائی جارہی ہے۔وہ ہے مسلمانوں کو دی جانے والی دعوتِ عمل !اور سنتِ نبویؐ کی پیروی جیسا کہ فرمایا:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الاخر. (۸)

یعنی اے وہ لوگو! جن کا آخرت پر ایمان ہے۔اور جنہیں یہ امید ہے کہ ایک روز

اللہ سے کامیاب ملاقات کریں گے۔ تمہارے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ آؤ رسولؐ کے اسوۂ عمل میں تمہارے واسطے ایک بے مثال نمونہ اور عملی زندگی کا ایک صاف اور شفاف آئینہ ہے۔ آؤ اور اپنی زندگیوں میں اسے اپناؤ۔

اس بات پر سیرت کے عملی پہلو کو اس دور میں اجاگر کرنا، اس قدر ضروری ہے کہ امتِ مسلمہ کے انحطاط اور سقوط کی آج کے دور میں سب سے بڑی وجہ بھی یہی ہے۔ اسلام تو آیا ہی اس لئے ہے کہ لوگوں کو عمل کرنا سکھائے۔ اور عملی زندگی کے ہر زاویے میں انسانوں کی راہنمائی کرے۔

نزولِ قرآن کا منشائے خاص

خود نزول قرآن کا منشائے خاص بھی یہی ہے کہ وہ لوگوں کو عمل کا درس دے رہا ہے۔ اور تھیوری سے پہلے پریکٹیکل کا ڈھب سکھا رہا ہے۔ نیز نبی کریمؐ کی ذاتِ گرامی کو بھی قرآن کی ہر آیت اور سورۃ سے پہلے عمل کرایا گیا۔ پھر اس عمل کی روشنی میں ان پر قرآن کی آیات وسور کو اتارا گیا۔ تاکہ اس امت کے لئے قرآن کے عملی پہلو کی اہمیت واضح ہو جائے۔ جیسا کہ فرمایا:

کذلک لنثبت به فوادک ورتلنه ترتیلا. (۹)

کہ اے نبیؐ! ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے ۲۳ سال کی لمبی مدت میں صرف اسی لئے نازل کیا ہے۔ تاکہ آپ کے عمل سے شانِ نزول کی روشنی میں آپ کے دل کو قرار نصیب ہو۔ اور ایمان والوں کے لئے آپکی سیرت کا عملی نمونہ مشعلِ راہ بن کر اُبھرے۔ ورنہ اگر یہ بات پیش نظر نہ ہوتی تو قرآن کو بھی جملۃ واحدہ کی صورت میں اتارا جاتا۔ جیسا کہ پہلی کتابوں کو اتارا گیا۔ جو بے عملی کا شکار ہو کر آج طاقِ نسیان پر پڑی ہیں۔

امتِ مسلمہ کی سیرت سازی

لہٰذا دورِ حاضر کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے۔ سیرتِ مطہرہ کے عملی پہلو کو ہر زاویہء زندگی میں اجاگر کیا جائے۔ اور کلیاتِ دین کے ساتھ ساتھ جزئیاتِ عمل میں بھی اُمتِ مسلمہ کی سیرت سازی کا بیڑہ اٹھایا جائے۔ تاکہ متبعین سنت کی ایک ایسی جماعت تیار کھڑی ہو جائے۔ جو سیرت پاک کا خالص نمونہ بن کر ابھرے کہ امت مسلمہ کے ہر فرد کو سیرتِ نبیﷺ کا پیکر بنا دے۔ اور جو کہے وہ کر کے دکھا دے۔ بلکہ قول سے پیشتر عمل کا پریکٹیکل سامنے رکھ دے۔ تاکہ ہر کسی کو کم کہنے اور زیادہ کرنے کی تربیت حاصل ہو۔

تاریخ کا بدترین دور

ورنہ اگر محض تقریر و وعظ سے امت کی تقدیر بدل سکتی ہوتی تو جتنی تقاریر اور جس قدر وعظ و نصیحت کی محفلیں اس امت مرحومہ میں منعقد ہو چکی ہیں۔ اور جتنی گفتگوئیں کہی اور سنی جا چکی ہیں۔ ان کی بنا پر بحث و کلام سے اس امت کو اب تک بامِ عروج پر پہنچ جانا چاہیے تھا۔ لیکن محض کہنے اور سننے سے بات نہیں بن سکی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم اس بے عملی کی بنا پر، شاندار روایات سے محروم ہو کر آج تاریخ کے بدترین دور میں ہیں۔

محمد بن قاسم کی قیادت

اس سے پیشتر جب کبھی ہم سنت پر عمل پیرا تھے تو ایک دور یہ بھی تھا کہ اپنی ایک بہن کی پکار پر ہمارے مجاہدین محمد بن قاسم کی قیادت میں سر بکف ہو کر اٹھتے ہیں اور راجہ داہر کی اینٹ سے اینٹ بجا کر دم لیتے ہیں۔ کیونکہ زندہ قوموں کی زندگی کا یہی دستور العمل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف ہمارے اوپر چھا جانے والی مردنی کا آج یہ

عالم ہے کہ غیروں کی ڈھٹائی پر اور ہمارے شعائر کے بارے میں ان کے گستاخانہ رویے پر ہم صرف ہڑتالوں اور مظاہروں کا سہارا لیتے ہیں کہ جن سے ہم اپنے ہی سر پیٹ ڈالیں۔ اور اپنے ہی مال و جائیداد کا نقصان کر کے دم لیں۔ موت کی اس بھیانک کیفیت کا نتیجہ یہ ہے کہ کئی سالوں سے ہمارا قبلہ اول ایک مٹھی بھر معاند قوت کے ہاتھوں غلامی میں سسک رہا ہے۔ اور اس کے لئے پکار رہا ہے کہ آج بھی ہمارے اندر کوئی صلاح الدین ایوبی اُٹھے اور اسے آزادی سے ہمکنار کرے۔ لیکن نہ جانے کہ سیرت طیبہ پر مبنی عمل کی وہ قوت اس امت مرحومہ میں کب پیدا ہوگی؟ کہ جو آج کے دور کے مسلمانوں کے لئے ایک اہم ترین تحریک کی حیثیت رکھتی ہو۔

عمل بالمعروف واجتناب عنِ المنکر

اس پیغامِ عمل کو مفصل اور مختصر طور پر نافذ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر کوئی مسلمان عمل بالمعروف اور اجتناب عن المنکر کے اصول کو اپنائے کہ جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سارے زاویوں کو ایسی بنیادوں پر استوار کیا جائے کہ جن سے اسلامی معاشرتی زندگی میں طہارت و پاکیزگی، توسط و اعتدال، حسن معاملہ وحسن سلوک کی اقدار اجاگر ہو جائیں۔

شرافت وعظمت کا معیار

لیکن یہ بات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اعمال میں، اخلاق میں، اطوار میں اور احوال میں خدا خوفی اور تقویٰ کی روح کو جاری وساری کرنے کی سعئ پیہم نہ کی جائے۔ کہ ہر دم، ہر قدم پر ایمان والا چلنے سے پہلے پھونک کر قدم رکھے۔ کہ میرے اس کام سے میرا رب ناراض تو نہیں۔ یہی وہ کیفیت ہے کہ جسے قرآن

انسانوں میں پیدا کر کے انسانیت کو شرافت اور عظمت سے ہمکنار کرنا چاہتا ہے۔
کیونکہ اللہ کے ہاں شرافت اور عظمت کا معیار یہی ہے۔

ان اکرمکم عنداللہ اتقکم (۱۰)

کہ سنو! اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو تم سب سے زیادہ اللہ کے ڈر اور تقویٰ سے متصف ہے۔

دوسرے لفظوں میں اگر یوں کہا جائے کہ تقویٰ اور خدا خوفی ہی انسانیت کی روح ہے۔ اور اسی سے انسانوں کی انسانیت میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔ تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر دل سے خدا کا خوف نکل جائے تو پھر انسان بھیانک سے بھیانک عمل بھی کر گزرتا ہے۔ تقویٰ کے مٹ جانے سے انسان، انسانیت سے عاری ہو جاتا ہے۔ گویا کہ انسان کے روپ میں جانور ہے، درندہ ہے، بھیڑیا ہے، چوپایہ ہے بلکہ بل هم اضل (۱۱)۔۔۔ ان سے بھی کہیں گیا گزرا ہے۔ اس واسطے اِتقو ا اللہ حق تقتہ (۱۲) فرما کے ایمان والوں کو تقویٰ کا اہم ترین پیغام دیا جا رہا ہے۔ جسے دورِ جدید کی اصطلاح میں یقین محکم اور عزم مصمم کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اور جس کے بارے میں حضرت علامہ نے فرمایا:

ع یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

اسلامی رواداری کا عملی نمونہ

تقویٰ اور خوفِ خدا کے اسی فقدان کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں نفسانفسی کا عالم ہے اور آپس میں ان کی محبت و شفقت اور باہمی رواداری کا وہ احساس مٹتا جا رہا ہے جو کہ اسلامی اخوت اور رواداری کی بے پایاں دلیل ہے نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم آپس میں ایک دوسرے کے خیالات و نظریات کو بھی برداشت کرنے اور سننے کے لئے تیار نہیں

ہیں۔جبکہ ہمارے رسول ﷺ نے اپنی تیرہ سالہ مکی زندگی میں اسلامی رواداری کا ایک ایسا عملی نمونہ پیش فرمایا کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔انھوں نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ کھلم کھلا اختلاف رائے بھی رحمت عالم کی شفقت و رحمت کے راستے میں حائل نہیں۔وہ مخالف کو جھوٹ پر مبنی معاندانہ مسلک پر قائم دیکھ کر بھی خلق عظیم کے مرتبہ سے ہٹنے کیلئے تیار نہیں تھے۔وہ تو ملانے آئے تھے ملاتے ہی گئے۔چاہے مخالف کتنا ہی جارح کیوں نہ ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ پیارے رسول ﷺ نے غیروں کو بھی گلے لگانے سے گریز نہیں کیا اور اپنے باغی دشمنوں کو بھی اخلاق کی قوت سے زیر کر کے حلقہ بگوش اسلام فرمایا جیسا کہ سعدیؒ نے کہا

شنیدم کہ مردان ِراہِ خدا ‏ ‏ دل دشمناں ہم نہ کروند تنگ!
تُرا کے میسر شودایں مقام ‏ ‏ کہ بادوستانت خلاف است و جنگ(۱۳)

نتیجہ یہ ہے کہ غیروں کو اپنا بنانے کی بجائے آج ہم اپنوں کو غیر سمجھتے ہیں اور انہیں اجنبی خیال کر کے اپنے سے مختلف جانتے ہیں۔یہ ہے آج کے دور میں اُمتِ مسلمہ اور امتِ اجابت کو سنائے جانے والے سیرتِ طیبہ کے پیغام کی تفصیل کہ جس میں حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں ایمان والوں کو اتحاد و یگانگت اور عملِ پیہم کی تلقین کا سامان کیا گیا ہے۔

امتِ اجابت اور عالمِ اسلام کی تازہ ترین رہنمائی کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ سیرتِ طیبہ کے اُس پیغام کو بھی اجاگر کیا جائے جو آپ نے بحیثیت مجموعی پوری کائناتِ انسانی اور ساری اُمت دعوت کو یا ایھا الناس کے وسیع و عریض بلاوے سے دیا ہے اور آج کی دنیائے انسانی کے تازہ بہ تازہ حالات کے پیشِ نظر پیش

پاافتادہ مسائل کے حل کے طور پر عطا فرمایا ہے۔

انسان، انسان نہیں رہا

چنانچہ جس وقت ہم آج کی ترقی یافتہ دنیا اور یورپ کو جسے عصرِ حاضر کا پیشوا اور رہنما خیال کیا جاتا ہے موجودہ حالت میں دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مغرب فکری اور معاشرتی عدم توازن اور بے اطمینانی کا شکار ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مغربی دنیا اطمینانِ قلب جیسی نعمت سے بالکل ناآشنا اور محروم ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسان کو اُڑنا سکھا دیا ہے کہ وہ پرندہ بن گیا تیرنا سکھایا کہ مچھلی بن کر سمندر کی گہرائیوں میں اُترا۔ گھوڑا بن کر اس سے کہیں تیز دوڑنے کا اس نے سبق سیکھا اور کائناتِ انسانی کو درندے کی طرح پھاڑنے اور تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔

غرضیکہ سائنسی ایجادات کی بنیاد پر انسان سب کچھ بن گیا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ انسان نہیں رہا۔ اس لئے مادی اور جسمانی ترقی نے اس کے اندرون سے انسانیت کی سی نعمت کو ختم کر کے رکھ دیا ہے نتیجہ یہ ہے کہ آج کے دور میں انسان دو شدید پریشانیوں میں مبتلا ہے۔ اس کی سب سے پہلی مشکل اس کو لاحق ہونے والا ہر لمحے کا خوف وہراس اور اپنے عدم تحفظ کا احساس ہے کہ جس کی وجہ سے آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی مادی زندگی کی تمام تر سہولیات کے حصول کے باوجود اس پر جینا دوبھر ہو چکا ہے اور وہ نہ جانے کس گھناؤنے خطرے میں مبتلا ہے اس کے ساتھ وہ نفرت باہمی اور خود بیزاری کی بنیاد پر انسانی الفت ومحبت سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔

طمانینت کا فقدان

نتیجہ یہ ہے کہ وہاں پر بھائی بھائی کو اور ہمسایہ ہمسایہ کو بھی اجنبی خیال کرتا ہے۔ اگرچہ انسان صدیوں کی طرح آج بھی مدنی الطبع اور سوشل اینمل کہلاتا ہے لیکن

سب کچھ حاصل کرنے کے باوجود موجودہ مشینی دور میں طمانینت کا فقدان ہے اور انسان ذہنی سکون سے یکسر محروم ہو چکا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ معاشرتی کج روی اور مستقبل کی بے یقینی کا احساس نوجوان نسل میں بالخصوص شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا ہے۔اس پر مستزاد یہ ہے کہ گزشتہ صدی کے آغاز سے قومیتوں اور مذہبی عصبیتوں کے عفریت نے انسانوں کو تفرقوں میں اور خطے، رنگ اور نسل کی بنیاد پر مختلف طبقات میں منتشر کر کے رکھ دیا ہے۔قومیتوں کا یہ تصور جس کو قرآن ایک خطرناک آگ قرار دیتا ہے۔

و کنتم علی شفا حفرۃٍ من النار فانقذکم منہا (۱۴)

کے انتباہ اور اعلان سے وہ چاہتا ہے کہ انسان کو اس خطرناک آگ سے بچائے اور محفوظ رکھے لیکن

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

استعمار اور استحصال

خوف و ہراس اور عدم تحفظ کے احساس نے بالآخر نفرت کو خود بیزاری کے اندر تبدیل کر کے معاشرتی عدم توازن اور ابتری میں مزید اضافہ کر کے انسانوں کیلئے طمانینت کی منزل کو پہلے سے زیادہ مشکوک وموہوم بنا دیا ہے۔ملحدانہ ادب وثقافت کا جو سیلاب امنڈتا آ رہا ہے وہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ اخلاقیات کا معاملہ قابو سے باہر ہے۔جبلتوں اور نفسانی خواہشات پر کوئی کنٹرول نہیں رہا۔جس سے وہ معاشرتی اور سماجی "انارکی" نمودار ہوئی ہے جس نے عریانی، جنس پرستی اور اخلاقی کجروی کو جنم دیا ہے۔اخلاقیات کو فراموش کر کے صرف تن اور حواس کی زندگی پر زور دینے کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج زندگی محض تعیش کا دوسرا نام ہے۔چنانچہ دولت پرستی، زراندوزی یا تکاثر ان کا واحد مقصدِ حیات ہے جس کی وجہ سے استعمار اور استحصال کا دور دورہ ہے

اور دنیا دو مستقل بلاکوں میں بٹ کر رقابتوں اور دشمنیوں کا گہوارہ بن چکی ہے۔

اس کے برخلاف قرآن "الھکم التکاثر حتی زر تم المقابر" (۱۵) کے اعلان سے ان رزائل سے اجتناب کی تلقین کرتے ہوئے اور معاشرتی امن کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے دنیا والوں کو تن پرستی اور تکاثر سے اجتناب کر کے توسط اور اقتصاد کی بنیاد پر معاشی اور سیاسی میانہ روی کی تلقین کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے معیشت اور معاش کے لئے جو نظامِ حیات تجویز کیا ہے۔ وہ عالمگیر اور عادلانہ معاشی نظام ہے کہ جس میں انتہا پسندانہ حکمت عملی سے بیزاری کا اعلان ہے۔ افراط و تفریط سے ہٹ کر اسلام یہ چاہتا ہے کہ ہر کوئی خوشدلی سے کمائے اور دوسروں کو بانٹ کر کھائے۔

خود فراموشی کی خطرناک آزمائش

اس خطرناک ابتری اور معاشرتی و سماجی دیوالیہ پن سے خبردار کرتے ہوئے قرآن یوں گویا ہے کہ:

ولا تکونوا کالذین نسوا اللّٰہ فانساھم انفسم (۱۶)

کہ مت ہو جاؤ ان لوگوں کی مانند جو خدا فراموش ہوئے۔ پھر اس کے نتیجے میں وہ خود فراموشی کی خطرناک آزمائش میں ڈال دیئے گئے۔

آج کی معاشرتی بے اطمینانی اور فکری عدم توازن اسی خود فراموشی کی ایک نمایاں صورت ہے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ سائنسی اور معاشی ترقی ان داخلی اور قلبی دکھوں کا کیا علاج کر سکے گی۔ کہ جس نے دراصل انسانوں کو خود فراموشی کی اس بھیانک وادی میں دھکیل دیا ہے اس صورتِ حال میں انسانیت کو کسی ایسے پیغام کی ضرورت ہے کہ جس سے معاشرے کا توازن بحال ہو اور ہمیں یقین محکم کی ایسی منزل نصیب ہو کہ جس کو پا لینے کے بعد ہم حقیقی طمانینت کا احساس کرنے لگیں۔ یہ ضرورت صرف

حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر مبنی اس عظیم پیغام سے ہی پوری ہو سکتی ہے جس کو آپ ﷺ نے قرآن وسنت کی شکل میں دنیا والوں کے سامنے پیش فرمایا ہے۔

امن و عافیت کی تلاش

لہذا وہ امن و عافیت جس کی عصرِ حاضر کو تلاش ہے وہ حضور ﷺ کے پیغام رحمت ہی میں میسر ہے کہ جس پر اگر غور کیا جائے تو رحمۃ للعالمین کے عظیم منصب پر فائز ہو کر آپ کی ذات پاک ؐ میں دکھی اور تڑپتے انسانوں کیلئے تمام تر پدرانہ، مادرانہ، معلمانہ اور مربیانہ محبتیں اور شفقتیں پوری جامعیت کے ساتھ جمع ہو گئی ہیں یہی وجہ ہے کہ جہاں پر پیغام رحمت دے کر اور حضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر دنیا والوں کی طرف بھیجنے والا خدا رحمان ورحیم ہے۔ وہاں پر خود حضورؐ کو اس رحمت کے سہارے رؤف ورحیم کہہ کے رحمت وشفقت بانٹنے کا فریضہ تفویض فرمایا کہ حضورؐ کی ساری زندگی دوسروں کیلئے تسلی وتشفی کے ساتھ مداوائے غم بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے دور میں انسان کو اس کے روحانی دکھوں اور بے پناہ بے زاریوں سے نجات دلانے کے واسطے حضرتؐ کا پیغام ایمان و یقین کی دعوت کا پیغام ہے۔ انسانیت جو کہ آنکھوں کو چندھیا دینے والی سائنسی اور تہذیبی ترقی کی بنا پر ایمان جیسی عظیم نعمت سے محروم ہو تی جا رہی ہے۔ حضورؐ اپنی تعلیمات کے ذریعے اُسے ایمان کی طرف لانا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے عصرِ حاضر اور آج کا دور حضورؐ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے پیغام کے موثر اور نتیجہ خیز ہونے کیلئے انتہائی موزوں اور مناسب ہے۔

ایک عالمگیر پیغام کی ضرورت

لہذا آج اس خطہ ارضی کے اس عالمگیر شہر کو کہ جس میں سائنسی اور معاشی ارتقاء کی بنا پر ساری تفریقات مٹائی جا رہی ہیں اور دنیا باہم دگر ایک قصبے اور شہر کی صورت اختیار

کرتی جا رہی ہے۔ایک ایسے عالمگیر پیغام کی ضرورت ہے جس کی بنیاد ایک خدا، ایک رسول، ایک امت اور ایک آفاقی وحدت پر ہو۔اسلام کے پیشر و مذاہب میں اور فکر جدید کے موجودہ افکار و نظریات میں ایسا جامع اور عالمی سطح کا تصور کہیں بھی موجود نہیں ہے۔جیسا کہ نبی کریمﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے دنیا والوں کے سامنے پیش فرمایا:

لادینی جمہوریت کی بجائے اسلامی شورائیت

آپؐ نے ایک طرف معیشت اور معاشرت میں توسط، اعتدال اور میانہ روی کی راہ پر گامزن فرمایا۔اور دوسری جانب سیاسی نظام میں لادینی جمہوریت کی بجائے اسلامی شورائیت کے زریں اصول پیش فرمائے کہ جس میں ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم کے مضمون کے مطابق انسانی شرافتوں اور عزتوں کا معیار تقویٰ یا خدا خوفی کی بنیاد پر ہوش وعقل کو قرار دیا۔کیونکہ اسلام میں عزت واقتدار کی پسند کیلئے یہی ایک اعلیٰ معیار ہے۔نتیجہ یہ ہے کہ اس آیت گرامی قدر کے مضمون کے مطابق خطبہ حجۃ الوداع میں آپ نے صاف طور پر اعلان فرما دیا کہ

کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی احمر کو اسود پر کوئی برتری حاصل نہیں صرف تقوی کی بنیاد پر ہی ہر کوئی شخص عزت وشرافت کے حصول کا اہل ہے۔محض رنگ ونسل، خطے ملک اور عقیدے کو اسلام میں شرافت کا معیار قرار نہیں دیا جا سکتا۔حالانکہ دور جدید میں نسلی تفریقات کا یہ عالم ہے کہ آج بھی سفید فام اقوام اپنے رنگ اور دیگر خصوصیات کو وجہ تفاخر وعزت سمجھتی ہیں۔اس کے برخلاف حضورؐ نے اپنی زندگی میں اسلامی معاشرتی مساوات اور عدل اجتماعی کا ایک ایسا عملی ثبوت پیش کیا کہ آج کا معاشرہ جو نسلی امتیاز اور تفریقات کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اس سے رہنمائی حاصل کر کے نفرتوں اور

اذیتوں سے نجات پا سکتا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں کئے گئے اعلان عظیم میں وحدت نسل انسانی کا جو تصور پائیدار طریقے سے حضورؐ نے پیش کیا ہے وہ ایک ایسی بین الاقوامی ہیئت اجتماعی کی نشان دہی کرتا ہے کہ پورے عالم کی واحد عالمی ریاست کا تخیل اس کی آخری منزل ہے۔ اور یہ عالمی اجتماعی نظام اور دنیا بھر کی انسانی ریاست کا عملی نقشہ یقینی طور پر حضورؐ کی تعلیمات اور آپ کی سیرت کے دستور العمل پر ہی مبنی ہے کیونکہ جہاں پر آپ کافۃ للناس اور رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے۔ وہاں پر آپؐ کو بھیجنے والا بھی رب الناس، رب العالمین ہے کہ جس پر ایمان لانے کی بنیاد پر ہی عالمی ریاست اور آفاقی اقتدار اعلیٰ کی تشکیل ہو سکتی ہے۔ یہی وہ عظیم مقام تھا جسے حضورؐ نے اپنی زندگی میں خود حاصل کر کے اور اپنا کر دنیا والوں کو واضح طور پر دکھا دیا کہ اسلام تفریقات کو قائم کرنے نہیں بلکہ مٹانے آیا ہے۔

چاند کے گرد ستارے

چنانچہ سیرتِ طیبہ سے واضح ہو گیا کہ اس عالمی ریاست میں صہیبؓ روم سے آتے ہیں اور ابو ہریرہؓ یمن سے، سلمانؓ فارس سے آتے ہیں اور بلالؓ حبشہ سے پھر ہر رنگ و نسل کے ساتھی صحابتی کالنجوم کے مصداق ایک ہی چاند کے گرد ستارے بن کر جمع ہوتے ہیں کہ کسی کو بھی کسی پر کوئی معاشی و معاشرتی فوقیت اور برتری کا احساس ہونے نہیں پاتا۔ اسلیئے یہ پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ عالمگیر خوف و عدم تحفظ کا احساس اور خود بیزاری اور باہمی نفرت و عداوت کہ جس کی وجہ سے عصر حاضر انفرادی اور اجتماعی رقابتوں کا اور محاذ آرائیوں کا مرکز بن چکا ہے۔ اس سے آج کے دور کیلیئے حضورؐ کی سیرت میں ایک پائیدار عالمی دستور العمل موجود ہے۔ جس دن سیرت طیبہ کے پیغام کے تحت ان بنیادی اصولوں کو تسلیم کر لیا جائیگا۔ تمام تر معاشی،

معاشرتی، سماجی اور سیاسی زوایے خود بخود خدا پرستی، انصاف اعتدال، توسط اور اقتصاد کے اصولوں پر چلنے لگیں گے اور زمین اللہ کی حاکمیت کا اور انسانوں کیلئے امن و عافیت کا گہوارہ بن جائیگی۔

اور یہی وہ پیغام سیرت ہے جو عصر حاضر کے نام جاری اور عام ہے کہ جس میں حضورؐ جہاں ایک طرف عالم اسلام کو اتحاد اور عمل کی دعوت دے رہے ہیں دوسری جانب وہ عالم انسانیت کو توحید و رسالت پر مبنی ایمان کی طرف بلانا چاہتے ہیں۔ اور یہی دو چیزیں وقت کا اہم تقاضہ ہیں اسی بنا پر حضورؐ کے آفاقی اور ابدی پیغام کی عمومیت کو بیان کرتے ہوئے قرآن نے اعلان کیا کہ اے پیارے نبی صلعم ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے خواہ عرب ہوں یا عجم، مشرقی ہو یا مغربی موجودہ ہوں یا آئندہ آنے والے تمام انسانوں کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے آپ کو چاہیے کہ ایمان لانے پر ایمان والوں کو ہماری رضا خوشنودی اور ثواب کی خوشخبری سناتے جایئے اور ایمان نہ لانے والوں کو ہمارے غضب و عذاب سے ڈرایئے۔ اکثر لوگ آپ کو اور آپ کی لائی ہوئی آفاقی قدروں کو نہیں جانتے۔

مراجع ومصادر

۱۔ سورۃ المومنون: ۵۲
۲۔ سورۃ سبا :۲۸
۳۔ سورۃ الانبیاء :۱۰۷
۴۔ سورۃ الاعراف :۱۵۸
۵۔ سورۃ آل عمران :۱۰۳
۶۔ بانگِ درا (اقبالؒ)
۷۔ سورۃ الفرقان :۳۰
۸۔ سورۃ الاحزاب :۲۱
۹۔ سورۃ الفرقان :۳۰
۱۰۔ سورۃ الحجرات :۱۳
۱۱۔ سورۃ آلِ عمران :۱۷۹
۱۲۔ سورۃ آلِ عمران :۱۰۲
۱۳۔ گلستانِ سعدیؒ :۷۹
۱۴۔ سورۃ آل عمران : ۱۰۳
۱۵۔ سورۃ التکاثر :۱
۱۶۔ سورۃ الحشر :۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِقْرَاْ باسمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَo خَلَقَ

پڑھیئے اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ اور جس

الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُo

نے انسان کو ایک گوشت کے لوتھڑے سے تخلیق فرمایا۔

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِo عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا

پڑھیئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم

لَمْ یَعْلَمْo (العلق:۱۔۵)

سکھایا۔ اور انسان کو وہ علم دیا جسے وہ ہرگز نہ جانتا تھا۔

کمالِ عرفانِ نبوت

خالق کا انتہائی کرم ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا۔ ایک حقیر ترین مقام سے اٹھایا۔ اور صاحبِ علم بنا کر ساری مخلوقات سے بلند ترین رتبہ پر فائز کر دیا۔ اور صرف صاحبِ علم ہی نہیں بنایا بلکہ قلم کے استعمال سے لکھنے کا فن بھی اسے سکھا دیا۔ جو بڑے پیمانے پر علم کی اشاعت، ترقی اور اس کی حفاظت و بقا کا ذریعہ ہے اور پھر انسان کو صفت علم سے یوں آراستہ فرمایا کہ اس سے پیشتر وہ بالکل بے علم اور جاہل تھا۔ اور کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ اسے جو کچھ بھی علم حاصل ہوا۔ اللہ کے دینے سے حاصل ہوا۔ یہ اسی کی مشیت اور عطا ہے۔ کہ اس نے جس مرحلے پر انسان کے لئے علم کے جو دروازے کھولنے چاہے، وہ اس پر کھلتے چلے گئے۔

- ☆ علم کا تصور اساسی
- ☆ مثبت اور منفی کا مجموعہ
- ☆ اللہ کا علم کامل اور محیط ہے
- ☆ انسان کا علم عطاءِ الٰہی ہے
- ☆ علمی دریافت کا اسلامی نظریہ
- ☆ فیضانِ علم یا ہدایتِ انسانی کی راہ
- ☆ ہدایتِ ربانی کے مراتب یا ذرائع علمی
- ☆ پہلا ذریعہ علمی ہدایتِ وجدان
- ☆ دوسرا ذریعہ علمی ہدایتِ حواس
- ☆ تیسرا ذریعہ ہدایتِ عقل
- ☆ چوتھا ذریعہ علمی ہدایتِ وحی
- ☆ علمی ذرائع میں وحی کا مقام
- ☆ وحی کے معنیٰ
- ☆ عرفانِ نبوت
- ☆ اصولِ اربعہ حجت ہیں
- ☆ اسلامی تصورِ علم کی خصوصیات
- ☆ اسوۂ حسنہ کا مینارۂ نور
- ☆ فلاحِ انسانیت

علم کا تصورِ اساسی

اسلام میں علم کا تصور اساسی یہ ہے کہ علوم کا اولین سرچشمہ وحی الٰہی ہے۔ اشیاء کا علم اور ہدایت انسانی کا علم دونوں کا منبع ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ کیونکہ وہ حاضر و غائب، محسوس و معقول، مدرک اور غیر مدرک کو خود بخود و براہِ راست اور بلا واسطہ خوب جانتا ہے۔ اس کا علم ہر خفی اور جلی پر حاوی ہے۔ اور کائنات کی ہر شے کے ماضی و حال اور مستقبل کی ہر کیفیت بغیر کسی ذریعے اور واسطے کے اس پر پوری طرح اجاگر ہے آیت الکرسی میں جیسا کہ فرمایا:

یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم . ولا یحیطون بشیء من علمه الا

بما شاء. (۱)

”جو کچھ ان کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہے۔ اور وہ اللہ کے علم میں سے کسی بات کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔ ہاں مگر جتنی بات کا علم اللہ خود ان کو دینا چاہے۔“

مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کا علم ذاتی اور خود بخود ہے اور وہ مخلوق کے تمام احوال کو علمی طور پر اپنی ذات میں جمع کیئے ہوئے ہے۔ جبکہ بندوں کا علم اس کے سامنے نہایت قلیل، نا تمام اور ادھورا ہے۔ بندہ بغیر اس کے بتائے ایک ذرہ کو بھی نہ جان سکے۔ اور نہ ہی اس کے احوال و کیفیت اور جہات و حیثیات کا احاطہ کر سکے۔ یہاں تک کہ اس علمِ نا تمام کے ساتھ رب تعالیٰ کے حضور اس کی اجازت کے بغیر بندے کو دم مارنے کی بھی گنجائش نہیں۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ:۔

مثبت اور منفی کا مجموعہ

آیت الکرسی کے ان دونوں فقروں کو بذریعہ عطف جوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ پہلا فقرہ یہ بتائے کہ اللہ کا علم کامل اور محیط ہے۔ اور دوسرے سے یہ معلوم ہو کہ اللہ کے سوا علم کامل کسی کے پاس نہں۔ اس طرح یہ مثبت اور منفی کا مجموعہ اس کی دلیل ہے کہ خود بخود علم میں اللہ کی ذات یگانہ اور یکتا ہے۔ اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ (۱)

ان دونوں فقروں میں علم الٰہی کے بارے میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ، انسان کو جو علم بھی حاصل ہوتا ہے۔ ذرائع کی راہ سے ہوتا ہے۔ جب کہ ذرائع کے بغیر خود بخود علم کو علم غیب کہتے ہیں۔ اور ذرائع کی راہ سے آیا ہوا علم، علم شہادت کہلاتا ہے۔ اور قرآن پاک کی رو سے عالم الغیب والشہادہ (۳) رب تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ یعنی ذرائع کی راہ سے آنے والے علم کا، اور بغیر ذرائع کے خود بخود علم کا جاننے

والا وہی ایک ہے۔ اس کا علم تو انسانوں کے علم پر حاوی ہے۔ جب کہ انسان اللہ کے علم سے جو قطعی طور پر خود بخود اور براہ راست ہے بالکل بے خبر ہے۔

اللہ کا علم کامل اور محیط ہے

امام بخاریؒ نے حدیث خضر میں نقل کیا ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ کشتی پر سوار ہوئے تو ایک چڑیا آ کر کشتی پر بیٹھ گئی۔ اور اس نے دریا میں سے ایک یا دو نقرہ پانی لیا۔ جس کا مشاہدہ کرنے کے بعد حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ اے موسیٰؑ:

ما نقص علمی و علمک من علم الله الا کنقرة هذا العصفور فی البحر (۴)

میرے اور تیرے علم کی وجہ سے اللہ کے علم میں اس قدر کمی بھی نہیں آئی جس قدر اس چڑیا کی اپنی چونچ کے ذریعہ پانی لینے سے دریا میں آئی ہے۔

گویا کہ حضرت خضرؑ علم الٰہی کی وسعت اور بیکرانی کی حقیقت سے حضرت موسیٰ کو آگاہ کر رہے ہیں۔ باوجودیکہ وہ دونوں خود علم کے پہاڑ ہیں کہ ان میں سے ایک اللہ کا برگزیدہ نبی ہے، اور دوسرا وہ جسے قرآن نے **وعلمنه من لدنا علما** کی سند عطا کر رکھی ہے۔ اور جسے علم کی خاص نشانی بنا کر حضرت موسیٰؑ کو دکھایا جا رہا ہے لیکن اس مظاہرہ کا مقصود یہ ہے کہ بتایا جائے اللہ کا علم مخلوقات کے علم کے سامنے بحر محیط کی مانند ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ کامل اور محیط ہے۔ بلکہ ساری کائنات پر حاوی اور غالب بھی ہے۔ اس کے سامنے موجودات کا علم ایسے ہے جیسے کہ سمندر کے مقابلہ میں سوئی کے ایک نکہ کو لگنے والا پانی۔

انسان کا علم عطائے الٰہی ہے

جہاں پر اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق، مالک اور مقتدر اعلیٰ ہے۔ وہاں وہ علیم وخبیر اور عزیز و حکیم بھی ہے۔ کہ ہر شے کی ہر وقت اور ہر حال میں حکیمانہ طور پر خبر رکھتا ہے۔ اس نے ہدایت وراہنمائی کیلئے اپنی خاص عنایت سے ہدایت کا علم اور اشیاء کا علم انسان کو عطا فرمایا ہے۔ اور اس عطائے ربانی کی تکمیل کے لئے خصوصی ذرائع بھی از خود تخلیق فرمائے ہیں۔ چنانچہ سورہ علق میں فرمایا:۔

وربک الاکرم الذی علم بالقلم ، علم الانسان مالم یعلم. (۵)

اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا اور انسان کو وہ علم دیا جسے وہ ہرگز نہ جانتا تھا۔

خالق کا انتہائی کرم ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا۔ ایک حقیر ترین مقام سے اٹھایا۔ اور صاحبِ علم بنا کر ساری مخلوقات سے بلند ترین رتبہ پر فائز کر دیا۔ اور صرف صاحبِ علم ہی نہیں بنایا بلکہ قلم کے استعمال سے لکھنے کا فن بھی اسے سکھا دیا۔ جو بڑے پیمانے پر علم کی اشاعت، ترقی اور اس کی حفاظت و بقا کا ذریعہ ہے اور پھر انسان کو صفت علم سے یوں آراستہ فرمایا کہ اس سے پیشتر وہ بالکل بے علم اور جاہل تھا۔ اور کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ اسے جو کچھ بھی علم حاصل ہوا۔ اللہ کے دینے سے حاصل ہوا۔ یہ اسی کی مشیت اور عطا ہے۔ کہ اس نے جس مرحلے پر انسان کے لئے علم کے جو دروازے کھولنے چاہے، وہ اس پر کھلتے چلے گئے۔ کہ انسان **علم الانسان مالم یعلم** کا مصداق ٹھہرا۔ اس لئے یہ حقیقت ہے کہ جن جن چیزوں کو بھی انسان اپنی علمی دریافت سمجھتا ہے۔ وہ دراصل پہلے اس کے علم میں نہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ ہی نے جب چاہا ان کا علم اسے دیا۔ بغیر اس کے کہ انسان یہ محسوس کرتا۔ کہ یہ علم اللہ اسے دے رہا ہے۔

علمی دریافت کا اسلامی نظریہ

اس پر بس نہیں، بلکہ جس قدر علمی فلسفیانہ سائنسی فنی یا تکنیکی ایجادات ہوئی ہیں۔ وہ سب کی سب دراصل حضرتِ انسان کی دریافت ہے۔ ورنہ درحقیقت ان کا اولین موجد اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ جس نے ہر شے کی حقیقت اس کا فارمولا اور تشریحات اپنے علم میں ازل سے تیار فرما دیں۔ اور جن کو وہ اپنے اپنے مقررہ وقت پر خاص انسانوں کے ذہن ودماغ میں ڈالتا چلا جاتا ہے۔ تاکہ وہ تجربات کر کے دنیا کو پیش کریں۔ اورانسانوں کی بھلائی کا باعث ہوں۔ بدیع السموت والارضِ (٦) کی اس آیت قرآنی میں اسی حقیقت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس واسطے اسلامی نظریہ یہ ہے کہ انسانوں نے علوم ایجاد نہیں کئے بلکہ رب تعالیٰ کی بخشش اور عطا سے علمی حقائق دریافت کر کے انہیں زندگی کے تقاضوں کے مطابق ترتیب وتجسیم کیا ہے۔ اور یہی انسانوں کا علمی سائنسی یا فلسفیانہ کمال ہے۔ ورنہ حقیقت میں تمام علوم کا موجد اور اولین سرچشمہ خالق کائنات کی ذات ہے۔

فیضانِ علم یا ہدایتِ انسانی کی راہ

قرآن نے علیم وخبیر کی جانب سے فیضانِ علمی کے جس خصوصی ذریعہ کی خبر دی ہے اسے ہدایت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ کیونکہ خالق نے جہاں پر فطری ضرورتوں کے لئے مادی عناصر پیدا فرمائے تاکہ جسم و بدن کی نشوونما ہو۔ وہاں پہ ہدایت کے مختلف مراتب واقسام کے ذریعہ انسان کو صاحب علم اور صاحب کمال بنایا۔ تاکہ انسان پڑھا لکھا ہوشمند اور ہدایت یافتہ ہوکر خلافتِ الٰہیہ کا مرکز اور مظہر بن جائے۔ چنانچہ قرآن کے نزدیک انسان کے عالم وجود میں آنے کے بعد درجہ تکمیل

تک پہنچنے کے لئے مختلف مراتب ہیں۔ جن میں سے آخری اور تکمیلی مرتبہ علمی ہدایت کا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

الذی خلق فسویٰ والذی قدر فهدیٰ (۷)

جس نے پیدا کیا درست فرمایا ایک خاص اندازہ ٹھہرایا اور ہدایت عطا فرمائی۔ یعنی خالق نے نہ صرف انسانوں کو تخلیق فرمایا۔ ان کے تمام ظاہری اور باطنی قوی اعتدال کے ساتھ پیدا فرمائے۔ اور ان کے لئے خاص طرح کا اندازہ ٹھہرایا۔ بلکہ ان کے اندر ہدایت کی روشنی بھی پیدا فرما دی جو انہیں زندگی کی راہ دکھاتی اور کاروبار حیات میں ان کی رہنمائی کرتی ہے۔ چنانچہ خالق کائنات کا تخلیقی شاہکار بھی یہی ہے کہ جہاں پر اس نے ہر وجود کو جامہ ہستی عطا فرمایا۔ اور اسے ایک خاص اندازے پر سنوارا اور بنایا۔ اسی طرح اس کی ہدایت کا بھی سامان مہیا کر دیا۔ تاکہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے علم پر مبنی زندگی کی راہوں کو تلاش کرے اور کامیابی سے ہمکنار ہو۔ اور پھر یہی وہ ہدایت ہے جس کے حاصل کرنے کے بعد انسان کے لئے اس کی عملی راہیں کھلتی اور آسان ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:

خلقه فقدره ثم السبيل يسره (۸)

اُسے پیدا فرمایا خاص اندازے پر استوار کیا۔ پھر اس پر زندگی کی راہ آسان کر دی۔ ربوبیت الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تخلیق کو ہدایت کے ساتھ مزین اور آراستہ کر کے پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے اس استفسار پر فرمایا:

ربنا الذی اعطیٰ کل شیء خلقه ثم هدیٰ (۹)

کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا۔ اور اس کے لئے ہدایت کی راہ کھول دی۔ حضرت ابراہیمؑ کی زبان مبارک سے بھی قرآن نے اسی حقیقت

کا اعلان کرایا۔

الذی خلقنی فھو یھدین (۱۰)

کہ جس پروردگار نے مجھے پیدا کیا ہے وہی میری ہدایت کرے گا۔

ہدایت ربانی کے مراتب یا ذرائع علمی:

فیضانِ علمی کے مختلف ذرائع یا ہدایت کے تدریجی مراتب دو طرح کے ہیں۔ کچھ طبعی ہیں اور کچھ روحانی اور شرعی وجدان حواس اور عقل طبعی ذرائع میں شامل ہیں۔ جبکہ وحی والہام کو روحانی اور شرعی مقام حاصل ہے۔ پیدائش کے بعد جوں جوں جسم انسانی کی نشو ونما ہوتی ہے۔ ہدایت ربانی میں بھی تدریجاً اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بلوغت کو پہنچنے تک انسان تمام طبعی مراتب کو طے کر لیتا ہے۔ اور علم کے فطری ذرائع سے پوری طرح بہرہ ور ہو کر وحی والہام کی ہدایت کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ تا کہ وہ اس کی رہنمائی میں مکمل طور پر زندگی کی راہ پر گامزن ہو سکے۔ علم کے فطری اور طبعی ذرائع سے انسان پر رب تعالیٰ کی جانب سے پرورش اور تربیت کی راہیں کھلتی ہیں اور وہ زندگی کی جدوجہد میں ان سے راہنمائی حاصل کرتا ہے۔ اسی واسطے علماء نے علم کے ان فطری ذرائع کو ہدایتِ ربوبیت سے تعبیر کیا ہے۔

پہلا ذریعہ علمی ہدایتِ وجدان

ہر شخص کو اپنی کیفیات و حالات کا جو حضوری علم بغیر کسی واسطے کے ہوتا ہے وجدان کہلاتا ہے۔ اور یہ علم انسان کو زندگی کے اولین لمحات ہی میں عطا کر دیا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بچہ جونہی شکم مادر سے باہر آتا ہے۔ زندگی کے پہلے ہی لمحہ میں خوب جانتا ہے کہ اس کی غذا ماں کے سینے میں ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے اسے ماں کی چھاتی سے لپٹ جانا ہے اور پستان منہ میں لے کر چوسنا ہے۔ اسے معلوم

ہے کہ بھوک کا اعلان رونے سے ہوگا۔ تا کہ ماں دودھ پلانے کے لئے تڑپ جائے۔ یہ بچہ جس نے عالمِ ہستی میں ابھی قدم رکھا ہے۔ اور جسے خارجی مؤثرات نے چھوا تک نہیں، کیسے معلوم کر لیتا ہے کہ اس کی غذا کا سرچشمہ یہی ہے۔ کونسا ہاتف غیبی اسے یہ سب کچھ سمجھا دیتا ہے۔ یہ ہدایت وجدان کا علمی کرشمہ ہی ہے جو حواس وادراک کے بیدار ہونے سے پیشتر اپنی خصوصی راہنمائی کے ذریعہ انسان کو زندگی کی راہوں پر چلا دیتا ہے کہ وہ پرورش کے لئے خود بخود آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہی وہ فطری ہدایت ہے جس میں انسان دیگر جانداروں کے ساتھ مماثلت رکھتا ہے۔

دوسرا ذریعہ علمی ہدایتِ حواس

وجدان کے بعد ہدایتِ حواس کا مرتبہ ہے جو نسبتاً بلند تر اور زیادہ یقینی ذریعہ علم ہے اور جس سے ہمیں دیکھنے سننے، چھونے اور چکھنے کی صلاحتیں ودیعت ہوتی ہیں انہی کا نام حواس خمسہ ہے اور یہی ہمارے علم کا دوسرا تدریجی ذریعہ ہیں دنیا کے بارے میں محسوسات کا علم جس قدر ہمیں حاصل ہوتا ہے اس کی بنیاد یہی حواس ہیں۔ ان ہی پر مبنی تجربہ کے بعد ہم اپنے مشاہدات کو ترتیب دیتے اور طبعی قوانین دریافت کرتے ہیں۔ ہدایتِ حواس بھی وجدان کی مانند عام جانداروں کی قدر مشترک ہے۔

تیسرا ذریعہ علمی ہدایت عقل

مندرجہ بالا دونوں مراتب انسان اور حیوان سب کیلئے ہیں لیکن انسان کے پاس ایک تیسرا مرتبہ ہدایت بھی موجود ہے۔ جسے ہدایت عقل کہا جاتا ہے۔ فطرت کی یہی ہدایت ہے جس نے انسان کے آگے غیر محدود ترقیات کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اور اسے کائنات ارضی کی تمام مخلوقات کا حاصل اور خلاصہ بنا دیا ہے یہ عقل ہی کی قوت ہے

جس کے تحت انسان تمام مخلوقات کو مسخر کر سکتا ہے۔اور بڑی سے بڑی طاقتور شے بھی اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے پر مجبور ہے۔عقل انسان کو جانوروں سے ممیّز کرتی ہے اور انسانی علوم میں ترتیب اور ربط اسی کی بنا پر ہے۔

چوتھا علمی ذریعہ ہدایتِ وحی

مذکورہ بالا علمی ذرائع اپنی ساری وسعتوں کے باوصف تمام تر انسانی تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہیں اس لئے انسان ہدایت اور راہنمائی کیلئے کسی ایسے ذریعہء علمی کا محتاج ہے جو آفاقی اور کائناتی طور پر ہمہ جہت مکمل اور جامع ہو اور جس سے خالق نے کائنات کے پس منظر اور پیش منظر کی معلومات کو اپنے بھیجے ہوئے برگزیدہ بندوں کی زبانی انسانوں تک پہنچانے کا خود اہتمام کیا ہو۔اس ذریعہ علمی کو ہدایتِ وحی کہا جاتا ہے۔اس سے حاصل ہونے والا علم انسان کو تیقن اور طمانیت کی دولت سے بہرہ ور کرتا ہے کیونکہ یہ علم خدا کے برگزیدہ بندوں یعنی انبیاء پر انسانوں کی ہدایت اور معرفت کیلئے واضح طور پر منکشف ہوتا ہے جہاں پر دوسرے لوگ انبیاء کی وساطت سے یہ علم حاصل کرتے ہیں۔

علمی ذرائع میں وحی کا مقام

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق علمی ذرائع میں وحی کو ایک خاص مقام حاصل ہے کیونکہ اسلامی علوم کا اولین سرچشمہ وحی الٰہی اور کلام پاک ہے کہ جس پر علوم و معارف کی پرشکوہ عمارت استوار ہوتی ہے اور ہدایت کے ازلی و ابدی چشمے یہیں سے پھوٹتے ہیں یہاں پر وحی کی اہمیت اس لئے ہے کہ یہ ذریعہ علمی اللہ کی جانب سے انبیاء کو عطا کیا جاتا ہے یہ نہ تخلیقی ہے نہ کسبی بلکہ مکمل طور پر وہبی چیز ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے بخش دیتا ہے۔اور اسی لئے وحی علمی ذرائع کا آخری نقطہ کمال ہے۔جہاں پر حیوانات

میں وجدان وحواس کارفرما ہیں وہاں حضرتِ انسان احساس وشعور کے کمال کا نمونہ ہے اوروحی والہام، ذہنیات وعقلیات سے بالا حقائق غیبیہ معلوم کرنے کا راستہ ہے۔

وحی کے معنی

لغت میں وحی کے معنی اشارہ کرنے، دل میں ڈالنے، چھپا کر بولنے اور منہ سے لفظ نکالے بغیر بات بتا دینے کو کہتے ہیں گویا کہ وحی وہ اشارہ ہے جو نبوت پر حقائق غیبیہ کی راہ کھولتا ہے۔ اسے امام رازی کی زبان میں ملکہ نبوت، مجدد الف ثانی کی اصطلاح میں نور نبوت، اقبال کی تعبیرات میں شعورِ نبوت کہتے ہیں۔ مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ

''جیسے عقل کا مقام حواس سے بالا ہے کہ جن چیزوں تک رسائی ہم حواس کے ذریعہ نہیں کر سکتے، عقل کے ذریعہ کر سکتے ہیں ایسے ہی نبوت کا مقام عقل سے بالا ہے جہاں عقل کی رسائی نہیں ہوتی، نور نبوت کے ذریعہ اس کا ادراک کیا جا سکتا ہے'' اور اس کے ساتھ حضرت مجدد صاحب نے یہ انکشاف بھی فرمایا کہ:

''جو شخص عقل وحواس ہی کو مانتا ہے اور اس کے سوا کسی علمی ذریعہ کو نہیں مانتا وہ درحقیقت منکر نبوت ہے''۔

علامہ اقبالؒ نے اسے اپنے مخصوص انداز میں یوں پیش فرمایا ہے کہ:

''جسے ہم نے شعورِ نبوت سے تعبیر کیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس شعور کی موجودگی میں نہ تو افراد کو خود کسی چیز پر حکم لگانا پڑے گا اور نہ اس کے سامنے یہ سوال ہوگا کہ ان کی پسند کیا ہے اور ناپسندیدگی کیا ہے۔ ان کو یہ بھی سوچنے کی ضرورت نہ ہوگی کہ وہ اپنے لئے کیا راہ عمل اختیار کریں یہ سب باتیں گویا پہلے سے ہی طے شدہ ہوں گی اور نہ ہی ان کو اس بارے میں خود اپنے فکر اور انتخاب سے کام لینا پڑے گا''۔

عرفانِ نبوت

اس لئے وحی عقلیت سے بالا کمال عرفانِ نبوت کو کہتے ہیں جو بالکل قطعی شے ہے جیسے ہمارے مشاہدات واضح طور پر یقینی اور قطعی ہوتے ہیں وحی کو صرف اسی لئے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہمارے ادراک اور احساسات سے ماوراء ہے۔امام غزالی فرماتے ہیں کہ

''آدمی کے اطوار میں سے جیسے عقل معقولات کے ادراک کا ایک ذریعہ ہے ایسے ہی نبوت بھی ایک طور ہے جس کے نور سے صاحبِ نبوت حقائق غیبیہ اور عقل سے بالا امور کا ادراک کر لیتا ہے''۱۲

حکیم االامت حضرت شاہ ولی اللہ کمال عرفانِ نبوت اور وحی کے مفہوم کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

''انسان کا مزاج اعتدال صورتِ نوعیہ کے لحاظ سے معارف الٰہیہ کے بغیر پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔اس لئے حکمتِ الٰہی نے کچھ شخصیتوں کی عقلیت کو ایسا صاف پاکیزہ اور بلند تر بنا دیا ہے کہ جن میں حقائق کے ادراک کی پوری پوری صلاحیت رکھی ہے یہ عظیم المرتبت شخصیت بارگاہ الٰہی سے علوم کا فیضان لیکر آتی ہے۔اور انسانوں تک پہنچاتی ہے اسکی حیثیت انسانوں میں ٹھیک وہی ہے جو شہد کی مکھیوں میں یعسوب کی ہوتی ہے اگر سلسلہ وحی نہ ہوتا تو نوعِ انسانی درجہ کمال کو نہ پاسکتی جو تقدیر الٰہی نے اس کیلئے مقرر کیا ہے۔گویا انسانوں میں وحی نوعِ انسانی کے ارتقاء کی آخری کڑی ہے''۱۳

الغرض جیسے وحی کا مقام عقل سے بالا ہے ایسے ہی نبوت کا مقام ولایت سے بالا ہے ولایت میں صرف اشراق ہوتا ہے اور اس میں غلطی کا احتمال ہے اس لئے ولی کا

الہام دلیل وحجت کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا اس کے برعکس نبوت کمال عرفان کے منصب پر متمکن ہونے کا نام ہے جس میں غلطی کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہو سکتا اس بناء پر نبوت کی ہر بات دلیل وحجت کا درجہ رکھتی ہے کہ جس کی بنیاد پر اسلام میں قوانین متشکل ہوتے اور نافذ کئے جاتے ہیں۔

اصول اربعہ حجت ہیں

اسی بنا پر اسلام میں قرآن وسنت اور اجماع وقیاس کے اصول اربعہ کو علوم نبوت کا بنیادی سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ کہ فقہہ واجتہاد کی ساری کاوشیں ان چاروں پر مبنی ہیں۔ یہاں وہ چار عناصر ہیں جن کی روشنی میں علم وعمل کے سارے زاویئے ترتیب دیئے جاتے ہیں۔ اور اسلامی زندگی کے خدوخال انہی سے اجاگر ہوتے ہیں۔ فرد خاندان معاشرہ، مکتب اور سیاست کے جملہ امور میں ان چاروں کو مقتدر تصور کیا جاتا ہے۔ اور قوانین کی تشکیل میں جمہور علماء اسلام ان کے دلیل وحجت ہونے پر متفق ہیں۔ نیز ان کو دلائل اربعہ بھی کہا جاتا ہے۔

اسلامی تصور علم کی امتیازی خصوصیات

وہ خصوصیات جن کی بنا پر اسلامی تصورِ علم کو دوسرے تمام افکار ونظریات پر فوقیت اور عظمت حاصل ہے۔ درج ذیل ہیں۔

ا۔ اسلام کے سوا دنیا کا کوئی مذہب اور تمدن ایسا نہیں جس نے تمام انسانوں کی تعلیم کو ایک بنیادی ضرورت قرار دیا ہو۔ یونان اور چین نے غیر معمولی علمی اور تمدنی ترقی کی۔ لیکن وہ بھی تمام انسانوں کی تعلیم کے قائل نہ تھے۔ بلکہ وہ اہل علم کے ایک طبقہ پر ہی قانع ہو گئے تھے۔ افلاطون اپنی جمہوریہ میں جو اونچے سے اونچا خواب دیکھ

سکا، اس میں بھی فلاسفہ اور اہل نظر کے ایک مخصوص طبقے ہی کو اس امتیاز سے نوازا گیا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام وہ ضابطہ حیات ہے جس نے تمام انسانوں پر تعلیم کو فرض قرار دیا۔ اور اس فرض کی انجام دہی کو معاشرے کی ایک ذمہ داری بنایا۔

۲۔ علم روح و بدن ہر دو کی فطری ضرورت ہے۔ دونوں کی نشو ونما اس کی راہنمائی اور ہدایت پر منحصر ہے۔ وہ علم جو جسم کے ساتھ قلب و روح میں بھی روشنی پیدا نہ کر سکے، ناکارہ ہے۔ کیونکہ علم اس وقت حقیقی دوست اور راہنما کا کردار ادا کر سکتا ہے جب اس کا محور دل ہو۔ ورنہ صرف تن پرستی کے چکر میں یہ انسان کیلئے سانپ بن جاتا ہے۔

علم را برتن زنی مارے بود
علم را بردل زنی یارے بود

اسی بناء پر علامہ اقبالؒ نے خود مشاہدات اور سائنس کے علم کو بھی دین کے تابع قرار دیا ہے۔ جیسا کہ وہ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہو۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہیں معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے وہ طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے۔ اگر یہ دین کے تحت نہ رہے تو محض شیطنت ہے۔ مسلمان کے لئے لازم ہے کہ علم کو مسلمان کرے۔

ع بولہب راحیدرِ کرارؓ کن

اگر یہ بولہب حیدر کرارؓ بن جائے یا یوں کہیئے کہ اس کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو نوع انسان کے لئے سراپا رحمت ہے۔ (۱۴)

۳۔ علم کے اسلامی فلسفہ کے مطابق عملی نمونہ کے بغیر علم ادھورا اور نامکمل ہے۔ اور تمام علمی اثاثے اس وقت تک محض نظریہ اور خیال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب تک

ان کے پیش منظر میں عمل کا مظاہرہ اور نفاذ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ علم کو انسانیت میں اجاگر کرنے کے لئے اسباب کے منظر مین قرآن کا نزول بھی حوادث و واقعات کے مطابق بتدریج ۲۳ سال کے عرصہ میں ہوا۔ ورنہ اگر یہ بات پیش نظر نہ ہوتی سابقہ الہامی کتابوں کی طرح قرآن کو بھی ایک ہی وقت میں نازل کیا جاسکتا تھا۔ ورتلناہ ترتیلا کا مقصود بھی یہی ہے کہ اعمال ومظاہر کے تشکیل پاتے ہی علم کے حقائق خود بخود نافذ ہوتے جائیں۔ اور نبوت کے علمی اور عملی کمالات ایک ساتھ ظہور میں آئیں۔

جب علم کے ہر گوشہ کی پشت پر ایک مقررہ نظام عمل کے مظاہر ہوں گے تو قدرتی طور پر ہر شخص کو اس سے متمتع ہونے کا موقع ملے گا۔ اور ہر آنکھ دیکھ سکے گی کہ علم کے ساتھ عمل اور تھیوری کے ساتھ پریکٹیکل موجود ہے۔ چنانچہ وہ تمام اعمال نبوت جن میں مقام نبوت کے افادہ وفیضان اور زینت وجمال کا ذکر ہے۔ دراصل اسی استدلال پر مبنی ہیں۔ کیونکہ صرف نظریاتی طاقت سے دنیا میں اس وقت تک کوئی تبدیلی نہیں آسکتی جب تک نظریات کی پشت پر عمل وکردار کی قوت نہ ہو۔ اور کوئی اصول ونظریہ یا دعوت اور دعویٰ عمل میں آئے بغیر محسوس حقیقت نہیں بن سکتا۔ علم کے ساتھ عمل کا نمونہ ہی قوت کا ایسا سرچشمہ ہے جس کے ذریعہ تاریخ میں عظیم انقلاب کی مثال ملتی ہے۔ اگر صرف نظریات میں افادیت ہوتی تو کتاب کے ساتھ نبی کی شخصیت کا ظہور نہ ہوتا۔ اور اگر محض عمل میں اصلاح کی ضمانت ہوتی تو نبوت کے ساتھ علم کا نام ونشان تک نہ ہوتا۔

اسوۂ حسنہ کا مینارۂ نور

لہذا امر واقع یہی ہے کہ علم بغیر عمل کے وبال ہے۔ اور عمل بغیر علم کے ضلال۔ اسی طرح نظریہ بغیر واقعہ کے، اور واقعہ بغیر نظریہ کے علم وعمل کا زوال۔ اسی واسطے اسلام میں لازم ہے کہ علمی سرمایہ عملی ورثہ سے مزین ہوتا کہ ایسا تمدن معرض وجود میں آئے۔

جہاں علم وعمل کی دونوں قوتیں کارفرما ہوں۔ اور ایسا نظام حیات قائم ہو جس میں سچے علمی حقائق اور اچھے عملی مظاہر کا چرچا ہو۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات ﷺ کو بھیجا۔ جو علم وعمل کے تمام تر کمالات کا محور اور مرکز ہیں۔ تاکہ دنیا والے آپ کے اسوۂ حسنہ کو مینارہ نور سمجھ کر مشعل راہ بنائیں۔ اور ہر طرح کامیاب و کامران ہوں۔

فلاح انسانیت

ان حقائق کی روشنی مین یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ علم کا وہی تصور ہر لحاظ سے مکمل اور جامع ہے جسے دین اسلام نے دنیا والوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور جس میں مندرجہ بالا تشریحات کے مطابق ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو انسانیت کے لئے دنیا وآخرت کی فلاح اور کامیابی کا رستہ متعین کر کے انسان کو صحیح معنوں میں ہدایت یافتہ اور سمجھدار بنا دیتی ہے۔

مراجع مصادر

۱۔ سورہ البقرہ : ۲۵۵

۲۔ تفسیر روح المعانی :

۳۔ سورۃ الحشر : ۲۲

۴۔ صحیح بخاری :

۵۔ سورۃ العلق : ۳ تا ۵

۶۔ سورۃ البقرہ : ۱۱۷

۷۔ سورۃ الاعلیٰ : ۲، ۳

۸۔ سورۃ عبس : ۱۹، ۲۰

۹۔ سورۃ طٰہٰ : ۵۰

۱۰۔ سورۃ الشعراء : ۷۸

۲۲۔ تشکیل جدید الٰہیات مصنفہ علامہ اقبالؒ ترجمہ اردو

۱۲۔ المنقذ من الضلال، لامام غزالیؒ

۱۳۔ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ

۱۴۔ Iqbal's Educational-Philosophy

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ

آج کے دن میں نے تمہارا دین تم پر مکمل فرما دیا اور

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ

تمہارے اوپر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے واسطے

دِيْنًا ؕ

دین اسلام کو پسند فرمایا

(المائدہ:۳)

کمال نبوت و رسالت

خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کو دین کامل کا ایسا ابدی نظام عطا ہوا جو آفاقیت و جامعیت، اجتماعیت و جمعیت کی صفات کاملہ سے متصف اور خاتمیت و کاملیت سے اس طرح مزین ہے کہ اس میں انسانی زندگی کے لیے رشد و ہدایت کا سارا سامان موجود ہے اور اس بات کا باقاعدہ اہتمام کہ کسی دور میں بھی انسانیت خدائی راہنمائی سے محروم نہ رہنے پائے تاکہ دنیا و آخرت کی فلاح اور مکمل کامیابی اس کا مقدر بن جائے۔

۱۸۔ ذات وصفات میں درجہ کمال

۱۹۔ ایک جامع ضابطہ ھدایت

۲۰۔ معجزات کی جامعیت

۲۱۔ اجتماعیت

۲۲۔ جمعیت

۲۳۔ ورضوان من اللہ اکبر

۲۴۔ ایمان والے کا مقصود حیات

۲۵۔ فلاحِ انسانیت

جسم وروح کا حسین امتزاج

خالق کائنات نے انسان کو جسم و روح کے حسین امتزاج سے پیدا فرمایا ہے۔ انسانی زندگی دونوں سے عبارت ہے اور یہی انسان کے دو بنیادی تقاضے ہیں۔ ایک طرف اسے جسم کے لیے مادی اور جسمانی وسائل درکار ہیں اور دوسری طرف انفرادی اور اجتماعی زندگی کو درست سمت پر گزارنے کے لئے اخلاقی اور روحانی اصولوں کی ضرورت ہے۔ رب تعالیٰ نے دونوں ضرورتوں کو پورا فرما دیا مادی اور جسمانی احتیاجات کے لئے زمین وآسمان کے خزانے ودیعت فرمائے اور اخلاقی راہنمائی کیلئے انبیاء بھیجے۔ جنہوں نے زندگی کا سلیقہ بتایا اور انسانوں کو ہدایت الٰہی کے مطابق

صراط مستقیم پر چلنے کی تربیت دی۔

فطری اور بنیادی ضرورت

اس واسطے نبوت و رسالت نوع انسان کی ایک فطری اور بنیادی ضرورت ہے۔ کہ جس کے بغیر انسانیت کی تکمیل ممکن نہیں احسن تقویم کا تخلیقی سانچہ نبوت کی تزمین کے بغیر نامکمل اور آدمیت کا شجر عالی انبیاء کی آبیاری کے بغیر شادابی سے محروم یہ انبیاء ہی ہیں جو اپنی تعلیمات سے انسانوں کو انسانیت سے معمور کر کے ان کا رشتہ خالق و مالک کے ساتھ جوڑتے ہیں اور انہیں صحیح معنوں میں انسان بناتے ہیں ورنہ نبوی تعلیمات کے بغیر جہاں میں انسانوں کا روپ دھارے ہوئے حیوانوں اور درندوں کا چرچا ہوا اور انسانیت مسخ ہو کر رہ جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی تک ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء یہی فریضہ انجام دیتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی ذات پاک پر نبوت و رسالت کی تکمیل ہوئی۔ آپ ﷺ نے تشریف لا کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق قوموں اور ملتوں کی بدلتی ہوئی شریعتوں کو مکمل فرما دیا اور ارتقائی دور سے نکل کر دین کو اکمال و اتمام سے آراستہ فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نبوت و رسالت کے آخری امام ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''رسالت و نبوت کا سلسلہ مجھ پر ختم ہو گیا میرے بعد اب کوئی نہ رسول ہے نہ نبی''

حضور صاحبِ کمال ہیں

الیوم اکملت لکم دینکم (۳) میں جہاں تکمیل دین کی بشارت دی گئی

وہاں پر نبی آخر الزماں ﷺ کے عظیم مرتبہ کمال کا بھی اعلان فرمایا گیا۔ کثیر تعداد میں انبیاء اس دنیا میں تشریف لائے۔ کچھ ان میں سے صاحبِ جمال تھے اور کچھ صاحبِ جلال کہ ہر کوئی انسانوں کو اپنے جمال و جلال سے بہرہ ور کرتا رہا لیکن ہمارے رسول ﷺ جمال و جلال دونوں میں کمال کے مرتبہ پر فائز ہو کر تشریف لائے۔ اسی بناء پر آپ ﷺ صاحبِ کمال ہیں اور خالقِ کمال کا خصوصی نمونہ اور ماڈل کہ جن کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے:

واحسن منک لم ترقط عین
واجمل منک لم تلدالنساء
خلقت مبرأ من کل عیب
کانک قد خلقت کما تشاء (۴)

قدرت کا آخری شاہکار:

اس واسطے آپ کی ذات پاک منتہائے خلائق ہے اور کائنات کی تخلیق کا مقصد اتم کہ انفس و آفاق کی وسعتوں میں پھیلا ہوا جہان رنگ و بو اپنے دائرہ میں سمٹ کر آپ ہی کی ذات کے انتہائی اور آخری نکتہ پر مرتکز ہوتا ہے کیونکہ آپ ﷺ خالق کی تخلیق کا آخری شاہکار ہیں اور ایسا خدائی نمونہ کہ جس کی آمد پر نبوت و رسالت کی تکمیل ہوئی۔

خالق نے جس وقت کائنات کو پیدا کرنا چاہا تو اپنی صفات جمال کو بکھیر دیا اور انہیں اپنے سے باہر فرض کیا تو کائنات وجود میں آ گئی اور جب نفخت فیہ من روحی کہہ کر اس نے اپنی ذات کو غیر فرض کیا تو انسان کی پیدائش عمل میں آئی اور ایسی مخلوق منصۂ شہود پر آئی جو صفات کمال کا نسخہ جامعہ تھی اور جسے خلق اللہ ادم علی صورتہ کہہ کر اس نے جسم و روح کے بہترین اوصاف سے مزین فرمایا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ احسن تقویم کے اعلیٰ

ترین سانچے میں ڈھل کر انسان نے اشرف المخلوقات ہونے کا مرتبہ پایا اور اسے ازل سے ہی خلافت الٰہیہ کے عظیم منصب پر سرفراز ہونے کا اعزاز ملا جس کا اعلان انی جاعل فی الارض خلیفه کے الفاظ سے کیا گیا اور فرشتوں کو حکم ملا کہ آداب بجالاؤ۔ اور اس کے سامنے جھک جاؤ کیونکہ یہ میرا نائب اور خلیفہ ہے یہی وجہ ہے کہ اس اعزاز کے باعث ہر انسان اپنی جگہ خلافت الٰہیہ کا مظہر ہے اگر چہ ہر ایک میں باہمی مدارج کا اختلاف ہے اور فرائض جدا جدا ہیں لیکن یہاں پر عقل یہ تجویز کرتی ہے کہ تخلیق کا جو دائرہ سمٹ کر حضرت انسان تک پہنچا ہے جو کہ خلاصہ کائنات اور خلافت الٰہیہ کا مظہر اور محور ہے اس پر مرتب ہونے والے درجات خلافت کو مکمل ہوتے ہوئے بالآخر ایک ایسی ہستی پر ختم ہو جانا چاہیے جو نہ صرف کائنات کے اسماء وصفات اور ذات کا مظہر اتم ہو بلکہ تکوین و تخلیق کا آخری نقطہ اور مرکز بھی قرار پا سکتا ہو۔

اس تجویز پر نہ صرف عقل والوں، فلسفیوں اور مفکروں نے ہر زمانہ میں غور کیا ہے بلکہ وجدان و بصیرت والے بھی اسے انسانیت کی طویل الذیل تاریخ میں تلاش کرتے رہے ہیں حالانکہ صدیوں پہلے آسمانی آواز نے خلق عظیم والے کو رحمتہ للعالمین بنا کر یہ کہتے ہوئے دنیا میں بھیجا کہ وہی کمالات انسانی جو رفتہ رفتہ ارتقاء پا کر درجات خلافت سے نبوت و رسالت تک پہنچے تھے آگے بڑھتے ہوئے سمٹ کر کمالات نبوت کے خاتم اور آخری مرکز حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی پر پایہ تکمیل کو پہنچے ہیں جو ذات نسل آدم میں سارے اسماء وصفات کے تخلیقی دائرہ کا آخری اور انتہائی نقطہ ہے۔

اس طرح رب العالمین کی ساری حمد، ساری ستائش، سارے کمالات مخلوق بن کر رحمتہ للعالمین کی ذات اطہر میں جمع ہو گئے ہیں جس سے یہ کہا جائے گا کہ محمد صرف نام ہی نہیں بلکہ قدرت کا بہترین کام اور تخلیق کا آخری شاہکار بھی ہے۔

حکیم نطشے کا انسان اعلیٰ

دورِ جدید کے فلاسفہ میں نطشے نے اپنے سارے فلسفہ کی بنیاد ارتقاء کی اسی آخری تقویم پر رکھ کر سپر مین یعنی انسان اعلیٰ کا نظریہ پیش کیا ہے کہ آج تک وہ جس کی تلاش میں ہے کاش کہ وہ عقل کی حدوں سے آگے نکل کر نورِ ایمان کی منزل پر پہنچتا اور محمد مصطفےٰ ﷺ کی ذات میں اپنے سپر مین کو پالینے میں کامیاب ہوجاتا کیونکہ آپ ہی تو وہ مرکزی نقطہ ہیں جس کی اسے تلاش تھی۔

ابنِ عربی کا فردِ کامل

ابنِ عربی کی فصوص الحکم کی ستائیسویں حکمت کا موضوع ہے: ''فردیت کی فص کلمہ محمدیہ'' اس حکمت کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: آنحضرت ﷺ کی حکمت فردیت اس واسطے سے ہے کہ آپ نوعِ انسانی میں موجود یعنی فردِ کامل ہیں۔ نوعِ انسانی سے بالاتر بھی ہیں اور اسی لیے امرِ وجود کا آغاز آپ ﷺ سے ہوا اور آپ پر ہی انجام ہوا۔ (۵)

گویا کہ ابنِ عربی تخلیقی دائرہ کے آخری نقطہ ہونے کی حیثیت سے حضور اکرم ﷺ کو فردِ کامل قرار دیتا اور اول و آخر آپ ہی کو خیال کرتا ہے جیسا کہ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ (۶)

علامہ اقبالؒ کا عبدہٗ

نطشے اور ابنِ عربی کے نظریات سے متاثر ہوکر حضرت علامہ اقبالؒ انسانِ کامل کا جو تصور پیش کرتے ہیں، وہ اسے عبدہ کا لقب دیتے ہیں ان کے نزدیک عبد اور عبدہٗ میں فرق ہے۔ عبد سے مراد صاحبِ ایمان انسان یعنی مردِ مومن ہے جبکہ عبدہٗ سے مراد

حضور سرور کائنات ﷺ کی ذات مبارکہ ہے جیسا کہ وہ جاوید نامہ میں رقمطراز ہیں۔

پیش اوگیتی جبیں فرسودہ است　　خویش را خود عبدہ فرمودہ است

عبدۂ از فہم تو بالا تراست　　زانکہ او ہم آدم وہم جوہراست (۷)

عبد دیگر عبدۂ چیزے دِگر　　ماسراپا انتظار او منتظر

عبدۂ دہراست و دہراز عبدۂ است　　ماہمہ رنگیم واو بے رنگ و بواست (۸)

عبدۂ چندوچگون کائنات　　عبدۂ راز درون کائنات (۹)

حضرت علامہؒ نے قرآن پاک کو اپنے تصور انسان کامل کی بنیاد قرار دے کر محمد عبدہٗ ﷺ کی صفات کاملہ کو ان اشعار میں پیش فرمایا ہے آپ کے خیالات اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی انسان ہوتے ہوئے بھی فوق البشر جوہر کائنات اور مقصود خلائق ہے اور کائنات کے پس منظر میں جو کون و مکاں کا تصور کارگر ہے، اس کا جوہر اصلی آپ ہی کی ذات ہے۔ سورۂ اِسراء اور سورۃ النجم میں واقعہ معراج کی نسبت سے حضور اکرم ﷺ کا ذکر خیر خاص طور پر عبدۂ کو زمان و مکان کی بے پایاں وسعتوں سے ہمکنار کرتا ہے کہ جس پر اقبالؒ فخریہ کہہ اٹھتے ہیں

"عبدہ دہراست و دہراز عبدۂ است (۱۰)

شاہکار تخلیق کی امامت عظمیٰ

سید الانبیاء ﷺ کو اپنی تخلیق کا شاہکار بنا کر رب تعالیٰ نے معراج کرایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ جتنا زمین سے آسمان اونچا ہے اسی قدر کائنات میں آپ کی شان بلند ہے شب اسریٰ میں بھی جب ایک لاکھ چوبیس ہزار کی امامت عظمیٰ کا سوال تھا تو انبیاء کی صفوں میں اس امامت کے قابل بھی آپ ہی کی ذات پاک تھی کیونکہ امت میں امامت کا جو حق نبی کو ہوتا ہے وہ حق انبیاء میں آپ ہی کو حاصل تھا نیز میدان حشر

میں بھی تمام انبیاء آپ ہی کے جھنڈے تلے ہوں گے اور وہاں پر شفاعت کے سلسلہ میں بھی آپ ہی سب کے امام اور خطیب ہوں گے۔

امام الانبیاء کے منصب عظیم کی خصوصیات

تکمیل نبوت ورسالت کے مظہر کامل ہونے کی حیثیت سے امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ نے اپنی تعلیمات پر مبنی جو نظام حیات دنیا والوں کے سامنے پیش فرمایا ہے وہ بے شمار خصوصیات کا حامل ہے اور اس قدر جامع اور مکمل ہے کہ تاریخ انسانی اپنی وسعتوں کے باوجود اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے ان میں سے چند ایک خصوصیات درج ذیل ہیں۔

آفاقیت

حضور اکرم ﷺ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا پیغام کائناتی اور آفاقی ہے کیونکہ وہ ملک ، مذہب ،قوم ، خطے وطن اور رنگ ونسل کی حد بندیوں سے آزاد ہمہ گیر اور دوامی ہے۔اسلام نے ایسی تمام پابندیوں کو یکسر پامال کر دیا ہے جو اسے کسی زوایہ میں بھی محدود کرتی ہوں ۔ اس لیے اس کے تمام تر اصول عالمی اور بین الاقوامی نوعیت کے ہیں جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

بُعِثتُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحمر

کہ میں کالے اور گورے، سرخ وسفید سب کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

آفاقیت کا اولین سرچشمہ

توحید ورسالت کا عقیدہ اسلامی آفاقیت کا اولین سرچشمہ ہے ۔ اس لیے کہ جہاں پر توحید اسلام کی عمودی جہت کی نمائندگی کرتی ہے رسالت اس کی افقی جہت کی

دلیل ہے اور یہ دونوں جہتیں باہم مل کر اسلامی آفاقیت کو اجاگر کر رہی ہیں جس طرح توحید بندے کا رشتہ خدا سے جوڑتی ہے۔ رسالت بندے کا بندے سے رشتہ استوار کرتی ہے خدا سے غافل ہو کر بندے کے حقوق ادا نہیں کیے جا سکتے اور نہ بندوں کی حق تلفی کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں توحید کی غایت تقویٰ ہے اور رسالت کی احترام آدمیت، تقویٰ کا ثمر عفو و رحم ہے اور احترام آدمیت کا عدل و احسان، بندوں کا بندوں سے رشتہ جوڑنے کیلئے ضروری ہے کہ احترام آدمیت کی بنیاد پر زندگی کو ایک ایسے نظام میں مربوط اور منظم کر دیا جائے جس کی خصوصیات حضور اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں اس طرح بیان فرمائی ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع

قریش کے لوگو: خدا نے تمہاری نخوت کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر و مباہات کی اب کوئی گنجائش نہیں تمہارے خون، مال اور عزتیں ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے پر قطعی حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تا کہ تم پہچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزت اور بزرگی والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے اور گورا کالے سے۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا اگر کوئی معیار ہے تو وہ صرف تقویٰ ہی ہے۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو تمہارا ان پر حق ہے اور ان کا تم پر (۱۱)

یہ ہے منشور جو محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ نے دنیا کو دیا کہ جس میں تقویٰ پر

مبنی عالمگیر اخوت اور ایک بین الاقوامی وحدت کی بنیاد فراہم کر دی گئی تھی کہ جس کے سہارے ایک ایسی ملت معرض وجود میں آئی جو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند تھی اور ایک ایسی عمارت کی طرح جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو طاقت دے رہی ہو اور ایک جسم کی مانند جس کے تمام اعضاء ایک دوسرے کے ساتھ درد اور آرام میں برابر کے شریک ہوں۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آیت تکمیل کا نزول

حجۃ الوداع کے دن جمعہ کا دن تھا اس موقع پر اس عظیم اور تاریخ ساز خطاب کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اپنی مبارک انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور تین بار فرمایا: اللھم اشھد کہ اے میرے اللہ تو گواہ رہ کہ میں نے تیرا پیغام آج کے روز لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔ عین اس وقت جبریل امین تشریف لائے اور آیت تکمیل دین کا نزول ہوا جو کہ درج ذیل ہے:

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (۱۲)

کہ آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے میں نے دین اسلام پسند کیا خدا کا شکر ہے کہ تاریخ انسانیت میں پہلی بار عظمت و وقار کے عنوان پر واضح اعلان حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے میدان عرفات میں کیا گیا کہ اس کے ساتھ ہی دین کی تکمیل ہوئی اور صدیوں تک کے لیے انسانیت کا وقار بحال ہو گیا۔ کیونکہ یہ خطبہ حقوق انسانی کے تحفظ اور استحکام کی پختہ ضمانت تھا کہ اس کے بعد کنگ جان کا میگنا کارٹا ۱۹۴۲ء کا اتیلا تک چارٹر یا اقوام متحدہ کا منشور بھی حضور اکرم ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کے آفاقی اعلان

سے بڑھ کر انسانیت کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔ اگر چہ صاف ظاہر ہے کہ اقوام متحدہ کا منشور بھی خطبہ مبارکہ کا ایک حصہ ہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ذیل میں منشور کے الفاظ خود بتا رہے ہیں۔

''نسل، جنس، زبان اور مذہب کی تفریق کے بغیر انسانی حقوق اور آزادی کی حوصلہ افزائی کرنا اور اسے فروغ دینا۔

رواداری سے کام لینا اور آپس میں امن سے زندگی بسر کرنا، انسانی عظمت وقار اور مردوں، عورتوں کے مساوی حقوق کی حفاظت کرنا۔

دنیا والوں کو جنگ کی مصیبت سے بچانا'' (۱۴)

آفاقی اقتدار اعلیٰ کا تصور

دور حاضر کے ماہرین سیاسیات نے مستقبل کے لیے جو نظام سیاست تجویز کیا ہے اس میں سب سے زیادہ ضروری چیز آفاقی اقتدار اعلیٰ کا تصور ہے جس کے تحت وہ ایک عالمی اور بین الاقوامی ریاست کے قیام کو انسانیت کی مشکلات کا حل سمجھتے ہیں ان کے نزدیک اقوام متحدہ کا تجربہ بھی آفاقی حاکمیت کے آئیڈیل کی جانب ایک نشانِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے حالانکہ اس آئیڈیل کا حصول پس منظر میں قائم اللہ تعالیٰ کی آفاقی قوت پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں جو توحید و رسالت پر مبنی ان عقائد و نظریات پر منحصر ہے جو اپنے ابدی پیغام میں آنحضرت ﷺ نے پیش فرمائے ہیں بلکہ آپ نے تو اپنی زندگی میں ان عقائد و نظریات کو عملی جامہ پہنا کر ایک یونیورسل سٹیٹ قائم کر کے دکھادی ہے آپ کے بعد صحابہ کرامؓ اور آئمہ نے بین الاقوامی سطح پر آفاقی ریاست کی تمام تر جزئیات کھول کر بیان کر دی ہیں یہاں تک کے دور نبوت سے لے کر عثمانی ترکوں کے آخری زمانہ تک خلافت اسلامیہ کا بین الاقوامی ڈھانچہ اس بات کا واضح

ثبوت ہے کہ ایک ہی مملکت کے تحت کئی قومیں اور رنگ و نسل کی تفریق کے بغیر کئی جماعتیں ایک ساتھ پرامن طور پر زندگی بسر کرتی ہیں اور کئی ملک متعدد براعظم ایک ساتھ خلافت کے دائرہ کار میں منسلک رہے کہ ہر کوئی عالمی ریاست کا یونیورسل شہری تھا اور کسی کو دنیا کے کسی خطے میں بھی نقل و حرکت کی کوئی پابندی نہ تھی ملکوں اور قوموں کے درمیان پاسپورٹ اور ویزا کا کوئی انتظام نہ تھا ہر کوئی ہر ملک میں آزادی سے آجا سکتا تھا اس لیے کہ اسلامی نظریہ کے تحت حاکمیت اللہ کی مانی جاتی تھی اور **ان الحکم الا للّٰہ** (۱۴) کے اصولوں پر اقتدار اعلیٰ رب تعالیٰ کی ذات تھی جو سب پر حاوی اور غالب ہے اور جس کی حکومت سب پر قائم ہے۔

علامہ اقبالؒ نے بھی آفاقی اقتدار اعلیٰ کے اسی نظریہ کو ملت آدم کے نام سے دین اسلام کا حقیقی مقصود قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک مکہ مکرمہ کی بین الاقوامی حج اسمبلی اسی نظریہ کے تحت آفاقی سیاسی نظام کے قیام کی جانب بڑھنے کا بہترین ذریعہ ہے وہ فرماتے ہیں:

اس دور میں اقوام کی صحبت ہوئی عام — پوشیدہ نگاہوں سے ہوئی وحدت آدم
تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود — اسلام کا مقصود فقط ملت آدم
مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام — جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم (۱۵)

خاتمیت

آفاقیت کے بعد رسالت عظمیٰ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ دعوت عالمگیر اور کسی خاص زمانہ تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے اور ہمیشہ کے واسطے ہے یہی وجہ ہے کہ حضور ختم المرسلین ﷺ کی آمد کے ساتھ ہی وحی و رسالت کا سلسلہ اپنی آخری حد کو پہنچ گیا کیونکہ قیامت تک اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ولکن رسول اللہ و خاتم النبین (۱۶)

خاتم مہر کو کہتے ہیں جب کسی لفافے یا دستاویز پر مہر لگا دی جاتی ہے تو اس کے بعد اس میں کوئی چیز ڈالی نہیں جا سکتی اور نہ ہی کوئی شے اس میں سے نکالی جا سکتی ہے اسی معنیٰ میں نبی اکرم ﷺ کو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے سارے انبیاء کا خاتم فرمایا جانا اس حقیقت کا اعلان بلیغ ہے کہ اب دین کامل ہو چکا ہے اور یہ آخری رسول ﷺ قیامت تک کیلئے ہمارا پیغام لے کر آ چکا ہے اب اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ علامہ اقبالؒ اس حقیقت کو یوں پیش فرماتے ہیں۔

''عقیدہ ختم نبوت کی ایک بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس سے لوگوں کے باطنی واردات کے متعلق ایک آزادانہ اور ناقدانہ طرز عمل قائم ہوتا ہے اس لیے ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ اب نوع انسان کی تاریخ میں کوئی شخص اس امر کا مدعی نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی مافوق الفطرت اختیار کی بنا پر دوسروں کو اپنی اطاعت پر مجبور کرے'' (۱۷)

اسی بناء پر اہل لغت اور اہل تفسیر نے بالاتفاق خاتم النبین کے معنی آخر النبیین کے لیے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جب دین مکمل ہو چکا اور اس میں کمی اور زیادتی کی گنجائش نہیں رہی جب کہ کمی اور زیادتی پیغمبر ہی کر سکتا ہے تو پھر نبی اور پیغمبر کی ضرورت بھی اب باقی نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ارشادات سے اسی چیز کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا۔

۱۔ بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے جب کوئی نبی مر جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا بلکہ خلفا ہوں گے (۱۸)

۲۔ میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص نے عمارت بنائی اور خوب حسین و جمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ

دی لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے اور کہتے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبین ہوں یعنی میرے آنے پر نبوت کی عمارت ختم ہو چکی۔ اب کوئی جگہ باقی نہیں ہے جسے پر کرنے کیلئے کوئی نبی آئے (۱۹)

۳۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں (یعنی کسی نئے آنے والے نبی کی امت نہیں)۔ ترمذی

آخری نبی اور رسول

لہٰذا معلوم ہوا کہ مظہر تکمیل نبوت و رسالت ہونے کی حیثیت سے آپ کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ آخری نبی و رسول ہیں اور آپ کا پیغام دائمی ابدی اور قیامت تک کے لیے اور وقت کی قید سے آزاد ہے۔ تمام ادیان آپ کے دین کے بعد منسوخ ہو چکے ہیں اور اب اللہ کے نزدیک منظور شدہ آخری دین آپ کا لایا ہوا دین یعنی اسلام ہی ہے ضروری ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے اور ہر قوم ملک اور زمانے کا انسان اسی کی پیروی کرے کیونکہ جب دین ساری دنیا کا دین ہے اور اس کا لانے والا پیغمبر پوری نوع انسانی کا پیغمبر قرار دیا گیا ہے تو اب کسی اور دین اور پیغمبر کا زمانہ باقی نہیں رہ سکتا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله. (۲۰)

وہ ذات جس نے اپنے پیارے رسول کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔

جامعیت

حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ جو تعلیمات آپ لے

کرآئے ہیں ان میں جامعیت پائی جائے اور آپ کی ذات گرامی خود جامع کمالات ہو چنانچہ آپ کو قرآن پاک جیسی جامع کتاب عطا کی گئی جو جہانوں کی ہدایت کے واسطے ایک اعلیٰ ترین نسخہ کیمیا ہے اور جس کا ایک ایک نقش جامع اور کامل ہے اس جامعیت کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام میں کوئی چیز زائد نہیں کہ نکالی جائے اور نہ ہی کوئی نقص اور کمی ہے کہ اس میں اضافہ کیا جائے اصول کی تشریح تو ہو سکتی ہے لیکن ان میں رد و بدل اور ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ ازل سے دین ایک ہی رہا ہے شریعتیں بدلتی رہیں اور قوموں کے مزاج کے مطابق ان میں ردو بدل ہوتا رہا جب مزاج پختہ ہو گیا تو دین کی بھی تکمیل ہوگئی۔

ذات وصفات میں درجہ کمال

جیسا کہ لباس ہر ایک انسان کی قدر مشترک ہے لیکن پیدائش سے لے کر جوانی تک کپڑوں کا ماپ بدلتا رہتا ہے جوں جوں جسم کی نشو ونما ہوتی ہے اسی حساب سے کپڑوں کی سلائی بھی بدلتی رہتی ہے یہاں تک کہ اعضائے جسمانی کی تکمیل پر ماپ بھی مکمل ہو جاتا ہے جس میں مزید ردو بدل کا امکان نہیں ہوتا ایسے ہی تکمیل دین پر نبوت ورسالت کی تمام تر تعلیمات کو جامعیت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اس لیے کہ اب نوع انسانی بھی ذات وصفات میں درجہ کمال کو پہنچ چکی ہے اور ترمیم واضافہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے مزاج میں شدت تھی اس لیے انتقام لینا آپ کی شریعت میں واجب تھا۔

وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس والعين بالعين والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح

قصاص (۲۱)

اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب (یعنی توریت) میں کہ جان بدلے جان کے، آنکھ بدلے آنکھ کے، کان بدلے کان کے، دانت بدلے دانت کے اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر۔

اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام کا قومی مزاج نرم تھا ان کے ہاں انتقام حرام اور عفو کو واجب قرار دیا گیا انہوں نے فرمایا،

''میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے جو تیرا کرتہ لے تو اسے چغہ بھی لے لینے دے جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے تو اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔''

لیکن محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ نے حرا کی وادی میں اتر کر اپنے پیروکاروں کو جو تعلیم دی اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ادھوری باتوں کو مکمل کر دیا گیا اور دونوں کی افراط و تفریط سے ہٹ کر میانہ روی اور اعتدال پر قائم اخلاق کا ایک جامع اور مبسوط نظام پیش کیا گیا ایک طرف فرمایا کہ:

جزاء سیئة سیئةمثلها (۲۲) بدلہ برائی کا برائی سے ہے اس جیسی نیز فرمایا کہ:

فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدیٰ علیکم (۲۳)

پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو۔ جیسی اس نے تم پر زیادتی کی۔

ایک جامع ضابطہ حیات

یعنی یہ کہ مظلوم کو انتقام کا پورا پورا حق دیا اور اعلان فرمایا:

ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب (۲۴)

''کہ اے عقل والو! بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے'' تو دوسری طرف

فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ (۲۵)

پھر جس نے معاف کر دیا اور صلح کرادی تو وہ گناہ سے پاک ہو گیا فرما کے عفو و درگزر اور صبر و تحمل کی طرف رہنمائی فرمائی کہ جس سے واضح ہو گیا کہ حضرت موسیٰ کی شریعت انتقام، قانون اور سیاست کی شریعت تھی اور حضرت عیسیٰ کی شریعت رحم وعظ اور اخلاق کی شریعت تھی یہ دونوں الگ الگ دنیا کے لیے اس قدر کار آمد نہ تھیں۔ حضرت محمد ﷺ نے حضرت موسیٰ کے قانون اور حضرت عیسیٰ کے وعظ کو اعتدال پر جمع کر کے اس طرح ترتیب دیا کہ قانون کا عدل اور اخلاق کا رحم باہم مل گئے اور ایسا ضابطہ تیار ہوا جو ہر دو کا جامع تھا۔ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ قول پورا ہو گیا کہ ''میرے بعد آنے والا میری ادھوری باتوں کو پورا کرے گا''۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی کفر کے خلاف جہاد کا منظر پیش کرتی ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی حیات بتوں کے دیس میں یقین محکم کی مثال ہے حضرت یعقوبؑ خدا پر توکل اور اعتماد کے علمبردار ہیں حضرت یوسفؑ قید و بند میں بھی جوش تبلیغ سے سرشار ہیں۔ حضرت ایوبؑ صبر و شکر کا نمونہ ہیں۔ حضرت یونسؑ ندامت و انابت کا محور، حضرت داؤدؑ حمد و ستائش اور دعاء و مناجات کا صحیفہ اور حضرت سلیمان شاہانہ اولوالعزمی پر قائم نبوت کی شان و شوکت۔

لیکن محمد رسول ﷺ کی سیرت طیبہ ان سب کا سراپا ہے اور تمام انبیآء و مرسلین کی سیرتوں اور زندگیوں کا مرکز کہ جہاں پر سب کے سارے کمالات سمٹ کر جمع ہو گئے ہیں۔

حسنِ یوسف ، دمِ عیسیٰ ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری (۲۷)

معجزات کی جامعیت

آنحضرت ﷺ چونکہ افضل الانبیاء والمرسلین ہیں اس لیے آپ کی ذات نبوت کے تمام تر کمالات کی پیکر ہے آپ نبوت ورسالت کے آفتاب ہیں دیگر تمام پیغمبروں کو جس قدر فضائل ومناقب عطا ہوئے ہیں وہ سب اسی آفتاب عالمتاب کا پرتو اور فیض ہے بنا بریں آپ کے تمام معجزات خواہ وہ معنوی ہوں یا حسی ہر طرح سے جامع اور بے مثال ہیں۔ معنوی طور پر قرآن پاک آپ کا سب سے بڑا علمی اعجاز ہے آپ کے علوم معارف، رموز واسرار اور مکارم اخلاق نیز آپ کے جملہ اوصاف ومعالی جن کی عالم میں نظیر نہیں ملتی آپ کے زندہ جاوید معجزات ہیں۔

ان کے علاوہ آپ کے حسی معجزات بھی جامعیت میں اپنی مثال آپ ہیں جیسا کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عصاء مارنے سے حضرت موسیٰ کے ہاتھوں پہاڑ سے چشمے جاری ہو گئے یقیناً معجزانہ بات ہے لیکن کمال یہ ہے کہ محمد مصطفےٰ ﷺ کی انگلیوں سے چشمے پھوٹ پڑیں کہ بظاہر ہر چند قطرے پانی سینکڑوں افراد کے پینے جانوروں کو پلانے اور نہانے کے لیے کافی ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا نے روشن ہوکر دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ لیکن کمال یہ ہے کہ محمد مصطفےٰ ﷺ وسلم کے خادمین صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں کی چھڑیاں رات کو رستہ چلتے روشنی کے مینار بن کر چمکنے لگیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قم باذن اللہ کہتے تو مردہ زندہ ہو جاتا۔ یقیناً یہ کھلا معجزہ ہے لیکن کمال اعجاز یہ ہے کہ محمد ﷺ کے دست مبارک میں سنگریزے تسبیح کرنے لگے کہ آواز غیروں نے بھی سنی اسی طرح ستون حنانہ کا اس وقت گریہ وزاری کرنا جب آپ ﷺ نے پہلی بار اسے چھوڑ کر منبر پر خطبہ دیا عصائے موسیٰؑ کے سانپ بن جانے سے کہیں زیادہ معجزانہ کمال اور جامعیت کی دلیل ہے۔ (۲۸)

اسود عنسی ملعون نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس نے مقام صنعا پر غلبہ کے بعد ایک صحابی ذویب بن کلیبؓ کو آگ میں ڈال دیا لیکن ہوا یہ کہ ایمان کی برکت سے آگ نے ان پر کوئی اثر نہ کیا جس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الحمد لله الذی جعل فی امتنا مثل ابراهیم الخلیل (۲۹)

خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہماری امت میں ابراہیم خلیل اللہ کا نمونہ بنایا ہے۔
شق القمر کا اعجاز عظیم اور معراج النبی ﷺ کا واقعہ عظمٰے خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کے معجزات کی آفاقی برتری اور عظمت کی نمایاں دلیل ہے جیسا کہ حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفٰے سے مجھے
عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

اجتماعیت

اس حقیقت کی وضاحت کے بعد کہ حضور اکرم ﷺ کی رسالت عظمٰے مجمع کمالات ہے اور آپ کی تعلیمات کا ہر پہلو جامع اور مکمل اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا دین اسلام میں اسقدر صلاحیت موجود ہے کہ ہر کس و ناکس اس سے مستفید ہو اور یہ دین عملاً نافذ ہو جائے تو اس مقصد کے حصول کیلئے خلافت کا سیاسی نظام قائم کیا گیا جس سے اجتماعیت کی صورت میں تکمیل دین کی ایک اور خصوصیت اجاگر ہوئی۔ قرآن کریم کے نزدیک یہی اتمام نعمت ہے جس کے تحت اجتماعی قوت حاصل ہوتی ہے اور نفاذ اسلام کی راہ کی تمام رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔ نیز اس صورت میں دین کی جامعیت افادۂ عام کا باعث بنتی ہے کیونکہ بہت سے فتنے ایسے ہیں جو وعظ نصیحت سے نہیں بلکہ طاقت و قوت سے ختم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

الملک والدین توأمان۔

حکومت اور دین دونوں جڑواں ہیں

اسی غرض کو پیش نظر رکھ کر عبادات میں بھی اجتماعیت کو اجاگر کیا گیا ہے تاکہ اسلام کا غلبہ ہو اور کفر والحاد مغلوب ہو جائیں۔

نماز باجماعت سے لے کر میدان جہاد تک کوئی بھی ایسا زوایہ عبادت نہیں جس میں اجتماعی فکر کو بروئے کار نہ لایا گیا ہو اور انسانوں کو باہم مل جل کر احکامات خداوندی سے عہدہ برآ ہونے کی ہدایت نہ ہو۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ اور جہاد سب کے سب اسلام کی اجتماعی زندگی کے نمایاں عناصر ہیں۔ اسی لیے **واتممت علیکم نعمتی** سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک مسلمانوں کا غلبہ اور عروج اور ان کے مخالفین کی تذلیل ہے جو کہ انہیں فتح مکہ پر حاصل ہوا اور جس کے بعد اللہ سبحانہ نے انہیں قوت اور اقتدار عطا فرمایا تاکہ دین کے احکام جاری ہوں۔

جمعیت

نبی آخرالزمان ﷺ کی تعلیمات کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ جو نظام زندگی آپ نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا ہے اس کے مختلف حصے آپس میں مضبوطی کے ساتھ جڑے ہیں جیسے ایک مشین کے مختلف پرزے آپس میں جڑے ہوتے ہیں نظری طور پر سمجھنے کیلئے تو انہیں الگ الگ قانون میں تقسیم کیا جا سکتا ہے مگر عملاً ان کا علیحدہ علیحدہ وجود ناممکن ہو جاتا ہے اپنی کارکردگی کے اعتبار سے یہ سارے اجزاء دراصل ایک ہی وحدت میں منسلک ہیں ان میں سے کوئی ایک جز اپنا عملی جوہر اسی وقت دکھا سکتا ہے جب کہ پورا دین کل کا کل حرکت میں آجائے۔ ایک ایک کر کے اجزاء بکھیر کر کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ دین اسلام اپنی تمام تر جزئیات میں باہم منضبط، منظّم

اور ایک مکمل وحدت ہے۔ لہٰذا فرمایا "ادخلوا فی السلم کافة (۳۰) کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ" اور اسے مکمل طور پر اختیار کرو تاکہ اس کی برکتوں سے بہرہ یاب ہوسکو ورضیت لکم الاسلام دینا (۳۱) کے اعلان سے رب تعالیٰ نے دین کی اسی وحدت کو اکمال و اتمام کے بعد ہمارے لیے پسند فرمایا کیونکہ آخرت کی نجات اسی پر موقوف ہے اور اس کی پیروی ہر شخص کیلئے ضروری ہے اب کوئی اور دین اللہ کو قبول نہیں ارشاد فرمایا۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وھو فی الاخرۃ من الخسرین (۳۲)

کہ جو کوئی اسلام کے علاوہ زندگی کا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا اسے رد کر دیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نامراد ہوگا۔

اسی بات کو خود نبی اکرم ﷺ نے زور دے کر بیان فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اس اُمت میں سے جس شخص تک میری نبوت کا پیغام پہنچا اور اس کے باوجود میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر گیا وہ دوزخی ہوگا۔ (۳۳)

ورضوان من اللہ اکبر: (۳۶)

بلکہ آپ نے تو یہاں تک اعلان فرمادیا کہ "اگر موسیٰ" زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا کہ وہ میری پیروی کرتے" کیونکہ ایک مسلمان کے لیے دنیا و آخرت میں نعمت کا حصول ہی سب سے بڑا مقصد زندگی ہے۔ ورضوان من اللہ اکبر کہہ کے بتایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا حصول واقعی سب سے بڑی بات ہے اور یہ بڑی بات کسی بڑے کام سے حاصل ہوگی ولذکر اللّٰہ

اکبر (۳۴) اور یہ بڑا کام اللہ کی یاد ہے نیز یہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کہ اللہ کے ذکر سے دل اطمینان کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں اور اسی کا نام جمعیت خاطر ہے کہ جس کے بغیر دین اسلام کی جامع صفات کا دلوں پر اجاگر ہونا ممکن نہیں۔

ایمان والے کا مقصود حیات

دین اسلام کے جامع اور ابدی قوانین پر کامیابی سے عمل پیرا ہو کر اللہ کا محبوب بندہ جس وقت اپنے مالک کے پاس پہنچتا ہے تو اس کی کامیابی کا یوں اعلان کیا جاتا ہے:

یایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃً مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (۳۵) (الفجر: ۲۷تا۳۰)

کہ اے جمعیت خاطر کے ساتھ اپنے رب کے پسندیدہ دین پر چلنے والے اپنے رب کی طرف پلٹ جا۔ اس سے راضی ہو کر اور اس کو راضی کر کے اور میرے برگزیدہ بندوں کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جا۔ مومن کی اسی انتہائی کامیابی کو حلاوتِ دل رضائے خاطر یا جمعیت خاطر کہا جائے گا۔ جو ایمان والے کا مقصود حیات ہے۔

فلاحِ انسانیت

یہ ہیں وہ عظیم صفاتِ کمال جن کے تحت مظہر تکمیل نبوت و رسالت ہونے کی حیثیت سے خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کو دین کامل کا ایسا ابدی نظام عطا ہوا جو آفاقیت و جامعیت، اجتماعیت و جمعیت کی صفات کاملہ سے متصف، اور خاتمیت و کاملیت سے اس طرح مزین ہے کہ اس میں انسانی زندگی کے لئے رشد و ہدایت کا سارا سامان موجود ہے۔ اور اس بات کا باقاعدہ اہتمام کہ کسی دور میں بھی انسانیت، خدائی راہنمائی سے محروم نہ رہنے پائے۔ تاکہ دنیا و آخرت کی فلاح اور مکمل کامیابی اس کا مقدر بن جائے۔

معراجع ومصادر

۱۔ سورۃ المائدہ:۳
۲۔ جامع ترمذی مسند احمد
۳۔ سورۃ المائدہ:۳
۴۔ دیوان حسان بن ثابتؓ
۵۔ اردو ترجمہ از برکت اللہ رضا لکھنوص ۴۲۲ تا ۴۴۰
۶۔ بالِ جبریل علامہ اقبالؒ ص ۲۵
۷۔ جاوید نامہ علامہ اقبالؒ ص ۲۵
۸۔ جاوید نامہ ص ۱۲۹
۹۔ جاوید نامہ ص ۱۲۹
۱۰۔ جاوید نامہ ص ۱۲۹
۱۱۔ مسلم حدیث جابر بن عبداللہ مشکوٰۃ ص ۲۲۴، ۲۲۵
۱۲۔ سورۃ المائدہ:۳
۱۳۔ منشور اقوام متحدہ ۱۹۴۵ء
۱۴۔ سورۃ یوسف:۴۰
۱۵۔ ضرب کلیم ص ۵۷، ۵۸
۱۶۔ سورۃ احزاب:۴۰
۱۷۔ تشکیل جدید الٰہیات مصنفہ علامہ اقبال ترجمہ اردو
۱۸۔ صحیح بخاری مطبوعہ مصر باب ماذکر عن بنی اسرائیل ص:۱۶۷
۱۹۔ صحیح بخاری مطبوعہ مصر باب خاتم النبین ص:۱۷۵
۲۰۔ سورۃ الفتح:۲۸
۲۱۔ سورۃ المائدہ:۴۵
۲۲۔ سورۃ الشوریٰ: ۴۰
۲۳۔ سورۃ البقرہ:۱۹۴
۲۴۔ سورۃ البقرہ: ۱۷۹
۲۵۔ سورۃ المائدہ:۴۵

۲۶۔ سورۃ الشوریٰ:۴۰
۲۷۔ مولانا جامی
۲۸۔ صحیح بخاری
۲۹۔ اصابہ حافظ ابن حجر عسقلانی
۳۰۔ سورۃ البقرہ:۲۰۸
۳۱۔ سورۃ المائدہ:۳
۳۲۔ سورۃ آلِ عمران:۸۵
۳۳۔ صحیح مسلم
۳۴۔ سورۃ العنکبوت:۲۵
۳۵۔ سورۃ الفجر ۲۷ تا ۳۰
۳۶۔ سورۃ توبہ : ۷۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ

یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ زندگی موجود ہے

حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ

ہر کسی کیلئے جو اللہ سے ملاقات اور یوم آخرت کی

وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا ٥ (الاحزاب:٢١)

حاضری کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے

کمالِ اسوۂ حسنہ

نبی اکرم ﷺ کے کمال اسوۂ حسنہ کی معرفت کے حصول کیلئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مثال سامنے ہے وہ کوئی لمبی چوڑی کتابوں کے کیڑے نہ تھے کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے فارغ التحصیل ہوں بلکہ وہ صرف سنت مطہرہ کے پیروکار تھے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر ایسے علوم اِلقا کیے تھے کہ جو آج کے دور میں بڑے بڑے دانشوروں اور عالموں کو بھی نصیب نہیں جبکہ ان میں سے ہر ایک علم و فضل کا بحر بیکراں تھا اور سنت رسول ﷺ کا پیکر بن کر انسانیت کے واسطے اسوۂ حسنہ کی مثال تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ شہنشاہ روم بھی صحابہ کرامؓ کی والہانہ اتباعِ سنت کی تفصیل سن کر اپنے اراکین سلطنت کے سامنے برملا اعلان کرنے پر مجبور ہوا کہ وہ وقت قریب ہے جب محمد ﷺ کے ماننے والے ایک روز اس سرزمین کے مالک ہوں گے جو میرے قدموں کے نیچے ہے۔

۱۔ سیرت کا مفہوم

۲۔ پیغام سیرت کی ابدیت

۳۔ سیرت مبارکہ مسلمانوں کا بے بہا خزانہ

۴۔ اسوۂ حسنہ کا سرمایہ عظیم

۵۔ سیرت و اخلاق کا اولین سرچشمہ

۶۔ علم حدیث سیرت رسول ﷺ کا علمی ورثہ

۷۔ اہل علم کے سینوں کا ذخیرۂ جاودانی

۸۔ نفاذِ سیرت اور اہل علم کی ضرورت و اہمیت

۹۔ متبعین سنت کا عملی مظاہرہ

۱۰۔ جزئیات میں نفاذ سیرت

۱۱۔ سیرت کے نفاذ کا قرآنی ضابطہ

۱۲۔ تلاوت آیات و تعلیم کتاب

۱۳۔ تزکیہ و تعلیم حکمت

۱۴۔ تقویٰ اور خشیت الٰہی

۱۵۔ حصول برکات کا واحد ذریعہ

۱۶۔ صحابہ کرام کی مثال

سیرت رسول کا مفہوم

لغت عرب میں یہ لفظ سارسے اسم ہے جس کے معنی ہیں سنت طریقہ ہیئت حالت اور لفظ سیرت سے مراد ہے اعمال کا صحیفہ، اور سلوک کی کیفت وحالت، اور عام روش وعادت اصطلاح شریعت میں سیرت رسول صلعم ایک خاص لفظ ہے جو نبی اکرم ﷺ کی ذات برکات کے عملی صحیفہ زندگی کا نام ہے جس میں سرورِ دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ کی ایک ایک جھلک ہر کیفیت اور حالت کو بالتفصیل بیان کیا جائے۔ اس لیے سیرت مبارکہ آپ ﷺ کے اقوال طیبہ، اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کو کہتے ہیں۔

پیغام سیرت کی ابدیت

سیرت مبارکہ کی ابدیت کا نمایاں ثبوت یہ ہے کہ آپ کی سیرت پوری جامعیت اور کاملیت کے ساتھ آغاز سے لے کر آج تک موجود اور محفوظ ہے اور ایسے مستقل عوامل بروئے کار ہیں کہ جن کی بناء پر ابد تک آپ ﷺ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ موجود اور محفوظ رہے گا کہ ان میں کوئی فرق نہ آنے پائے گا اور نہ ہی قیامت تک ان عوامل کے صرف نظر ہونے کا کوئی بھی اندیشہ ہے حالانکہ آپ ﷺ سے قبل انبیآء کے جس قدر نفوس قدسیہ اس دنیا میں تشریف لائے ہیں آپ ﷺ کے علاوہ کسی کی سیرت آج محفوظ نہیں کہ اس کا کوئی پہلو اجاگر کیا جا سکے بلکہ کئی انبیاء تو ایسے ہیں کہ ان کے حالات زندگی سرے سے موجود ہی نہیں اگر کچھ چیزیں ہیں بھی تو وہ صرف چند اشارے کچھ ہدایات و احکام ہیں جو آسمانی کتابوں سے قدرے دستیاب ہیں ورنہ مفصل حالات زندگی نظروں سے اوجھل اور مخفی ہیں۔

آج اگر ہم یہ چاہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی ساری زندگی ہمارے سامنے ہو یا عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے حالات از آغاز تا انجام ہمیں پوری طرح معلوم ہو جائیں تو یہ ممکن نہیں۔ حالانکہ ان انبیاء کے نام نامی بہت مشہور ہیں۔ یہاں تک کہ قرآن میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔

سیرت مبارکہ مسلمانوں کا بے بہا خزانہ

نہ صرف یہ کہ مسلمان آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ پر عمل پیرا ہو کر اپنے لیے ایسے حالات پیدا کر سکتے ہیں کہ سارا عالم ان کے سامنے سرنگوں ہو جائے بلکہ سیرت سرور دو عالم ﷺ بذاتہ ان کے واسطے دولت جاوداں کے بے بہا خزانے ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لم کان یرجوا اللہ والیوم الاخرو ذکر اللہ کثیراً(۱)

''(اے ایمان والو) یقیناً تمہارے واسطے رسول ﷺ کی سیرت گرامی میں ایک عمدہ نمونہ زندگی موجود ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ سے ملاقات اور یوم آخرت کی حاضری کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے''

اس آیت کی روشنی میں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سیرت مبارکہ نہ صرف علم وعمل کا ایک بے بہا خزانہ ہے بلکہ ایک مسلمان کی جاگیر اور اس کا قیمتی ورثہ بھی ہے جس سے دوسری اقوام یقیناً محروم ہیں۔

اسوۂ حسنہ کا سرمایہ عظیم

حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ انسانوں کیلئے عملیت کا لازوال آفاقی پیغام ہے جس پر عمل پیرا ہونے کیلئے اسوۂ حسنہ کا بے بہا سرمایہ قرآن وسنت میں اہل علم کے سینوں کے اندر اور متبعین سنت کے عمل کی صورت میں پہلے سے موجود ہے کہ جن کی ثقاہت سے کسی کو انکار نہیں۔

سیرت واخلاق کا اولین سرچشمہ

ایک صحابیؓ نے جب حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سوال کیا کہ بتایئے نبی کریم ﷺ کی سیرت واخلاق کیا ہیں؟ تو ام المومنین نے صحابی سے استفسار کیا کہ اما تقرا القران ۔ کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ اور پھر فرمایا وکان خلقہ القران (۲) قرآن ہی آپ کے اخلاق حسنہ کا مجموعہ ہے۔

یعنی آپ کی سیرت کا مشاہدہ مقصود ہو تو قرآن کو دیکھ لو اول سے آخر تک قرآن

پڑھ جاؤ۔ یہی آپ ﷺ کا علم ہے یہی آپ کا عمل ہے اور یہی آپ کے احوال ہیں گویا کہ قرآن حکیم ہی آپ کی سیرت مبارکہ کا اولین سرچشمہ ہے۔ اور جہاں تک قرآن پاک کی حفاظت کا تعلق ہے یہ کتاب حدیث متواترہ ہے جس کا ایک ایک حرف، ایک ایک لفظ، اعراب، زیر زبر تک سب محفوظ ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے الفاظ، حروف آیتیں، رکوع اور سورتیں سب گنی ہوئی ہیں۔ حتیٰ کہ محدثین نے اعراب تک گن رکھے ہیں اس قدر تواتر کے ساتھ اور سند اور تاریخ کی حیثیت سے معتبر اور متصل کتاب آج تک دنیا میں موجود نہیں۔ حق تعالیٰ نے اس کی حفاظت کاغذوں سے نہیں کرائی بلکہ امت کے سینوں کو اس کی حفاظت گاہ بنایا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

بل هو ايات بينات في صدور الذين اوتوا العلم (۳)

بلکہ وہ کھلی واضح نشانیاں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں موجود ہیں۔

اس کی حفاظت گاہ مسلمانوں کے قلوب کو قرار دیا۔ جہاں نہ کوئی ڈاکو پہنچتا ہے نہ کوئی چور اور نہ ہی شیطان کا اثر پڑ سکتا ہے کاغذ جل سکتے ہیں لکھنے والے بدل سکتے ہیں لیکن قلوب میں جو چیز محفوظ ہے نہ جل سکتی ہے اور نہ ہی بدل سکتی ہے۔ اس لیے جب قرآن نبی کریم کی سیرت کا نام ہے تو دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ سیرت مقدسہ بھی مسلمانوں کے سینوں میں اسی طرح محفوظ ہے جس طرح قرآن محفوظ ہے۔ اور یہ جو ہزاروں کی تعداد میں قرآن کریم کی تفسیریں لکھی گئی ہیں یہ بھی سیرت مطہرہ کی ہی تفسیریں ہیں جو برس ہا برس سے چلی آ رہی ہیں اور کتب خانے جن سے بھرے پڑے ہیں اس لیے جس طرح قرآن کے قطعی ہونے میں کوئی کلام نہیں اسی طرح اس کے سیرت مطہرہ کی قطعی تفسیر ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں اور جس طرح قرآن دلائل پر مبنی ہے۔ اسی طرح اس کا سیرت مبارکہ کا مکمل طور پر پیکر اور پرتو ہونا بھی دلائل پر مبنی

اور قطعی طور پر واضح بات ہے۔

جب حق تعالیٰ شانہ، نے انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون (۴) کے الفاظ سے قرآن کی حفاظت کا وعدہ دیا تو یہ وعدہ یکساں طور پر سیرت مقدسہ کی حفاظت کے لیے بھی تھا کیونکہ ان دونوں کی حفاظت اس نے ہم پر نہ چھوڑی بلکہ اپنے ذمہ لے لی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن اور سیرت ہر لحاظ سے محفوظ ہیں جب کہ گزشتہ امتوں کے انبیاء کی سیرتوں اور ان کی الہامی کتابوں کی حفاظت تو درکنار کسی ایک کا نام ونشان تک آج موجود نہیں۔

اس لیے اگر قرآن کی حفاظت بھی ہم پر چھوڑ دی جاتی تو اس کا بھی وہی حال ہوتا جو توریت اور انجیل کا ہوا جن کی حفاظت ان کے پیروکاروں کے ذمہ تھی جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

انا انزلنا التورۃ فیها هدی و نور یحکم بها النبیون الذین اسلموا للذین هادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب الله (۵)

ہم نے توریت نازل فرمائی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا، انبیاء جو اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے اس کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی بوجہ اس کے کہ ان کو اس کتاب اللہ کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے برخلاف قرآن حکیم اور صاحب قرآن کی سیرت کی حفاظت کا ذمہ خود حق تعالیٰ نے لیا اور فرمایا کہ ہم ہی نے اسے اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"

علم حدیث سیرت رسول ﷺ کا علمی ورثہ

قرآن پاک کے اولین سرچشمہ کے بعد علم حدیث جو سیرت رسول ﷺ کا علمی

ورثہ ہے، کتب حدیث کے مبسوط اور مفصل ذخیرہ کی صورت میں موجود ہے کہ جسے محدثین کرام نے بڑی محنت اور کاوش کے بعد ہر لحاظ سے محفوظ رکھا ہے اور جو سیرت النبی ﷺ کی ابدیت اور آفاقیت کا دوسرا سب سے بڑا عامل ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی کی ایک ایک ادا روایات میں محفوظ ہے۔ محدثانہ طریقے سے سند متصل اور سند صحیح کے ساتھ اور روایات کے طور پر راویوں کے احوال اور ان کے پورے کردار کے ساتھ غرضیکہ ہر لحاظ سے آپ ﷺ کی سیرت کلیتاً محفوظ ہے

اور پھر روایت میں بھی سب سے پہلی بات سند ہی ہوتی ہے جو عقلی چیز نہیں بلکہ نقل کی جانے والی شے ہے اور جس میں اسناد روایت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اور رجال پیش نظر ہوتے ہیں تاکہ روایت اور راوی مشتبہ نہ ہونے پائیں اس لیے اسماء الرجال کے مبسوط فن تحقیق کے ساتھ بھی سیرت مقدسہ کا ہر پہلو احادیث میں کاملاً محفوظ ہے بلکہ صحاح ستہ کتب احادیث، مغازی کی کتابیں، تاریخی دستاویزات، کتب دلائل، کتب شمائل، مکہ اور مدینہ کے حالات پر مبنی کتابیں سب کی سب سرور دو عالم ﷺ کی سیرت مطہرہ ہی کا علمی سرمایہ اور عملی سایہ ہیں جو لاکھوں کی تعداد میں لکھی جا چکی ہیں۔

اہل علم کے سینوں کا ذخیرہ جاودانی

قرآن و حدیث کے بعد ہر دور میں اہل علم کے سینے سیرت مقدسہ کا زندہ جاوید خزانہ رہے ہیں کہ امت میں سلف صالحین کے بعد خلف صالحین اپنے صالحانہ اعمال کے پس منظر میں سینہ بہ سینہ سیرت مقدسہ اور علوم نبوت کو نسلاً بعد نسل تازہ بہ تازہ آگے پہنچاتے رہے ہیں اور آئندہ بھی قیامت تک کیلئے یہ فریضہ سرانجام دیتے رہیں گے اسی لیے فرمایا کہ

یحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف

الغالین و انتحال المبطلین و تأ ویل الجاھلین(٦)

ہمیشہ اس امت کے خلف صالحین اپنے سلف صالحین سے اس علم کو حاصل کرتے رہیں گے، پھر اس علم کی روشنی سے غلو کرنے والوں کی تحریفات کا پردہ چاک کرتے رہیں گے اور غلط کاروں کی ضرر بافیوں کی اصلاح کر کے جاہلوں کی رکیق تعبیرات کو کھول کر رکھ دیں گے۔ اسواسطے یہ حقیقت ہے کہ اس امت میں علم کا تسلسل ہر دور میں قائم رہے گا اور جو بھی علم حاصل کرنا چاہے گا وہ جہالت میں نہیں رہے گا اہل علم حسن عمل کے ساتھ علم کے دروازے کھول کر ان کا استقبال کرتے رہیں گے اور رب تعالیٰ بھی ان کی کاوشوں کو کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔

اس طرح ہر دور میں اہل علم کی ایک جماعت کا بھی وعدہ ہوا جن کے سینوں میں علم نبوی ﷺ تازہ بہ تازہ محفوظ ہوگا اور جن کا علم خودساختہ اور قوت مطالعہ پر مبنی سوچ بچار کا علم نہیں ہوگا بلکہ اوپر سے سند لے کر وہ اس طرح علم کو حاصل کریں گے کہ الفاظ معانی کیفیات تعبیرات بلکہ ذہن تک سلف صالحین کا ہوگا وہ اپنے پاس سے صرف جہد و کوشش یعنی اجتہاد کا حصہ ڈالیں گے جس کے نتیجے میں انہیں ہر پیش پا افتادہ مسئلے کا حل سیرت مقدسہ کی صورت میں سامنے کھلا مل جائے گا کہ جس کی بناء پر وہ کسی قسم کے شک وشبہ اور تحیر میں مبتلا نہیں ہوں گے۔

نفاذ سیرت اور اہل علم کی ضرورت واہمیت

صحابہ کبارؓ سے لے کر آج تک اہل علم کی ضرورت واہمیت اپنی جگہ مسلم ہے کہ جن کے بغیر اسوۂ حسنہ کا عملی نفاذ ممکن نہیں اس واسطے کہ اگر صحابہؓ کو ضرورت تھی کہ قرآن کے ساتھ حضور ﷺ کی ذات گرامی کا عملی نمونہ سامنے ہو اور تابعین کو ضرورت تھی کہ صحابہؓ کا عملی تجربہ پیشِ نظر رہے اور تبع تابعین کے لیے تابعین کی زندگیاں

قرآن شناسی اور تعلیم سیرت کے لیے ضروری تھیں تو آج بھی از بس ضروری ہے کہ قرآن کے ساتھ علمائے قرآن کا اسوۂ عمل بھی سامنے ہو جنہوں نے اپنی عمریں تحصیل علم کیلئے صرف کی ہیں اور جو اپنے سلف صالحین سے علمی خوشہ چینی کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ کی عملی تربیت بھی حاصل کرتے رہے ہیں۔

نیز انہوں نے علم کو اپنے مشائخ سے روایتاً حاصل کرنے کے علاوہ معانی اور مضامین کو سنداً وصول کیا ہے اور وہ محض مطالعہ کر کے اوراق کے ذریعہ اور صرف سوچ بچار کرنے سے ہی عالم نہیں بن گئے بلکہ انہوں نے اساتذہ سے مکمل طور پر تربیت پا کر ان کے الفاظ و معانی کو اپنے لیے جزو نفس بنایا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ علمی اور عملی طور پر علوم کا سراپا ہیں کہ ان کے سینے سیرت مقدسہ کے ابدی اور جاودانی ذخیرہ قرار پا چکے ہیں اور ان کے صالحانہ اعمال اسوۂ حسنہ کی آفاقی اقدار کا محور اور مرکز ہیں جیسا کہ ارشاد رباری تعالیٰ ہے۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (۷)

خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں

گویا کہ قرآن نے بھی اہل علم کو ہی خشیت الٰہی کا پیکر قرار دیا جو کہ تقویٰ کی اولین بنیاد ہے۔

متبعین سنت کا عملی مظاہرہ

سیرت مطہرہ کے عملی نمونہ کے لیے چوتھا سب سے بڑا عامل ہر دور میں متبعین سنت کا مظاہرۂ عمل ہے یہ کہ ہر زمانہ میں ایسے علماء و صلحاء پیدا ہوتے رہے ہیں جن کی عملی زندگی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ثبوت ہے گویا کہ اس طرح سیرت مبارکہ کے عملی پہلو قرآن و سنت کے علاوہ متبع سنت شخصیتوں کے صالحانہ اعمال کے ذریعہ بھی اجاگر

ہوتے رہے ہیں اسواسطے نبی اکرم ﷺ نے اس بات کا بھی اعلان فرمایا کہ قیامت آنے تک امت میں ایک جماعت حق پر آتی رہے گی جن کی وجہ سے حق کبھی منقطع نہیں ہوگا چنانچہ فرمایا:

لاتزال طائفة من امتی ظاهرين على الحق حتیٰ يأتی امر الله

ایک اور مقام پر یوں فرمایا:

لاتزال طائفه من امتی ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتی يأتی امر الله (٨)

امت میں ہمیشہ ایک جماعت حق پر رہے گی جن کی اللہ کی طرف سے مدد کی جائے گی اوران کی مخالفت کرنے والا یا ان کو روکنے والا انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔

اس لیے ہزارہا علماء، حکما، محدثین اور آئمہ جو متبعین سنت گزرے ہیں ان کا عمل اپنی جگہ ایک مستقل منبع سیرت ہے کہ جس سے سیراب ہوکر اسوۂ حسنہ کو عملی طور پر نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اس بناء پر آج بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جو اتباع سنت کی دلیل ہیں اور زندگی کے تمام معاملات اور حالات میں سنت کا پیکر ہیں تاریخ بتاتی ہے اور علماء کا شاندار ماضی گواہ ہے کہ پھانسیاں کھڑی تھیں پھر بھی سیرت کی عملیت اور اتباع سنت میں فرق نہیں آرہا تھا غرضیکہ چودہ سو سال کی تاریخ ایسی ہزاروں مثالوں سے اٹی پڑی ہے کہ ہر زمانے میں سنت پر ڈٹ کر چلنے والے اور سیرت طیبہ کو عملی جامہ پہنانے والے اس قدر کثیر تعداد میں تواتر سے موجود رہے ہے کہ ان کا اتباع ہی سیرت مبارکہ کی عملی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ بلکہ آج بھی ایسے صالحین موجود ہیں جن کے طرز عمل سے واضح ہوتا ہے کہ یقیناً سیرت پاک کا نمونہ بس یہی ہے۔

غرضیکہ سیرت مقدسہ قرآن پاک میں روایات میں اہل علم کے سینوں میں اور متبعین سیرت کے عمل میں ہر طرح سے محفوظ ہے اس کے مطالعہ کے لیے دراصل اندرونی بصیرت درکار ہے اگر کوئی کج بحثی سے حقیقت کی آنکھیں بند کر لے تو اسے کچھ حاصل نہیں ہوگا بلکہ وہ محض تشکیک اور تحیر کی تاریکیوں میں کھو کر رہ جائے گا۔

جزئیات میں نفاذِ سیرت

سیرت چونکہ عملی چیز ہے اس لیے اس کا تعلق بھی زیادہ تر عملی جزئیات سے ہے اور جزئیات عمل روزمرہ کے معمولات سے مرتب ہوتے ہیں حرکات وسکنات، اخلاق وعادات، اقوال واحوال، نشست وبرخاست، خلوت وجلوت، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے وہ عملی زاویے ہیں جن سے عادات وخصائل کی ترتیب وتجسیم ہوتی ہے۔ اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ان ہی زاویوں کی تعمیر وتہذیب سے انسانی رویوں میں نکھار پیدا ہوسکتا ہے اور سیرت مطہرہ کے عملی پہلو اجاگر کیے جاسکتے ہیں ان ہی کے صحیح رخ سے انسان حیوانوں کی صف سے نکل کر ممتاز نظر آئے گا اور ان ہی پر مبنی سیرت مطہرہ کا نفاذ ممکن ہوگا کیونکہ یہی وہ معمولات ہیں جن پر سنت کی گہری چھاپ ہونی چاہیے ورنہ کلیات واصول کا تعلق تو قانون سازی سے ہوتا ہے جو زیادہ تر بیان وتشریح کے قابل ہوتے ہیں اور صرف جزئیات کے واسطہ سے ہی وہ عملی صورت اختیار کرتے ہیں اس واسطے ضروری ہے کہ اتباع سنت سے جزئیات سیرت کا ایسا عملی ڈھانچہ تیار ہو جو ہر کس وناکس کے لیے اسوۂ رسول ﷺ کا سچا پرتو اور حقیقی نمونہ بن سکے ورنہ کلیات کا علم حاصل کرنا تو فرض کفایہ ہے جو ہر ایک کیلئے ضروری نہیں۔ جب کہ اتباع سنت اپنی جگہ فرض عین ہے جس سے کسی مسلمان کو فرار کی اجازت نہیں امت میں چند ایک علماء ہوں گے لیکن ہر ایک کا متبع سنت ہونا ہر حال میں لازمی ہے۔

دورِ حاضرہ کی اہم ترین ضرورت بھی یہی ہے کہ اسوۂ حسنہ کو ہر زاویہ زندگی میں اجاگر کیا جائے اور اس کیلئے کلیات دین کے علاوہ جزئیات عمل میں بھی امت مسلمہ کی سیرت سازی کا منصوبہ بنایا جائے اور متبعین سنت کی ایک ایسی جماعت

تیار کر دی جائے جو عوام کے لیے سیرت مبارکہ کا خالص نمونہ بن کر سامنے آئے نیز تعلیمی اداروں سے لے کر قومی ذرائع ابلاغ تک ہر مقام پر ایسے باعمل، مخلص افراد کو کھڑا کر دیا جائے جو امت مسلمہ کے ہر فرد کو سیرت النبی ﷺ کا پیکر بن کر دکھا دیں اور جو کچھ کہیں اس پر خود عمل پیرا بھی ہوں بلکہ قول سے پیشتر عمل کا پریکٹیکل سامنے رکھ دیں ۔تا کہ مخاطب کو کم کہنے اور زیادہ سیرت مبارکہ پر عمل کرنے کی تربیت ہو۔

یہی وہ چیز ہے جس کی امت کو سب سے زیادہ ضرورت ہے اور جس سے ہم آج غافل ہیں۔

سیرت کے نفاذ کا قرآنی ضابطہ

قرآن پاک نے سیرت النبی ﷺ کے نفاذ کے لیے جو ضابطہ عمل تجویز فرما دیا ہے اس کی وضاحت یوں ہے ارشار باری تعالیٰ ہے۔

هو الذي بعث في الا ميين رسولاً منهم يتلوا عليهم اٰياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة (۹)

کہ وہ ذات ہے جس نے امیوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے انہیں پاک وصاف کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

تو اس سلسلہ میں چار باتیں بیان ہوئیں تلاوت آیات، یعنی قانون ربانی کا ابلاغ واعلان تعلیم کتاب یعنی الفاظ کے معانی ومرادات کی تشریح وتفسیر، تعلیم حکمت

یعنی رسول ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا عملی نمونہ اور تزکیہ نفس یعنی موافق ماحول میں ذہن سازی اور تعمیر سیرت کا مرحلہ

تلاوت آیات و تعلیم کتاب

اس بنا پر نفاذ سیرت کے ضابطہ عمل کی ترتیب کیلئے لازم ہے کہ وحی کے قرآنی الفاظ کے ساتھ معانی بھی وحی کی زبان سے ہی لیے جائیں جہاں سے صحیح معنوں میں قرآنی آیات کی قطعی تفسیر میسر آتی ہے کہ جس کے بعد کوئی شک وشبہ باقی رہنے نہیں پاتا۔ کیونکہ خود نبی اکرم ﷺ نے بھی قرآن کے بارے میں کبھی یہ نہیں فرمایا تھا کہ اس لفظ کے کئی معنی ہیں مناسب حال ایک کو اختیار کرلو بلکہ آپ ﷺ خود منتظر رہا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کیا مراد آپ ﷺ کے قلب اطہر پر وارد فرماتے ہیں آپ ﷺ اسی کو اختیار فرماتے یہاں تک کہ اگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین استفسار فرماتے کہ کسی خاص آیت کا معنی ومفہوم کیا ہے تو آپ فرماتے کہ مجھے معلوم نہیں مراد کیا ہے پھر فرماتے کہ استفتیت ربی فافتانی، کہ میں نے اپنے رب سے استفسار کیا تو میرے رب نے مجھے فتویٰ دیا کہ یہ معنی ہیں چنانچہ وہی معنی مراد ربانی ہوتے جنہیں خود حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کے قلب مبارک پر وارد فرمایا ہوتا اور آپ ﷺ نے صحابہؓ سے بیان کیا ہوتا اس لیے کہ آپ جہاں پر الفاظ میں امین ہیں وہاں پر معانی میں بھی امین ہیں اور جیسے آپ پر الفاظ نازل ہوئے وہاں پر معانی کا نزول بھی ہوا۔

یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے بھی وحی کی جمع وحفاظت اور احتیاط کے پیش نظر فرمایا:

لا تحرک به لسانک لتعجل به

کہ اے پیغمبر اس خدشے سے کہ کہیں آپ بھول نہ جائیں آپ قرآن پر اپنی زبان مبارک کو نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں۔

انّ علینا جمعہ وقر آنہٗ

ہمارے ذمہ لازم ہے کہ ہم اسے جمع بھی کر دیں (علیٰ کا لفظ لازم کرنے کیلئے آتا ہے) اور پڑھا بھی دیں۔

واذاقرأنا ہ فاتبع قر آنہ'

جب ہم پڑھیں یا ہمارا فرشتہ پڑھے تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کیا کریں آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی لفظ رہ جائے گا پھر فرمایا:

ثم ان علینا بیانہٗ(۱۰)

ہمارے ہی ذمہ ہے کہ اس کے معانی ومرادات کو بھی سمجھا دیں اور بیان کرادیں۔

جہاں پڑھنے کا تعلق الفاظ سے ہے وہاں معانی ومرادات بیان سے متعلق ہیں تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن کے الفاظ آپ کے قلب مبارک پر اتارے ہیں ویسے ہی آپ پر معانی بھی نازل کئے گئے ہیں۔ الفاظ کے معانی لغت سے نہیں لیے گئے ہیں شریعت سے لئے گئے ہیں۔ جیسا کہ لفظ صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کے ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں نماز کے پورے نظام کو صلوٰۃ کہتے ہیں صرف دعا کرنے سے لغت کا تقاضا تو پورا ہو جاتا ہے لیکن جب تک نماز کے تمام تر افعال خاصہ کو بجا نہ لائیں اس وقت تک قرآن کا منشاء پورا نہیں ہوتا۔ یہی کیفیت اسلام میں تمام تر عملی زندگی کی ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ قرآن جو انسانوں کے لیے نسخہ کیمیا ہے اس سے بہرہ یاب ہونے کیلئے ضروری ہے کہ طبیب اعظم ﷺ کی تشخیص وتجویز کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے اس لیے حق تعالیٰ نے قرآن کے ساتھ پیغمبر اسلام کو بھی بھیجا کہ جہاں کتاب شفاءٌ لما فی الصدور ہے وہاں پر نبی کی ذات کی تشخیص وتجویز کو بھی وحی قرار دیا اور فرمایا وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الاّ وحی یوحی (۱۱) کہ آپ ﷺ

کا نطق بھی آپ کی اپنی مرضی سے نہیں، وہ تو صرف وحی الٰہی سے ہی ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ نے بھی جب ابن عباسؓ کو خوارج کے مقابلہ میں بھیجا تو یہی فرمایا کہ خوارج کے جواب میں دلیل قرآن سے پیش نہ کرنا۔ حضرت ابن عباسؓ کو امیر المومنین کے اس حکم سے بڑی حیرت ہوئی تو عرض کیا کہ آپ یوں فرما رہے ہیں حالانکہ قرآن ایک ایسی چیز ہے کہ حضورﷺ نے میرے بارے میں اس کی دعا کی ہے۔

اللھم علمہُ الکتاب (۲)

''اے اللہ! ابنِ عباسؓ کو قرآن کا علم عطا فرما

یہ تو میرا خاص مضمون ہے اور آپ روک رہے ہیں تا کہ میں اس سے دلیل پیش نہ کروں تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے ''القران ذو وجوہٍ '' کہ قرآن کی آیات بلیغ ہیں، کئی معنی میں ڈھل سکتی ہیں تم اگر ایک معنی بیان کرو گے تو فریق مخالف اس آیت سے دوسرے پہلو مراد لے کر تمہارے مقابلے میں بیان کریں گے جس سے سننے والے شبہ میں پڑ جائیں گے اور حق واضح نہیں ہوگا لیکن جب تم سنت سے قول وفعل رسولﷺ پیش کرو گے تو اس میں تاویل وتردید کی گنجائش نہیں ہوگی بلکہ معنی اور مطلب متشخص اور متعین ہو جائے گا (۱۳)

اس لیے جب تک سنت کو قرآن کے ساتھ نہ ملایا جائے آیات کا معنی اور مفہوم متعین نہیں ہوتا۔

تزکیہ وتعلیم حکمت

تلاوت آیات اور تعلیم کتاب کے بعد سیرت سازی کے واسطے ضابطہ عمل کی دوسری دو اہم شقیں تزکیہ نفس اور تعلیم حکمت پر مشتمل ہیں کہ عملی تربیت اور ذہن سازی کا انحصار ان ہی دو پر ہے اور پھر موافق ماحول میں ذہن سازی کا معاملہ سب سے اہم

ہے اس لیے سیرت سازی کے عظیم عملی نصب العین کو حاصل کرنے کیلئے یہ لازم ہے کہ مخاطب کی ذہنی تیاری اور تربیت کے لیے ایسا ماحول پیدا کیا جائے جس کے اندر اذہان خود بخود سیرت کے سانچے میں ڈھلتے چلے جائیں اور سیرت مبارکہ کے عملی نفاذ کے لیے راہ بالکل ہموار ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام وہ عناصر جو اتباع سنت کے مقابلہ میں منفی اثرات کے حامل ہوں گے سنت کے منشاء کے مطابق از خود عمل پیرا ہونے لگیں گے اور خلاف سنت سرگرمیاں معاشرے کے اذہان پر گراں ہونگی اور فطری طور پر ایسا ماحول بپا ہو جائے گا جو اتباعِ سنت کے موافق اور سیرت مبارکہ کے نفاذ کے لیے معاون اور مددگار ہوگا۔

پھر ذہن سازی اور موافق ماحول نفاذ سیرت کیلئے اس قدر اہم ہے کہ خود انبیاء بھی اپنے دور میں اس کیلئے کام کرتے رہے ہیں وہ بھی اپنے پیروکاروں کے ذہنوں کو مانجھتے ہیں۔ ریاضتیں کراتے ہیں مجاہدات اور جہاد کراتے ہیں جن سے ذہنوں میں استقامت پیدا ہوتی ہے اور دلوں میں وہ کجی اور زیغ باقی نہیں رہتا جو شرک اور دیگر کبائر کے عملی نتیجہ کے طور پر معرض وجود میں آتا ہے بلکہ توحید و سنت کے اتباع سے ایسا ذہن بنتا ہے اور ایسا کردار تعمیر ہوتا ہے کہ جو درحقیقت عامل کے عمل کی ہیئت سے ہی متشکل ہوسکتا ہے اور صرف کاغذ پر لکھی ہوئی ترکیب سے نہیں بنتا جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے: ؎

گر مصورِ صورتِ آں دلستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

یعنی اگر کوئی مصور محبوب کی صورت بنا دے گا شکل و رنگ دکھا دے گا لیکن وہ ادائیں جن کی وجہ سے محبوب بنا ہے، وہ کس طرح دکھلا سکے گا وہ تو کر کے ہی دکھلائی

جانے والی باتیں ہیں کاغذ پر تو نہیں آسکتیں۔

اس لیے جہاں تک سیرت پاک کی حسین اداؤں کا تعلق ہے صحابہؓ نے وہ ادائیں حضور ﷺ سے سیکھیں، تابعین نے صحابہؓ سے سیکھیں، تبع تابعین نے تابعین سے سیکھیں یہاں تک کہ تعلیم کا یہ سلسلہ ہمارے آج کے دور تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا اسواسطے آج ہم وہ ادائیں اہل اللہ کے عمل کو دیکھ کر سیکھتے ہیں کہ وہ ہمیں تلاوت کر کے آیات بھی سناتے ہیں تعلیم دے کر معانی بھی سمجھاتے ہیں اور نمونہ کے طور پر عمل کر کے بھی دکھاتے ہیں پھر ساتھ ساتھ ذہن سازی کرتے ہوئے ہمارے اذہان کو ریاضت اور مجاہدہ سے مانجھتے بھی ہیں اور ذکر وفکر سے چمکاتے اور صیقل بھی کرتے چلتے جاتے ہیں۔ اس بنا پر ازبس ضروری ہے کہ وحی کے قرآنی الفاظ اور وحی کے معانی و مرادات کے ساتھ ساتھ سامنے ایسی شخصیات بھی موجود ہوں جو قرآن کا حقیقی منشاء و مطلوب ہیں کہ جن کے عملی مظاہرہ سے ایک طرف وحی کے معانی کا تشخص اور تعین ہو جائے اور دوسری طرف ہر شعبہ زندگی میں سیرت مبارکہ کا نفاذ عمل میں آسکے۔

تقویٰ اور خشیت الٰہی

سیرت سازی کے عظیم منصوبہ کے واسطے مندرجہ بالا ضابطہ عمل کی روشنی میں وقت کا اہم تقاضا یہ ہے کہ معاشرے میں وہ تمام ادارے جو افراد پر براہ راست یا بالواسطہ اثر انداز ہو سکتے ہوں ان میں ایسے کارکن متعین کیے جائیں جن کا عملی معیار اسی پایہ کا ہو یا وہ خود قرآن وسنت کے عملی تشخص کو اپنانے کا عزم بالجزم رکھتے ہوں۔ بصورت دیگر قوانین اور اصول وضوابط کے نفاذ کا سارا کام بحران کا شکار ہو جائے گا اور کلیات دین جزئیات عمل کی سطح پر آ کر منہدم ہو کر رہ جائیں گے اس واسطے لازمی ہے کہ قانون

نافذ کرنے والے اداروں کے بااختیار اہل کاروں سے لے کر نیچے تک، یونیورسٹی کے اعلیٰ ترین اساتذہ سے لے کر پرائمری کی سطح تک اور سماجی بہبود کے کارندوں اور اندرون و بیرون ملک تمام کارکنوں کو اس رنگ میں رنگ دیا جائے کہ وہ صبغۃ اللہ و من احسن من اللہ صبغہ کے مصداق تعمیر سیرت کی پابندی کو اپنا بہترین نصب العین خیال کریں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تقویٰ اور خشیت الٰہی معاشرے کی ہر سطح پر زندگی کا ایک اہم عنصر بن جائے گا اور امن و عافیت کی بنیاد پر بہترین انسانی معاشرہ وجود میں آسکے گا۔

حصول برکات کا واحد ذریعہ

امت مسلمہ میں نفاذِ اسلام کی برکات سے بہرہ یاب ہونے کا واحد ذریعہ بھی یہی ہے کہ کلیات و اصول کے ساتھ ساتھ جزئیات میں بھی سیرت کو نافذ کیا جائے تاکہ امت جلد از جلد برکات سماوی کے حصول میں کامیاب ہوسکے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ سنت کی اتباع سے قوم بہت سی علمی اور عملی قوتوں سے ہمکنار ہوگی جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ

من عمل بما علم ورثه الله علمًا ما لم يعلم (۱۴)

جس نے عمل کیا جتنا کچھ اس نے جانا اس کی وجہ سے اللہ نے اسے وہ علم نصیب کیا جو وہ نہیں جانتا تھا

یعنی سنت کی برکت سے اللہ قلوب کے اندر ایک ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے جس سے معرفت نصیب ہوتی ہے اور برکتوں اور سعادتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں

صحابہ کرام کی مثال

اس بناء پر حضور سرور کائنات ﷺ کے کمال اسوۂ حسنہ کی معرفت کے حصول کیلئے صحابہ کرام کی مثال سامنے ہے وہ کوئی لمبی چوڑی کتابوں کے کیڑے نہ تھے کہ

یونیورسٹیوں اور کالجوں کے فارغ التحصیل ہوں بلکہ وہ صرف سنت مطہرہ کے پیروکار تھے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر ایسے علوم القا کیے تھے جو آج بڑے بڑے دانشوروں اور عالموں کو بھی نصیب نہیں جبکہ ان میں ہر ایک علم وفضل کا بحرِ بیکراں تھا اور سنت رسول ﷺ کا پیکر بن کر انسانیت کے واسطے اسوۂ حسنہ کی مثال تھا۔

امام بخاری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ شہنشاہ روم ھرقل نے جس وقت رسول ﷺ کا نامۂ مبارک پڑھا اور پھر قریش مکہ کے قافلہ سالار ابوسفیان بن حرب کی زبانی صحابہ کرام کی والہانہ اتباع سنت کی تفصیل سنی تو اپنے اراکین سلطنت کے سامنے برملا اعلان کر دیا کہ **فسیملک موضع قدمی ھاتین** (صحیح بخاری)

''اے اہل روم سن لو کہ محمد ﷺ اپنے پیروکاروں کے ہمراہ عنقریب اس سرزمین کے مالک ہوں گے جو میرے ان قدموں کے زیر نگیں ہے'' چنانچہ آج تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ اسوۂ نبوی ﷺ کے ساتھ عرب کے صحرا سے اٹھے اور چار دانگ عالم پر چھا گئے۔ اس واسطے آج بھی اگر ہم نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور صحابہؓ کے اعمال کو ہر زاویہ زندگی میں اپنائیں تو ویسے ہی حیرت انگیز نتائج حاصل کر سکتے ہیں جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حاصل ہوئے۔

آج بھی ہو جو براھیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی انداز گلستاں پیدا

معراجع ومصادر

۱۔ سورۃ الاحزاب : ۲۱

۲۔ صحیح بخاری

۳۔ سورۃ العنکبوت : ۴۹

۴۔ سورۃ الحجر : ۹

۵۔ سورۃ المائدہ : ۴۴

۶۔ مشکوٰۃ المصابیح :

۷۔ سورۃ الفاطر : ۲۸

۸۔ صحیح بخاری

۹۔ سورۃ الجمعہ : ۲

۱۰۔ سورۃ القیامہ : ۱۶ تا ۱۹

۱۱۔ سورۃ النجم : ۳ ، ۴

۱۲۔ صحیح بخاری

۱۳۔ صحیح بخاری

۱۴۔ جامع بیان العلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ

جس کو چاہے سمجھ دیدے اور جس کو سمجھ

الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ ـ

ملی اسے بہت سی خوبی مل گئی اور نصیحت

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ ـ

نہیں پکڑتے مگر وہ جو عقل والے ہیں

(البقرۃ ۲۶۹)

کمالِ علم وحکمت

آج کے دور میں خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کے ارشادات آخرین ہمیں ان حقیقتوں کا علم بخشتے ہیں جو اپنی جگہ تغیرات سے آزاد ہیں۔ اوران کا ادراک اور احساس کیئے بغیر آج کے انسان کو حقیقی طور پر اطمینان اور سکون حاصل ہونا ناممکن ہے۔اس لئے رحمۃ للعالمین ﷺ نے دنیا والوں کو کمال علم و حکمت کے جو اصول عطا فرمائے ہیں،ان کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو آپ کے لائے ہوئے پیغام کے ایسا تابع کر دے کہ پھر گناہوں سے حزر محض عذاب کے خوف سے نہ ہو۔ بلکہ حق و صداقت کی محبت خود انسان کو گناہوں سے بچنے پر مجبور کر دے۔اس بنا پر آج پورے عالم کے لئے صادق اور امین ﷺ کا پیغام حق و صداقت سرچشمہ علم و حکمت ہے اور اسی میں انسانیت کی فلاح اور نجات کا سامان ہے۔

۱۔ جوہرِ حیات اور سرمایہ نجات
۲۔ علم و حکمت کا بحرِ بے کراں
۳۔ حکمت کا مفہوم
۴۔ مکمل آسودگی اور حقیقی اطمینان
۵۔ علمِ و حکمت کا اولین منبع
۶۔ علم و حکمتِ الٰہی کی وسعت
۷۔ انسانوں کو ہدایت کا شعور اور اشیاء کا علم عطا فرمایا
۸۔ خدائی ایجاد اور انسانی دریافت کا اسلامی تصور
۹۔ علم و حکمت کسی کی اجارہ داری نہیں
۱۰۔ اسلام میں لادینی تعلیم کی کوئی گنجائش نہیں
۱۱۔ عملی نمونہ اور پریکٹیکل لازمی ہے
۱۲۔ تدریج اور ترتیل کا مقصود
۱۳۔ رسالتِ عظمیٰ کے فرائضِ منصبی
۱۴۔ حکمت علوم یا سائنٹیفک ٹیکنالوجی
۱۵۔ حکمتِ دعوت و تبلیغ
۱۶۔ عمل کی تاثیر
۱۷۔ غارِ حرا میں پیش آنے والا واقعہ
۱۸۔ فلاحِ عامہ کا اسلامی تصور
۱۹۔ بقائے انفع کا عمرانی ضابطہ
۲۰۔ عالم اور حکیم کی خصوصیات
۲۱۔ التماس

جوہر حیات اور سرمایہ نجات

یہ ایک نمایاں حقیقت ہے کہ تکمیل نبوت ورسالت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوکر جہاں نبی اکرم ﷺ نے انسانوں کو خالق کائنات کا آخری پیغام دیا۔ وہاں پر علم و حکمت اور دانش وبینش کے ایسے رہنما اصول بھی عطا فرمائے، جو انسانی زندگی کے لئے جوہر حیات اور سرمایہ نجات ہیں۔ آپ نے عالم انسانیت کو علم وحکمت کے جن ضابطوں کی تعلیم دی ہے۔ وہ ہر لحاظ سے جامع اور کامل ہیں۔ جن میں کوئی بھی نقص نہیں ہے۔ اور اپنی جگہ تکمیل دین کے ایک خاص اور اہم پہلو کا مظہر ہیں۔

اس حقیقت کے ساتھ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اگرچہ حقائق کی تلاش میں ہر

عصر اور ہر زمانہ میں انسانی مفکر اور دانشور سرگرداں رہے۔ اور فلسفیوں نے تحقیق و تجسس کے گھوڑے دوڑائے۔ تاہم حق وصداقت کی جانب رہنمائی صرف ان برگزیدہ ہستیوں کے فیضِ عام سے ہی ممکن ہوسکی۔ جنہیں نبوت ورسالت کے عہدہ پر فائز کر کے خالق حقیقی نے خصوصی مشاہدات کرائے۔ اور وحی کے ذریعے علم وبصیرت کی روشنی عطا فرما کر یقین محکم اور عزم مصمم کی ایسی دولت سے نوازا جوان کے علاوہ کسی اور کو دستیاب نہ ہوسکی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کے تمام تر ارشادات علم الیقین کے واسطہ سے تھے نہ کہ ظن وتخمین کی بنیاد پر، اور نہ ہی ان کو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ وہ قیاس وگمان کا سہارا لے کر اپنے خیالات کو ترتیب دیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے خود ان کا معلم اور استاد بن کر وحی کے ذریعہ علمی سے ان کی رہنمائی فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں انبیاء نے جو راستہ دنیا والوں کو دکھایا وہی زندگی کی فطری راہ ہے۔ اور جس علم کے ساتھ وہ دنیا میں مبعوث ہوئے وہی حقیقت کا علم ہے۔

علم وحکمت کا بحرِ بیکراں

پھر اس فطری راہ میں علم وحکمت کے یہ سارے سلسلے ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے بالآخر اس ذات اقدس پر پایہ تکمیل کو پہنچے جسے صرف علم الیقین ہی عطا نہیں ہوا تھا۔ بلکہ انہیں کائناتی اور آفاقی سطح پر عین الیقین کے ساتھ سب کچھ مشاہدہ کرا کے علم و حکمت کا بحر بیکراں بنا دیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم خاتم النبین ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ واقعی انبیاءؑ علم وحکمت کے پیکر ہوتے ہیں۔ اور انہیں علم وعمل کی معجز نما قوتوں سے مرصع کیا جاتا ہے۔

آج کے دور میں خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کے ارشادات آخرین ہمیں ان حقیقتوں کا علم بخشتے ہیں جو اپنی جگہ تغیرات سے آزاد ہیں۔ اور ان کا ادراک اور احساس

کیئے بغیر آج کے انسان کو حقیقی طور پر اطمینان اور سکون حاصل ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے رحمۃ للعالمین ﷺ نے دنیا والوں کو کمال علم وحکمت کے جو اصول عطا فرمائے ہیں، ان کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو آپ کے لائے ہوئے پیغام کے ایسا تابع کر دے کہ پھر گناہوں سے حزر محض عذاب کے خوف سے نہ ہو۔ بلکہ حق و صداقت کی محبت خود انسان کو گناہوں سے بچنے پر مجبور کر دے۔ اس بنا پر آج پورے عالم کے لئے صادق اور امین ﷺ کا پیغام حق وصداقت سر چشمہ علم وحکمت ہے اور اسی میں انسانیت کی فلاح اور نجات کا سامان ہے۔

اسی حقیت کو پالینے کا نام حکمت ہے اور اسی کے مکمل احساس اور ادراک میں انسان کے فطری تقاضوں کی تکمیل مضمر ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس سے انسان ایک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ جہاں پوری روشنی ہے۔ اور تاریکی کا شائبہ تک نہیں ہے۔ یہی وہ عظیم نعمت ہے جس سے اسلام دنیا والوں کو بہرور کرنے آیا ہے۔ اور یہی وہ دولت ہے جسے قرآن نے خیر کثیر سے تعبیر فرمایا۔

ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ (۱)

حکمت کا معنی ومفہوم

الحکمۃ کا لفظ عربی لغت میں کئی معنی کے لئے آتا ہے۔ حق بات پر پہنچنا، عدل وانصاف، علم وحلم وغیرہ (قاموس)

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں۔ اور جب غیر اللہ کے لئے بولا جائے تو موجودات کی صحیح معرفت اور نیک اعمال کے معنی لئے جاتے ہیں۔ عربی زبان وادب میں یہ لفظ کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ علم صحیح، عمل

صالح، عدل وانصاف، قولِ صادق وغیرہ اردو میں اصطلاحی طور پر اس کا ترجمہ "تہہ کی باتیں" کیا گیا ہے۔ مفسرین صحابہ وتابعین معانی قرآن کی تشریح آنحضرت ﷺ سے سیکھ کر کرتے ہیں۔ اس جگہ لفظ حکمت کے معنی بیان کرنے میں اگر چہ ان کے الفاظ مختلف ہی لیکن خلاصہ سب کا ایک ہی ہے۔ یعنی سنت رسول ﷺ اور سیرت طیبہ۔ کسی نے تفسیر قرآن اور کسی نے تفقہ فی الدین فرمایا ہے۔ اور کسی نے علم احکام شرعیہ کہا۔ اور کسی نے کہا کہ احکام الٰہیہ کا علم۔ جو رسول اللہ ﷺ کے ہی بیان سے معلوم ہو سکتے ہیں ظاہر ہے کہ سب کا حاصل وہی سنت وسیرت رسول ﷺ سے ہی ہے۔ لغت میں

الحکمة عبارة عن معرفة افضل الاشیاء بافضل العلوم (۲)

یعنی حکمت بہترین چیزوں کو بہترین علوم کے ذریعہ جاننے اور پہچاننے کا نام ہے۔

مکمل آسودگی اور حقیقی اطمینان

اسی بنا پر علم وحکمت انسان کے لئے ایک بہت بڑی دولت ہے۔ جس سے وہ منشاءِ حیات کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ اور جو اس سے محروم رہا۔ گویا کہ وہ حقیقی زندگی سے ہی محروم ہوگیا۔ کیونکہ حکمت کے بغیر انسان کو اپنی ذات سے بھی حقیقی واقفیت نہیں ہوتی۔ اس کے بغیر نہ تو شعور کو حقیقت تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ اور نہ ہی زندگی کے امکانات اور اس کی گہرائیوں کا پتہ چلتا ہے۔ حکمت انسان کو نہ صرف زندگی کی حقیقی قدروں کا علم بخشتی ہے، بلکہ وہ اسے صحیح معنوں میں تہذیب یافتہ بھی بنادیتی ہے۔ اور اخلاق کے بلند مقام پر بھی فائز کرتی ہے۔ جہاں پر پہنچ کر انسان مکمل آسودگی اور حقیقی اطمینان حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دانائی اور عقلمندی کے علاوہ اخلاق کی پاکیزگی اور حسن عمل کا شمار

بھی علم وحکمت کی علامات اور آثار میں ہی ہوتا ہے۔ اور اہل عرب بھی عقل ورائے کی پختگی کے ساتھ ساتھ نیک اعمال اور شرافتِ اخلاق کو اطوار حکیمانہ کی دلیل قرار دیتے رہے۔ ایسا شخص ان کے ہاں حکیم کہلاتا ہے۔ جو عاقل ہی نہی بلکہ مہذب بھی ہو۔

علم وحکمت کا اولین منبع

انبیاء کرامؑ کی بعثت کے جہاں اور بہت سے مقاصد ہیں، وہاں ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو علم وحکمت کے ذریعہ ایسی بصیرت سے بھی بہرہ یاب فرمائیں جس سے ان کا رشتہ اپنے مالک حقیقی سے قائم ہو۔ اور وہ علوم کا مبداء اول ہونے کی حیثیت سے خدا تعالیٰ کو صحیح معنوں میں پہچان سکیں۔ چنانچہ آیت الکرسی میں فرمایا:

یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم . ولا یحیطون بشیء من علمه الا بما شآء (۳)

جو کچھ اُن کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ اُن سے اوجھل ہے وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ اور وہ اللہ کے علم میں سے کسی بات کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر جتنی بات کا علم اللہ خود ان کو دیتا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ اس بات پر ایمان کامل ہو کہ اللہ سبحانہ، تعالیٰ کا علم ذاتی اور خود بخود ہے اور وہ مخلوق کے تمام احوال کو علمی طور پر اپنی ذات میں جمع کئے ہوئے ہے۔ جبکہ بندوں کا علم اس کے سامنے نہایت نا تمام اور ادھورا ہے۔ اس آیت کی تفسیر علامہ آلوسی تحریر فرماتے ہیں کہ آیۃ الکرسی کے ان دونوں فقروں کو بذریعہ عطف جوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ پہلا فقرہ یہ بتائے کہ اللہ کا علم کامل اور محیط ہے۔ اور دوسرے سے یہ معلوم ہو کہ اللہ کے سوا علمِ کامل کسی کے پاس نہیں اس طرح مثبت اور منفی کا یہ مجموعہ اس بات کی دلیل ہے کہ خود بخود علم میں اللہ کی ذات یگانہ اور یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ (۳)

ان دونوں فقروں میں علم الٰہی کے حوالہ سے ایک لطیف نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو جو علم بھی حاصل ہوتا ہے۔ اشیاء کا مادی علم ہے۔ اور اسباب و ذرائع کی راہ سے حاصل کیا ہوا اسباب و اشیاء کا علم علم شہادت یا انسانی مشاہدے اور تجربے کا علم ہوتا ہے۔ جسے دوسرے لفظوں میں حکمت بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور قرآن پاک کی اس آیت کی روشنی میں علم و حکمت کا اولین منبع اور عالم الغیب والشہادہ (۵) رب تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ یعنی انسان تک ذرائع کی راہ سے آئے ہوئے علم کا بلا واسطہ اور براہ راست اور بغیر ذرائع کے علم کا خود بخود جاننے والا وہی ایک ہے۔ اس لئے عالم الغیب کا علم تو انسان کے علم و حکمت پر حاوی ہے۔ لیکن انسان علم الٰہی سے جو قطعی طور پر خود بخود براہ راست اور علم و حکمت کا اولین منبع ہے۔ بالکل بے خبر ہے۔

الٰہی علم و حکمت کی وسعت و بیکرانی

امام بخاریؒ نے حدیث خضر میں نقل کیا ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ حضرت خضرؑ کے ساتھ کشتی پر سوار ہوئے۔ تو ایک چڑیا آکر کشتی کے تختہ پر بیٹھ گئی اور اس نے دریا میں سے ایک یا دو نقرہ پانی لیا اور اڑ گئی۔ جس کا مشاہدہ کرنے کے بعد حضرت خضرؑ نے موسیٰ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے موسیٰ!

مانقص علمي وعلمک من علم الله الا کنقرة هذا العصفور في البحر (٦)

میرے اور تیرے علم کی وجہ سے اللہ کے علم میں اس قدر کمی بھی نہیں آئی جس قدر اس چڑیا کے اپنی چونچ کے ذریعہ پانی لینے سے دریا میں آئی ہے۔

گویا کہ حضرت خضرؑ الٰہی علم و حکمت کی وسعت اور بیکرانی کی حقیقت عظمیٰ سے حضرت

موسیٰ کو آگاہ فرما رہے ہیں۔ باوجود کہ وہ دونوں خود علم وحکمت کے پہاڑ ہیں۔ کہ ان میں سے ایک اللہ کا برگزیدہ نبی ہے اور دوسرا وہ ہے جسے قرآن نے وعلمنه من لدنا علما (۷) کی سند سے نوازا ہے۔ اور جسے علم وحکمت کی خاص نشانی کے طور پر حضرت موسیٰ کو دکھایا جارہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود چڑیا کے عملی مظاہرہ کا مقصود یہ ہے کہ علم و حکمت الٰہی کی بیکرانی کا مشاہدہ کرایا جائے۔ کہ موجودات کا سارا علم وحکمت، علمِ باری کے سامنے ایسے ہے جیسا کہ سمندر کے مقابلہ میں سوئی کے ایک نقطہ کو لگنے والا پانی۔

انسانوں کو ہدایت کا علم اور اشیاء کا علم عطا فرمایا

اس حقیقت کے باوجود کہ ذات باری تعالیٰ ساری کائنات کا خالق، مالک اور مقتدر اعلیٰ ہے۔ وہ علیم وخبیر، اور عزیز وحکیم بھی ہے۔ اور اس نے انسانی ہدایت کی خاطر انسانوں کو ہدایت کا علم اور اشیاء کا علم عطا فرما کے علم وحکمت سے نوازا ہے۔ اور اس عطائے ربانی کے لئے خصوصی ذرائع بھی خود ہی مختص فرمائے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ علق میں فرمایا:

اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم (۸)

پڑھیئے اور تمہارا رب بڑا کریم ہے وہ جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ علم دیا جسے وہ ہرگز نہ جانتا تھا۔

یعنی خالق کائنات کا انتہائی فضل وکرم ہے کہ اس نے حضرت انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا فرمایا۔ ایک حقیر ترین مقام سے اٹھا کر عظمت سے ہمکنار فرمایا اور پھر صاحب علم وحکمت بنا کر ساری مخلوقات سے بلند ترین رتبہ پر فائز فرما دیا۔ اور صرف صاحب علم ہی نہیں بنایا بلکہ قلم کی قوت بھی عطا فرمائی۔ کہ جس کے ذریعے لکھنے کا فن بھی اسے

سکھایا۔ جو بڑے پیمانے پر علم کی اشاعت وترقی اور اس کی حفاظت و بقا کا سبب ہے۔

پھر اس حال میں انسان کو صفتِ علم سے متصف فرمایا کہ وہ بالکل بے علم اور جاہل تھا۔ اور کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس نے جو کچھ بھی جانا، اپنے مالک کی عطا اور بخشش سے جانا۔ یہ مالک کی مرضی ہے کہ اس نے جس مرحلے پر انسان کے لئے علم و حکمت کے جوہر کھولنے چاہے۔ وہ کھلتے چلے گئے اس لئے یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جو چیزیں بھی انسان کی علم دریافت میں اسے حاصل ہوئیں وہ اس سے پیشتر اس کے علم میں نہ تھیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کا علم ایک مقررہ وقت پر اسے عطا کیا۔ بغیر اس کے کہ انسان یہ محسوس کرے کہ یہ علم اللہ اسے دے رہا ہے۔

خدائی ایجاد اور انسانی دریافت کا اسلامی تصور

بدیع السموت والارض (۹) کی آیت قرآنی میں اسلامی علوم کے اس عظیم تصور کی وضاحت کی گئی ہے کہ پورے عالم میں جس قدر سائنسی فلسفیانہ یا فنی اور تکنیکی نظریات یا فارمولوں کی بنیاد پڑی ہے۔ وہ سب کی سب دراصل حضرتِ انسان کی دریافت ہے۔ ورنہ درحقیقت ان کا اولین موجد، بانی اور خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جس نے ہر شے کی ماہیت، اس کا فارمولا جزئیات اور ان کی تشریحات اپنے علم میں ازل سے ہی ایجاد فرمادیں۔ اور ان کے اظہار و اعلان کے لئے ایک خاص وقت بھی پہلے سے مقرر فرمادیا۔ پھر وہ اپنے مقرر کردہ وقت پر وہ علوم خاص انسانوں کے اذہان میں ڈالتا چلا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عالم تدریجاً علم و حکمت کا گہوارہ بن گیا۔

اس واسطے علم کا جو تصور اسلام نے پیش فرمایا اور جیسے نبی کریم ﷺ نے اپنی سیرت طیبہ کی روشنی میں دنیا والوں کے سامنے اجاگر فرمایا۔ وہ یہ ہے کہ انسانوں نے

علوم ایجاد نہیں کیئے بلکہ رب تعالیٰ کی بخشش اور عطا سے علمی حقائق دریافت کر کے انہیں زندگی کے تقاضوں کے مطابق ترتیب دیا۔ اسی کو حضرت انسان کا سائنسی یا فلسفیانہ کمال کہا جائے گا۔ ورنہ دراصل تمام علوم کا اولین موجد اور بانی خالق کائنات کی ذات ہی ہے۔

علم وحکمت کسی کی اجارہ داری نہیں

بعثت نبوی ﷺ سے پیشتر علم پر بالعموم مذہبی پیشواؤں کی اجارہ داری تھی۔ اور کوئی مذہب یا تمدن ایسا نہیں تھا جس نے تمام انسانوں کی تعلیم کو ایک بنیادی ضرورت قرار دیا ہو۔ ہندوستان میں پنڈت، یورپ میں پادری یا امیر و کبیر علم و حکمت کے مالک اور اجارہ دار خیال کیئے جاتے تھے۔ یونان اور چین نے غیر معمولی علمی اور تمدنی ترقی تو کی۔ لیکن یہاں پر بھی ارباب حلِ عقد تعلیم عامہ کے قائل نہ تھے۔ یہاں تک کہ افلاطون بھی اپنی خیالی جمہوریہ میں جو اعلیٰ ترین خواب دیکھ سکا اس میں فلاسفہ اور اہل نظر کو ہی یہ امتیاز حاصل ہوا کہ وہ علم کی دولت سے بہرہ ور ہوں۔ اس کے برخلاف رسول اللہ ﷺ نے علم کو ہر انسان کے لئے عام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اور اس کام کو خود بھی کر کے دکھایا یہی وجہ ہے کہ اسلامی ضابطہ حیات میں تعلیم عامہ ایک معاشرتی فریضہ ہے کہ جس کو انجام دینا اسلامی معاشرے کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔

اسلام میں لا دینی تعلیم کا کوئی تصور نہیں

اسلام میں علم وحکمت چونکہ جسم اور روح ہر دو کی فطری ضرورت ہے۔ اور دونوں کی نشو ونما اسی پر منحصر ہے۔ لہذا وہ علم جو جسم کے ساتھ قلب و روح میں بھی روشنی پیدا نہ کر سکے۔ یہاں پر نا مقبول ہے۔ کیونکہ علم صرف اس وقت حقیقی دوست کا کردار ادا کرتا

ہے جب اس کا محور دل ہو۔ ورنہ تن پرستی میں یہ انسان کے لئے سانپ بن جاتا ہے۔

علم را بر تن زنی مارے بود علم را بر دل زنی یارے بود

اسی بنا پر علامہ اقبالؒ نے مشاہدات اور سائنس کے علم کو بھی دین کے تابع قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہو۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے وہ طبعی قوت ہاتھ آتی ہے۔ جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے۔ اگر یہ دین کے تحت نہ رہے تو محض شیطنت ہے۔ لہذا مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ علم کو مسلمان کرے۔

بولہب را حیدر کرارؓ کن (۱۰)

اگر یہ بولہب حیدر کرارؓ بن جائے۔ یا یوں کہیے کہ اس کی قوت دین کے تابع ہو جائے۔ تو نوعِ انسان کے لئے سراپا رحمت ہے۔ (۱۱)

علم و حکمت کے لئے عملی نمونہ اور پریکٹیکل لازمی ہے

اسلامی نظریہ کے مطابق عملی نمونہ کے بغیر علم ادھورا اور نامکمل ہے۔ کیونکہ تمام تر علمی اثاثے اس وقت تک محض تصور اور خیال ہی ہوں گے۔ جب تک ان کے پیشِ نظر عمل کا مظاہرہ اور مشاہدہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ علم و حکمت کو دنیا والوں میں اجاگر کرنے کے لئے حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ اور آپ کی سیرت طیبہ کا عملی نمونہ اور پریکٹیکل پہلے سے کھلے بندوں پیش کر دیا گیا۔ اس لئے کہ آپ کی ذات گرامی اپنی حیثیت میں علم و عمل کا حسین امتزاج ہے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر قرآن پاک کا نزول بھی سیرت و سوانح اور حوادث و واقعات کے پس منظر میں بتدریج ۲۳ سال کے طویل عرصہ میں ہوا۔ ورنہ سابقہ کتبِ سماوی کی مانند قرآن بھی ایک ہی وقت میں نازل کر دیا جاتا۔

سورہ اسراء میں ہے۔

وقرأنا فرقناہ لتقراہ علی الناس علی مکث ونزلناہ تنزیلا (۱۲)

ہم نے قرآن کو اس لئے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کیا کہ تو آہستہ آہستہ اسے لوگوں کو پڑھ کر سنائے اور ہم نے اس کو بتدریج نازل کیا ہے۔

اور پھر جب مشرکین نے قرآن کے اس طرح نازل ہونے پر اعتراض کیا تو قرآن مجید نے خود اس اعتراض کا جواب دیا۔ جیسا کہ سورۃ فرقان میں ہے:

وقال الذین کفروا لو لا نزل علیہ القرآن جملة واحدة کذلک لنثبت بہ فوادک ورتلناہ ترتیلا (۱۳)

کفار کہتے ہیں کہ نبی پر قرآن دفعہ واحدہ کیوں نہیں نازل کیا گیا ہے؟ اس لئے کہ ہم اس کے ذریعہ سے تیرے دل کو مضبوط کریں۔ اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا ہے۔

تدریج اور ترتیل کا مقصود

چنانچہ اس تدریج و ترتیل کا مقصود بھی یہی رہا ہے کہ اعمال و مظاہر کے تشکیل پاتے ہی علم کے حقائق ساتھ ساتھ از خود واضح ہوتے چلے جائیں۔ اور نبوت کے عملی اور علمی کمالات کا ایک ساتھ ظہور ہو۔ اس لئے کہ علم کے ساتھ عمل کا نمونہ پیش نظر رکھنا اسلامی نظام حیات کا طرہ امتیاز ہے۔ اور یہی قوت کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جس کے ذریعہ صحابہ کرامؓ اسوہ نبوی ﷺ کی مثال لے کر عرب کے صحرا سے اٹھے۔ اور چار دانگ عالم پر غالب آ گئے۔ ورنہ اگر صرف نظریات میں قوت ہوتی تو کتاب کے ساتھ نبی کی شخصیت کا ظہور نہ ہوتا۔ اور اگر محض عمل کے ذریعہ اصلاح کی ضمانت مل سکتی تو نبوت کے ساتھ کتاب الٰہی کے علوم و معارف کا نام و نشان تک نہ ہوتا۔

لہذا یہ امر واقع ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے لائے ہوئے پیغام علم و حکمت کے

مطابق علم بغیر عمل کے وبال ہے۔ اور عمل بغیر علمی روشنی کے ضلال ۔ پھر اسی طرح نظریہ بغیر واقعہ کے، اور واقعہ بغیر نظریہ کے علم و عمل کی تباہی اور زوال۔ اس واسطے یہاں پر لازم ہے کہ علمی سرمایہ عملی ورثہ سے مزین ہو۔ تا کہ ایسا تمدن معرض وجود میں آئے جہاں وانک لعلیٰ خلق عظیم (۱۴) کے تحت علم و عمل کی دونوں قوتیں کار فرما ہوں۔ اور ایسا نظام حیات قائم ہو، جس میں نبوت کے علم و حکمت کی روشنی میں سچے علمی حقائق اور اچھے عملی مظاہرہ کا چرچا ہو۔ اسی مقصد کی تکمیل کی خاطر اللہ تعالیٰ نے خاتم النبین ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ جو اپنی شانِ عظمت میں علم و عمل کے تمام تر کمالات کا محور اور مرکز ہیں۔ اور جہانیانِ عالم کے لئے اسوہ حسنہ کی عظیم مشعل اور روشنی کا بلند مینار۔

رسالت عظمیٰ کے فرائض منصبی

حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے گھر کی تعمیر کے بعد اپنی آئندہ نسل کی فلاح دنیا اور آخرت کے واسطے حق تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ میری اولاد میں ایک رسولؐ بھیج دیجئے جو ان کو آپ کی آیات تلاوت کر کے سنائے۔ کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو ظاہری و باطنی آلائشوں سے پاک وصاف کر دے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو جواب ملا کہ یہ رسول اعظم رسالت عظمیٰ کے منصب جلیلہ پر فائز ہو کر آخری زمانہ میں مبعوث ہوں گے۔ اسی بنا پر جب آپ خاتم النبین ﷺ بن کر تشریف لائے تو روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ میں تمہیں بتاؤں کہ میں کون ہوں:

انا دعوۃ ابی ابراھیم وبشارۃ عیسیٰ ورویا امی.

کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی دعا۔ حضرت عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کے خواب کا مظہر ہوں۔

سورۃ بقرہ میں حضرت ابراہیمؑ کے ان دعائیہ کلمات کا مضمون سورہ آل عمران اور سورہ جمعہ کی آیات میں بھی مذکور ہے۔ جن میں حضور سرور کائنات ﷺ کی رسالت عظمیٰ اور آپ کے عہدہ ختم نبوت کے فرائض منصبی بیان کیئے گئے ہیں۔ جو کہ چار چیزوں پر مشتمل ہیں۔

۱۔ تلاوت آیات:۔ اللہ کے فرامین اور ارشادات کو لفظاً جوں کا توں پڑھ کر سنا دینا۔

۲۔ تعلیم کتاب:۔ الفاظ کے معانی و مرادات کی وضاحت کرنا۔ اور اللہ کی کتاب کا صحیح منشاء اور مطلوب سمجھانا تا کہ لوگ کتاب کی روح تک پہنچ سکیں۔

۳۔ تعلیم حکمت:۔ امت کے سامنے اپنے اسوۂ حسنہ کا عملی نمونہ اس انداز میں پیش کرنا کہ انسانی زندگی کے تمام تر وسعت پذیر پہلوؤں کی حکمت عملی کھل کر سامنے آجائے۔ اور خداداد علم وحکمت کی ٹیکنالوجی بھی سمجھ میں آجائے۔

۴۔ تزکیہ نفس:۔ امت کے افراد کو ظاہری اور باطنی نجاستوں سے پاک وصاف کرنا۔ اور ریاضتوں، مجاہدوں اور عملی کوششوں سے مانجھ کر اور صیقل کر کے ذہنوں کو قبولیت حق کے لئے مستعد اور تیار کرنا، تزکیہ نفس کہلاتا ہے۔ اسکے لئے ذہن سازی اپنی جگہ سب سے اہم ہے کہ جس کے واسطے منکرات ورزائل سے اجتناب کرنا۔ اور فضائل اخلاق کا اپنانا انتہائی لازم ہے۔

اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبوی ﷺ کے مقاصد کا حصول جن سے امت مسلمہ کی بجا طور پر تعمیر و تشکیل ہوتی ہو، نبوت کے ان ہی چار فرائض منصبی پر منحصر ہے۔ ان کے بغیر مکمل دینی معاشرہ اور اسلامی زندگی کا صحیح ڈھانچہ تیار نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اور ان کے جانشینوں کی زندگیاں عقائد واعمال کے ساتھ اسلامی اخلاق و اطوار اور اعلیٰ ترین انسانی اقدار کا محور تھیں۔ اور وہ لوگ صحیح

معنوں میں نبی کریم ﷺ کی کامل واکمل اور محبوب ترین عملی زندگی کا پرتو تھے۔ کیونکہ وہ آپ ﷺ کی سیرت وکردار کا مؤثر ترین نقشہ اپنے روبرو مشاہدہ کر رہے تھے۔ یہ ان کی پرکیف وسرور مجالس اور نبویؐ صحبتوں کا فیض عام تھا۔ جن سے مستفیض ہونے کو وہ اپنے لئے فلاح دارین خیال کرتے تھے۔ جس کا ثمرہ یہ تھا کہ معاشرے کا ایک ایسا منظّم مزاج تیار ہوا۔ جس میں صرف قانون کی مکمل پاسداری ہی نہ تھی بلکہ دل وجان اور ایمان وایقان سے اس کا احترام بھی زندگی کا اہم جز بن چکا تھا۔ پھر حدود کی پابندی اور حقوق وفرائض کی ادائیگی ہر ایک کی طبیعت ثانیہ بن کر مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا محور تھی۔

حکمت علوم یا سائنٹیفک ٹیکنالوجی

انبیاءِ کرام نے جہاں پر علم وعرفان کے جوہر پھیلائے وہاں پر اپنے اپنے دائرہ کار میں ٹیکنالوجی کی مہارت اور کمالِ فن کے اصول بھی دنیا والوں کو عطا کیے۔ جیسا کہ حضرت نوحؑ کشتی بانی اور جہاز سازی کے فن میں مہارت رکھتے تھے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیلؑ وقت کے بہترین بلڈنگ انجینئرز اور آرکیٹیکٹ تھے۔ حضرت یوسفؑ ماہر معیشت اور زرعی سائنسدان تھے۔ حضرت داؤدؑ علمی اور جسمانی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہوئے انتظامی علوم کے ایکسپرٹ تے۔ حضرت سلیمانؑ تاریخ کے بے مثال ایڈمنسٹریٹر اور منظّم تھے۔ حضرت زکریا اور یحییٰؑ اپنی جگہ صنعت وحرفت میں کمال رکھتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ ایک ایسے تجربہ کار طبیب تھے جن کے دم وابرو میں خالق نے شفاء کامل وعاجل کو مختص فرمادیا تھا۔ اور حضرت لقمانؑ کو حکمت، دانائی اور دانشوری کی نسبت خاص سے علم کی گہرائی اور عمل کی ایسی گیرائی عطا فرمائی تھی کہ ہر دور میں لقمان حکیم کے لقب سے یاد کیئے جاتے تھے۔ غرضیکہ ان میں ہر کوئی وحی الٰہی کا محور اور مرکز

ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے دور میں عظیم ماہر فن اور ٹیکنالوجی کا تجربہ کار امام تھا۔

خود نبی اکرم ﷺ نے علم و حکمت کے جو راہنما اصول امت کو عطا فرمائے ہیں۔ ان کی تشریحات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ آپ نے ہدایت عامہ کے ساتھ فنی مہارت میں بھی دنیا والوں کو مکمل راہنمائی فرمائی ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کے چبوترہ کی تعمیر میں جب صحابہ کرامؓ نے چلچلاتی دھوپ کی شکایت فرمائی تو ارشاد ہوا کہ سایہ کرلو گویا کہ آپ ﷺ نے دو لفظوں میں ہی اسلام کے فن تعمیر کی ساری ٹیکنالوجی وضاحت سے بیان فرمادی۔ اور قیامت تک کے لئے ایمان والوں کو مسجد کی عماراتی تشکیل کا ڈھب بتادیا۔ جس سے واضح ہوگیا۔ کہ اسلامی عبادت گاہ دنیا کی دوسری عبادت گاہوں کی مانند تنگ و تاریک نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی قسم کا خفیہ اور رازدارانہ مقام بلکہ ایمان والوں کی نماز پنجگانہ اور دیگر اجتماعی اور معاشرتی مصروفیات کا ایسا مرکز جس سے اسلامی تہذیب اور تمدن، اور مسلمانوں کا طرز معاشرت مکمل طور پر جھلک رہا ہو۔ اس لئے مسجد کو کھلے بندوں ایسے تعمیر کیا جائے کہ اس کے اندرون مسلمانوں کی ساری سرگرمیاں ہر ایک کے لئے کھلی دعوت اور تبلیغ عام کا ذریعہ ہوں۔ پھر مزید کہ جب بھی آپ ﷺ نے اپنے ارشادات میں کسی چیز کے اندازے اور پیمائش کا ذکر فرمایا۔ تو اعضائے انسانی کو سکیل کے طور پر استعمال کر کے پیش فرمایا۔ تاکہ ایک طرف یہ معیار انسانی اذہان کے لئے آسانی سے قابل فہم ہو۔ اور دوسری طرف کاروبار زندگی میں فطرت کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تاکہ دین فطرت کی اقدار کا ظہور رہو۔

یہی وجہ ہے کہ خاتم النبین ﷺ کی بعثت عظمیٰ سے علم و حکمت کے جو دھارے پھوٹے ہیں۔ اور حکمت علوم کے جو دروازے کھلے ہیں۔ اس کا اصل نتیجہ یہ ہے کہ آج سائنسز اور علوم کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں پر اسلام کے نامور سائنسدانوں اور

مشاہیر علماء اور دانشوروں نے محنت وکاوش کے بعد اپنا بھرپور کردار ادا نہ کیا ہو۔ اور اس طرح تہذیب عالم کی تعمیر وترقی میں اپنا مکمل حصہ نہ ڈالا ہو۔ چنانچہ ریاضی اور طبعیات میں ابن الہیشم اور ابن خیام کیمیا میں، جابر بن حیان زراعت و باغبانی میں ابن بیطار اور البیرونی میڈیکل سائنس میں رازی اور ابن سینا علم الحیوانات میں، زہراوی فلسفہ اور قانون میں ابن رشد تاریخ عمرانیات وسیاسیات میں ابن خلدون اور معاشیات وفقہ و اجتہاد میں شاہ ولی اللہ دہلوی جیسے ماہرین پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اپنے اپنے دور میں علوم کے دھارے بدل دیئے۔ اور اپنی جدید ترین تحقیقات سے علم وحکمت کو چار چاند لگائے۔

حکمت دعوت وتبلیغ

داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا کے منصب عظیم پر فائز ہو کر سرور کائنات ﷺ کا اولین فریضہ یہ تھا کہ وہ حکمت دعوت وتبلیغ سے کائنات انسانی کو اللہ کے دین کی طرف بلائیں۔ تاکہ انسان نجات کی راہ اختیار کر کے دنیا و آخرت میں فلاح پاسکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے قرآن پاک نے جو حکیمانہ طریق کار تجویز فرمایا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے کہ:

اُدع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ و جادلھم بالتی ھی احسن (۱۶)

اے نبی ﷺ اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجئے۔ اور اگر بحث وگفتگو کی ضرورت پیش آجائے تو بہترین انداز سے بات کیجئے۔

یہاں پر حکمت سے وہ طریقہ دعوت مراد ہے جس میں مخاطب کے احوال کی رعایت سے ایسی تدبیر اختیار کی جائے جو اس کے دل پر مکمل طور پر اثر انداز ہو سکے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں۔

انها الکلام الثواب الواقع فی النفس اجمل موقع (۱۷)

وہ درست اور صحیح گفتگو جو انسان کے دل پر اثر انداز ہو اور ٹھیک طور پر جا گزیں ہو جائے۔

صاحب روح المعانی کے نزدیک یہاں پر حکمت سے وہ بصیرت مراد ہے جس کے ذریعہ سے داعی مقتضیاتِ احوال کو پیش نظر رکھ کر ان کے مطابق کلام کرے اور وقت اور موقع کی مناسبت سے ایسا طریق کار اختیار کرے۔ جو مخاطب کے لئے ہرگز بار خاطر نہ ہو بلکہ ہر حال میں قابل قبول ہو۔

اور عمدہ نصیحت سے مراد ہے کہ مبلغ اور داعی دعوت کے واسطے خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبہ سے سرشار ہو کر کلام کرے۔ جس کے لئے وہ عنوان بھی ایسا تجویز کرے جو انتہائی دلکش اور باوقار ہو۔ اور دلخراش اور توہین آمیز ہرگز نہ ہو تاکہ مخاطب خود بخود حق بات کی جانب کھنچا آئے۔ اور حق بات کی قبولیت اس کے لئے آسان اور سہل ہو جائے اور اگر بحث و گفتگو کی ضرورت پیش آجائے تو ایسے انداز میں بات کرے کہ:

کانہ ولی حمیم (۱۸)

گویا کہ وہ اس کا جانی اور جگری دوست ہے۔ بلکہ وہ تو اس تکلیف میں بھی نہ پڑے کہ کسی نے مانا ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ منانا اور دل میں بات جمادینا رب تعالیٰ کا کام ہے۔ جب کہ داعی خود و من احسن قولا ممن دعا الی اللہ (۱۹) کے مصداق داعی الی اللہ اور داعی الی الخیر ہونے کے ناطہ سے پہلے سے ہی اعلیٰ ترین منصب پر فائز سب سے فائق ہے۔ کیونکہ وہ لوگوں کو اللہ کی راہ کی جانب اور صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دے رہا ہے۔

عمل کی تاثیر

سرور کائنات ﷺ کے حکیمانہ طریقہ دعوت کا بھی یہی عالم تھا کہ وہ نہ صرف تبلیغ دین کے لئے قرآن پاک کے مقررہ اصول وضابطہ پر عمل پیرا تھے بلکہ اپنے اسوہ حسنہ اور سیرت و کردار کو بھی عملی زندگی کا نمونہ بنا کر دنیا والوں کے سامنے پیش فرما رہے تھے۔ اس لئے کہ دعوت الی اللہ کا سب سے مفید مؤثر اور پرکشش ذریعہ خود داعی حق کی شخصیت اس کے افعال حمیدہ اور اس کے اخلاق حسنہ ہی ہوتے ہیں۔ اور اس کی عمدہ سیرت جو لوگوں کے لئے پرکشش نمونہ ہو۔ اور ایک جاذب نظر کھلی ہوئی کتاب کی مانند کہ جس کا کوئی ورق بھی نظروں سے اوجھل نہ رہے۔ کیونکہ عمل کی تاثیر کلام کی تاثیر سے کہیں زیادہ گہری اور بلیغ ہوتی ہے۔

غار حرا میں پیش آنے والا واقعہ

آپ کی سیرت طیبہ کا ہی اثر تھا کہ جب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ ؓ کے سامنے غار حرا میں پیش آنے والا واقعہ بیان فرمایا۔ اور بتایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر لگ رہا ہے۔ تو حضرت خدیجہ ؓ نے سرور کائنات ﷺ کی سیرت طیبہ کی بے مثال قوت کا یوں ذکر فرمایا کہ:۔

كلا والله ما يخزيك الله ابدا انك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتقرى الضيف و تعين على نوائب الحق (۲۰)

خدا کی قسم اللہ آپکو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، نادار کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ مسکین کو کھانا کھلاتے ہیں۔ مہمان کی عزت کرتے ہیں۔ اور مصائب کے وقت لوگوں کی اعانت کرتے ہیں۔

گویا کہ اپنی اس فصیح و بلیغ گفتگو کے ذریعہ سے حضرت خدیجہؓ نے اس حقیقت کی جانب اشارہ بلیغ فرمادیا، کہ انسانیت کی خدمت کرنے اور لوگوں کے کام آنے والا ذلیل نہیں ہوتا۔ محبوب اور ہر دلعزیز ہوتا ہے۔ ہر کوئی نہ صرف اس کا احترام کرتا ہے۔ بلکہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کو زندگی کا نصب العین بنا کر اس کی تابعداری کرنے لگتا ہے اور حق تعالیٰ بھی پھر ایسوں کو ہی دنیا میں پنپنے اور غالب آنے کا موقع دیتے ہیں جو انسانوں کے زیادہ سے زیادہ کام آئیں۔ اور دوسروں سے ہمدردی کریں۔

فلاح عامہ کا اسلامی تصور

قرآن پاک نے بھی عالم میں برقرار رہنے اور زمین میں ٹھہر جانے کے واسطے عمرانی اور سیاسی زندگی کا جو فارمولا اپنے پیروکاروں کے لئے مختص فرمایا ہے اس کا ماحصل بھی یہی ہے کہ ہر سطح پر زندگی کی صرف وہ قوتیں جم کر قائم رہتی ہیں۔ جو نفع بخش اور مفید ہوں۔ جبکہ غیر مفید چیزیں ناکارہ اور فضول ہونے کی بنا پر ملیا میٹ ہو کر رہ جاتی ہیں جیسے فرمایا کہ:۔

كذلك يضرب الله الحق والباطل فاما الزبد فيذهب جفاء.
واما ما ينفع الناس فيمكث في الارض (۲۱)۔

اللہ بتاتا ہے کہ حق و باطل کی یہی مثال ہے کہ جو جھاگ ہو وہ میل بن کر ختم ہو جائے اور جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہو۔ وہ زمین پر جم کر ٹھہر جائے۔

قوموں کی زندگی میں بھی ازل سے تنازع للبقاء کا یہی دستور چلا آرہا ہے اور قرآن کا فلسفہ تاریخ بھی یہی ہے کہ زندگی کا باہمی کشمکش میں کامیابی کا معیار کسی قوم یا جماعت کا دوسروں کے لئے نفع بخش اور انسانیت کے واسطے فائدہ مند ہونا ہے۔ مفسرین نے اسی کو بقائے انفع کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اور آیت بالا کا مفہوم بھی

یہی ہے۔ اور یہ تصور مغرب کے بقائے اصلح کے تصور سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ اور بہتر ہے۔ ورنہ دوسروں سے کٹ کر خودغرضی اور خودخیالی میں تمام صلاحیتوں کو اس طرح مجتمع کر لینا کہ کائنات انسانی کے لئے بلائے جان بن جائے، ہرگز زندگی اور بقاء کی دلیل نہیں۔ بلکہ اجتماعی موت کی کھلی علامت ہے جیسا کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے پرانے خیال سے ظاہر ہے۔

بقائے انفع کا عمرانی ضابطہ

اس واسطے قرآن نے بقائے انفع کا تصور پیش کر کے انسانوں کو معاشرتی عمرانی اور سیاسی سطح پر خیر وفلاح عامہ کا ایک بہت بڑا حیات آفرین نصب العین عطا فرمایا ہے۔ اور دوسری جانب ایمان والوں کو بھی خبردار کر دیا ہے اگر وہ اپنے سلف صالحین کے طریقوں کو چھوڑ کر خودغرضی اور خودخیالی کے سراب میں کھو گئے اور کائنات انسانی کی دنیوی واخروی فلاح و بہبود کے واسطے انسانوں کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ تو آج اگرچہ صرف ذلیل وخوار اور پریشان حال ہیں۔ ایک وقت ایسا بھی آ سکتا ہے کہ قوموں کا جھاگ بن کر ختم ہو جائیں اور زمانے کا میل کچیل ہو کے صفحۂ ہستی سے ہی ملیا میٹ ہو کر رہ جائیں اس واسطے اس آیت گرامی قدر میں پورے عالم اسلام کے لئے ایک حیات بخش پروگرام ہے اور وہ یہ کہ اگر آج کی ترقی یافتہ دنیا میں عزت سے جینا چاہتے ہو، اور قوموں کی دوڑ میں آگے نکلنے کا ارادہ ہے، تو علم وحکمت کی خداداد صلاحیتوں کو کائنات انسانی کے لئے زیادہ سے زیادہ نفع بخش بناؤ اور جہانیان عالم کے سامنے دنیا وآخرت کی خیر وفلاح کی خاطر تمام تر ذاتی منفعتوں کو نچھاور کر دو تا کہ شھداء علی الناس کے مصداق اقوام عالم کی قیادت اور امامت کے منصب پر فائز کئے جائیں تمہارے قدم جم جائیں اور باطل جھاگ بن کر تمہارے روبرو ملتا دکھائی دے۔

حکمت دعوت کا یہی وہ عالمی اور آفاقی مینارہ نور ہے جسے روشن کرنے کی خاطر آپ ﷺ داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا کے منصب پر فائز ہو کر تشریف لائے اور امت مسلمہ کو لیظھرہ علی الدین کلہ کی بشارت عظمیٰ سے نوازا۔

عالم اور حکیم کی خصوصیات

امت محمد یہ علی صاحبہا میں علماء کو وہ مقام حاصل ہے جو بنی اسرائیل میں انبیاء کو حاصل تھا۔ اس لئے کہ خاتم النبین ﷺ کی ذات گرامی پر اگرچہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ لیکن نبیوں کا کام یعنی دعوت و ارشاد کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ بلکہ قیامت تک علماء کے ہاتھوں جاری رہے گا۔ کیونکہ اس امت میں علماء انبیاء کے جانشین اور وارث ہیں۔ اس بنا پر علماء کو بڑا درجہ اور مقام حاصل ہے۔ اور علم و حکمت کے منصب عالی کی وجہ سے انہیں بہترین خصوصیات سے نوازا گیا ہے۔ جو درج ذیل ہیں۔

ا۔ خشیت الٰہی:۔ ارشاد خداوندی ہے کہ

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح معنوں میں اس کے بندوں میں صرف عالم لوگ ہی ڈرتے ہیں۔ لہٰذا تقویٰ اور خشیت الٰہی علم و حکمت کی نمایاں دلیل ہے۔ اس لئے کہ خشیت اور علم آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ اور ایک دوسرے سے جدا نہیں۔

ا۔ قول و فعل میں مطابقت:۔ عالم اور حکیم کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہے اس پر خود بھی عمل کرے۔ اور اس کے قول و فعل میں پوری طرح مطابقت پائی جائے۔ وہ عالم جو لوگوں کو دین کے احکام بتائیں اور خود عمل پیرا نہ ہوں ان کا یہ کام عقل مندی کے تقاضے کے خلاف ہے۔

جیسا کہ سورۃ بقرہ میں ہے۔

اتاء مرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب، افلا تعقلون (۶۲)

کیا تم دوسروں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو۔ حالانکہ تم کتاب پڑھتے رہتے ہو، سو کیا تم عقل سے کام ہی نہیں لیتے۔

حضرت شعیبؑ نے اسی لئے اپنی قوم سے فرمایا کہ:

وما ارید ان اخالفکم الی ما انھکم عنه (۲۳)

میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو روکتا ہوں ان کا خود ارتکاب کروں۔ اس واسطے ایک عالم اور حکیم میں علم و عمل کا تضاد ہرگز نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر دونوں کی مطابقت سے متصف ہوتا ہے۔

۳۔ تفکر و تدبر کے ساتھ ذکر الٰہی سے بھی متصف ہو: قرآن کے نزدیک درحقیقت عمل والے وہ ہیں جو تفکر فی الخلق کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کو کھڑے بیٹھے لیٹے ہوئے ہر حال میں اور ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں۔

اور کسی لحہ بھی اس کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ ایک اسلامی مفکر فلسفی اور دانشور قرآن کی بیان کردہ اس عظیم صفت سے یوں متصف ہوتا ہے کہ جب غور و فکر اور تدبر و تفکر کے ساتھ کسی نئی چیز کی تحقیق کرتا ہے اور پھر کسی نامعلوم کو دریافت کرنے یا حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے تو کسی کبر و نخوت یا غرے میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ خالق کائنات کی قدرت کاملہ میں اپنے ایمان کو پہلے سے کہیں زیادہ پختہ کر لیتا ہے۔ جس کے اظہار کے واسطے وہ فوراً ہی برملا اعلان کر دیتا ہے۔

ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحنک فقنا عذاب النار (۲۴)

ہمارے رب تو نے سب کچھ یوں ہی پیدا نہیں فرمایا بلکہ اس کی تخلیق کا کوئی عظیم

مقصد ہے۔ اس واسطے تو ہمیں گمراہی سے اور آگ سے محفوظ فرما۔

اس بنا پر عقل سلیم کا تقاضا ہی یہ ہے کہ انسان علم وحکمت کے ذریعہ سلسلہ اسباب میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرے مخلوقات سے آگے بڑھ کر خالق کائنات تک پہنچنے اور عالم اسباب پر غور وفکر کر کے مسبب الاسباب کا پتہ لگائے۔ اس لئے پہلا مرحلہ تفکر و تدبر کا ہے۔ اور دوسرا مرحلہ تشکر و تذکر کا تفکر و تدبر مخلوقات میں مطلوب ہے۔ جبکہ تشکر و تذکر اللہ جل شانہ کی ذات وصفات میں مقصود ہے۔ اور یہی اسلامی دانشور اور سائنسدان کا خاصہ ہے۔

جبکہ ایک ملحد اور لادین مفکر اور موجد خدانا آشنا ہوتا ہے۔ اور اسے فلسفہ یا سائنس کے کسی شعبہ کے کسی عمل میں بھی خدا کا خوف اور ڈر شامل حال نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کے ڈر اور خوف سے عاری ہو کر فلسفہ اور سائنس کے تمام تر تجربات کو انسانوں کی تباہی اور عالم کی ہلاکت کا ذریعہ بنانے سے بھی ہرگز نہیں ڈرتا جبکہ ذکر و فکر سے مزین ہو کر خدا آشنا عالم اور حکیم اپنی تحقیقات کو امن وسکون کا ذریعہ بنانے پر مجبور ہوتا ہے۔ جو کہ خدا کے خوف کا اولین تقاضا ہے۔

۴۔ عالم اور حکیم کا اظہار تشکر:۔ عالم اور حکیم کی خداداد صلاحیتوں میں سے ایک عظیم صفت یہ بھی ہے کہ علم وحکمت میں ان کی کامیابیاں اسے ہر آن اپنے خالق اور اور مالک کا شکر بجالانے پر مستعد رکھتی ہیں۔ ہر کامیابی پر وہ حمد وثنا کے ساتھ اس کا شکر بجالاتا ہے۔ اور مالک کے سامنے گر جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت لقمانؑ کو عطائے حکمت کے باب میں قرآن کا ارشاد ہے کہ:۔

ولقد اتینا لقمان الحکمۃ ان اشکر للہ (۲۵)

اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔

ویسے بھی علم وحکمت کا تقاضا ہی نہیں بلکہ عین حکمت ہی یہ ہے کہ ہماری زندگی ہمارے رب کی شکرگزاری میں بسر ہو۔ جیسا کہ حضرت لقمان کوعطا کی جانے والی حکمت ہی یہ تھی کہ انہیں اس بات کی تعلیم دی گئی کہ وہ اللہ کے شکرگزار بندے بنیں۔

التماس

ان حقائق کی روشنی میں ان حضرات سے جو علم وحکمت کے متلاشی ہیں اور امت مسلمہ کے اجتماعی مسائل کا درد رکھتے ہیں۔ یہ التماس ہے کہ وہ سرور کائنات ﷺ کی سیرت طیبہ کے زریں اصولوں کو رہنما بنا کر زندگی اور اس کے مسائل پر غور فرمائیں۔ اور ان کا خلوص اور نیک دلی سے حل تلاش کریں۔ اس لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی راہنمائی میں انسان وہ سب کچھ حاصل کرسکتا ہے جس کی فی الواقع اسے ضرورت ہے۔

مراجع مصادر

۱۔ سورۃ البقرہ : ۲۶۹

۲۔ لسان العرب

۳۔ سورۃ البقرہ : ۲۵۵

۴۔ تفسیر روح المعانی

۵۔ سورۃ الحشر : ۲۲

۶۔ صحیح بخاری

۷۔ سورۃ الکہف : ۶۵

۸۔ سورۃ العلق : ۳تا۵

۹۔ سورۃ البقرہ : ۱۱۷

۱۰۔ علامہ اقبال کے خطبات

۱۱۔ علامہ اقبالؒ کا تعلیمی فلسفہ
صنف سیدین بزبان انگریزی ۹۹

۱۲۔ سورۃ بنی اسرائیل : ۱۰۶

۱۳۔ سورۃ الفرقان : ۲۲

۱۴۔ سورۃ القلم : ۴

۱۵۔ سورۃ الاحزاب : ۴۶

۱۶۔ سورۃ النحل : ۱۲۵

۱۷۔ روح المعانی

۱۸۔ سورۃ حٰم السجدہ : ۳۴

۱۹۔ سورۃ حٰم السجدہ : ۳۳

۲۰۔ صحیح بخاری

۲۱۔ سورۃ الرعد : ۱۷

۲۲۔ سورۃ البقرہ : ۴۴

۲۳۔ سورۃ ہود : ۸۸

۲۴۔ سورۃ آل عمران : ۱۹۱

۲۵۔ سورۃ لقمان : ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍo

اور آپ تو اخلاق فاضلہ کی عظیم بلندیوں پر فائز ہیں۔

(القلم: ۴)

امام بخاریؒ کا قول ہے کہ جس طرح ماں باپ اولاد کو سنوارتے ہیں۔ رب تعالیٰ نبی کو سنوارتا اور مزین کرتا ہے۔ رب تعالیٰ نے جس حسین انداز میں اپنے محبوب ﷺ کی تزئین و آرائش فرمائی ہے۔ اس کی مثال نہیں۔ کہ آپ کو اخلاق حسنہ کا کامل اور مکمل مجسمہ بنا دیا۔ اور کائنات کے سامنے بطور ماڈل پیش فرمایا کہ میری تخلیق کا شاہکار یہ ہے اسی واسطے آپ ﷺ کو معراج کرایا، تاکہ معلوم ہو جائے کہ جتنا زمین سے آسمان اونچا ہے۔ اسی قدر کائنات میں آپ کی شان اونچی ہے۔ کل فرشتوں نے اعتراض کی تھا کہ آدم کو پیدا کیوں کیا۔ آج انہی فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ احترام کے ساتھ قطار اندر قطار کھڑے ہو جاؤ۔ اس آدمؑ کے خلف صالح، اولاد آدمؑ کے سردار، خلاصہ کائنات حضرت محمد ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ عالم غیب میں اس حسین منظر سے پہلے شب اسراء میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی امامت حضور انور ﷺ کی سیادت عامہ اور امامت عظمیٰ کی ایک اور روشن دلیل ہے۔ اسی واسطے صحابہؓ نے جب دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کو نبوت کب ملی؟ تو فرمایا اس وقت جب حضرت آدمؑ ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔

۱۔ اخلاق کا معنی ومفہوم

۲۔ حضور ﷺ کی رفعتِ شان

۳۔ خالق کی تخلیق کا شاہکار

۴۔ حضور انور کی امامت عظمیٰ

۵۔ عالم ارواح میں عہد

۶۔ سرور کائنات ﷺ کے اعلیٰ مراتب

۷۔ انسانوں میں سب سے بہترین

۸۔ حضور ﷺ کا مرتبہ کمال

۹۔ خلق عظیم والے خلاصہ آدمیت ہیں

۱۰۔ آپ ﷺ کی آمد جہانوں کے لئے بہار ہے

۱۱۔ بہترین نمونہ عمل

۱۲۔ نرم خو اور رحم دل

۱۳۔ حضور انور ﷺ کا منصب اعلیٰ

۱۴۔ اخلاق کے مضمون کا سپیشلسٹ

۱۵۔ رب تعالیٰ کا احسان عظیم

۱۶۔ معلم اخلاق کا دائرہ کار

۱۷۔ لقد من اللہ کا عنوان بلیغ

۱۸۔ تعلیم اخلاق کے اسلامی اصول

اخلاق کا معنی اور مفہوم

اخلاق، خلق کی جمع ہے۔ اور خلق کا لفظ خلقت سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں پیدائشی، فطری بناوٹ یا جو چیز کسی انسان میں پیدائشی اور قدرتی ہو۔

اصطلاح علوم میں خلق ایسے ملکہ کو کہتے ہیں، جس کی بدولت افعال نفس انسانی سے فطری طور پر اور بغیر کسی شعور یا ارادے کے بسہولت صادر ہوں۔ اور جن کے لئے کسی قسم کے تصنع کی ضرورت نہ ہو۔ پھر اخلاق عظیمہ سے مراد وہ غیر معمولی فطری افعال ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے امتیازی شان اور عظمت کے ساتھ مکمل اور جامع طور پر کسی خاص شخصیت میں پیدا فرمایا ہو تا کہ دوسروں کے لئے نمونہ بنیں۔ ایسی ہی خاص

برگزیدہ ہستیوں کو جنہیں علم وعمل کے اعلیٰ ترین معیار پر قائم کر کے پیدا کیا گیا۔ دنیا والوں کی ہدایت کے لئے رسول اور نبی بنا کر بھیجا گیا۔ کہ ان میں سے ہر کوئی یکتائے روزگار تھا۔ پھر ان سارے رسولوں اور نبیوں میں جو اپنی تمام تر خداداد اصلاحیتوں اور علم وعمل کی ساری عظمتوں میں یکتائے خلائق ہے کہ جس میں کائنات ہستی کے تمام تر کمالات سمٹ کر جمع ہو گئے۔ اسے خلق عظیم سے آراستہ وپیراستہ کر کے اسوہ حسنہ کا محور اور سر مرکز بنا دیا کہ وہ ابد تک کے لئے سارے عالم کے واسطے قابل تقلید نمونہ اور عظمت اخلاق کا صحیح پیکر ہے۔

حضور ﷺ کی رفعت شان

وہ پیکر عظیم جسے ورفعنا لک ذکرک کہہ کے پکارا اور جس کے نام نامی کو جہانوں میں سر بلند کر کے خاتم النبین ﷺ کے منصب جلیل پر فائز فرمایا۔ وہ سرور دو عالم حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ جنہیں اولاد آدمؑ کا سردار یکتائے انسانیت بنایا۔ اور جن کے ذریعہ نبوت ورسالت کے اس مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ جس کا آغاز حضرت آدمؑ کی بعثت سے ہوا تھا۔

نیز آپ کو امام الانبیاء بنا کر آپ کے اخلاق حمیدہ کی تمام خصوصیات کو دنیا والوں کے سامنے اجاگر کرنے کا اہتمام فرمایا۔ آپ کو اس طرح سنوار کر تخلیق فرمایا کہ حضور سرور کائنات ﷺ جب بھی آئینہ دیکھتے تو فرماتے:

الحمد لله الذی حسن خلقی و خلقی (۲)

سب تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں۔ جس نے میری تخلیق اور میرے اخلاق

ہر دو کو مزین فرما دیا ہے۔ پھر رب تعالیٰ نے قرآن پاک نزول فرمایا اور کلام اللہ کے ذریعہ آپ کے آداب و اخلاق کی اشاعت فرمادی۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے کہ و کان خلق رسول اللہ ﷺ القرآن (۳) اس واسطے قرآن ہی آپ کے اخلاق ہیں۔ اسی بنا پر آپ ہی کی ذات گرامی تہذیب خلائق اور تادیب عالم کے لئے قرآن کا مقصود حقیقی ہے۔ اسی کو پیش نظر رکھ کر قرآن نے مکارم اخلاق کے ابدی اصول انسانوں کو عطا کئے اور پیارے رسول ﷺ کو ان کا سراپا اور عملی راہنمائی کا سرچشمہ بنا دیا آپ ہی کے اخلاق و آداب کا نور مخلوقات کو منور کرتا ہے اور آپ ہی کے خلق کریم کی روشنی انسانوں کے کردار کو چمکاتی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کے حسن خلق کے اس درجہ کمال کی یوں توصیف فرمائی:

وانک لعلیٰ خلق عظیم (۴)

کہ اے نبی آپ تو بلا شبہ اخلاق کے بڑے درجہ پر فائز ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ نے جن اعلیٰ اخلاق اور ملکات پر پیدا فرمایا، وہ مثالی ہیں۔ اور آپ کے اعمال و اخلاق قرآن کی عملی تفسیر بھی ہیں۔ قرآن جس نیکی اور خوبی کی طرف دعوت دیتا ہے، وہ آپ میں فطرۃ موجود ہے۔ اور جس بدی اور زشتی سے روکتا ہے۔ آپ طبعاً اس سے نفور و بیزار ہیں۔ پیدائشی طور پر آپ کی سرشت اور تربیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ آپ کی کوئی بات اور کوئی چیز بھی حد تناسب و اعتدال سے ہٹنے نہیں پاتی۔ آپ کے حسن خلق کا تقاضا ہے کہ ہر برائی آپ سے دور رہے۔ اور کوئی

بدی آپ کے قریب نہ آنے پائے۔اسی کا نام معصومیت ہے۔سعدی کہتے ہیں۔

کریم السجایا جمیل الشیم

نبی البرایا، شفیع الامم (۵)

خالق کی تخلیق کا شاہکار

امام بخاریؒ کا قول ہے کہ جس طرح ماں باپ اولاد کو سنوارتے ہیں رب تعالیٰ نبی کو سنوارتا اور مزین کرتا ہے رب تعالیٰ نے جس حسین انداز میں اپنے محبوب کی تزئین و آرائش فرمائی ہے۔اس کی مثال نہیں کہ آپ کو اخلاق حسنہ کا کامل اور مکمل مجسمہ بنا دیا۔اور کائنات کے سامنے بطور ماڈل پیش کیا کہ میری تخلیق کا شاہکار یہ ہے اسی واسطے آپ کو معراج کرایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جتنا زمین سے آسمان اونچا ہے اسی قدر کائنات میں آپ کی شان اونچی ہے۔کل فرشتوں نے اعتراض کیا تھا کہ آدم کو پیدا کیوں کیا۔آج انہی فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ احترام کے ساتھ قطار اندر قطار کھڑے ہو جاؤ۔اس آدمؑ کے خلف صالح ، اولاد آدمؑ کے سردار، خلاصہ کائنات حضرت محمد ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔

حضور انور کی امامت عظمیٰ

عالم غیب میں اس حسین منظر سے پہلے شب اسراء میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی امامت حضور انور ﷺ کی سیادت عامہ اور امامت عظمیٰ کی ایک اور روشن دلیل ہے۔ اسی واسطے صحابہؓ نے جب دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کو نبوت کب ملی؟تو فرمایا اس وقت جب حضرت آدم ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے۔(۶)

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔اولاً عالم غیب میں آپ کا نبوت سے

سرفراز ہونا، ثانیاً جس طرح صفت وجود میں آپ کی ذاتِ گرامی مخلوقات میں سے مقدم تھی۔ اسی طرح صفت نبوت میں بھی آپ سب کے پیش رو اور امام تھے۔

عالم ارواح میں عہد

عالم ارواح میں رب العزت نے انبیاء کرام سے جو وعدہ لیا تھا۔ اس میں بھی حضور انور ﷺ کی نبوت پر ایمان اور آپ کی نصرت فرمانے کا وعدہ شامل تھا۔ جیسا کہ آیت ذیل سے ثابت ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

و اذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمة ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتو منن بہ و لتنصرنہ. (۷)

اور دیکھو جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا تھا کہ ہم نے تمہیں کتاب اور حکمت عطاء فرمائی ہے۔ پھر تمہارے پاس وہ رسول آجائے جو اس کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہے۔ تو ضروری ہے کہ تم اسے مانو اور اس کی مدد کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم غیب میں انبیاءؑ سے حضور انور ﷺ کے بارے میں اسی نوعیت کا عہد لیا گیا۔ جیسا امتوں سے نبیوں کے لئے یا رعایا سے خلفاء کے لئے اطاعت اور نصرت کا عہد لیا جاتا تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کے درمیان آپ کا منصب عالی وہ ہے جو امتوں میں انبیاء کا ہوتا ہے اسی لئے اور انبیاء تو صرف نبی ہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ نبی الانبیاء بھی ہیں۔ یہ حقیقت اگر چہ عالم اجسام میں صاف طور پر عیاں نہ ہوسکی۔ مگر عالم ارواح میں اس جہان سے ماوراء اس مقام پر جہاں دیگر انبیاء بھی موجود تھے۔ کھل کر واضح ہوگئی۔

شب معراج میں جب نماز با جماعت کے لئے امام کی تلاش تھی۔ اس وقت تمام انبیاء کی صفوں میں امامت کے قابل آپ ہی کی ذاتِ پاک تھی۔ گویا امت میں

امامت کا جو حق نبی کو ہوتا ہے۔ وہی حق انبیاء میں آپ کو حاصل ہے۔

اس پر بس نہیں آپ کی امامتِ عظمیٰ اس بات سے بھی واضح ہے کہ میدان حشر میں تمام انبیاء آپ ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے نیز شفاعت کے سلسلہ میں بھی آپ ہی سب کے امام اور خطیب ہوں گے۔ شیخ سعدیؒ کے الفاظ میں گویا یوں کہیے:۔

امام رسل پیشوائے سبیل   امینِ خدا، مہبط جبرائیل
شفیع الوریٰ خواجہ بعث و نشر   امام الہدیٰ صدر دیوانِ حشر (۸)

سرور کائناتﷺ کے اعلیٰ مراتب

دنیا اور آخرت دونوں جہان میں رب العزت نے خاتم النبیینﷺ کو جن اعلیٰ مراتب پر فائز فرمایا ہے۔ آنحضرتﷺ نے حدیث ذیل میں اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی۔

انا سید ولد ادم ولا فخر و بیدی لواء الحمد ولا فخر وادم من دونہ یومئیذ تحت لواء ی و لا فخر وانا اول من تنشق الارض بی ولا فخر وانا اول شافع ومشفع ولا فخر وانا اول من یقرع باب الجنۃ ولا فخر وانا اول من ید خل الجنۃ ولا فخر (۹)

میں اولادِ آدمؑ کا سردار ہوں۔ میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا۔ اور آدمؑ اور ان کے علاوہ دیگر سب اس دن میرے جھنڈے تلے جمع ہوں گے میں سب سے پہلے زمین سے اٹھایا جاؤں گا۔ شفاعت کرنے والا اولین شافع اور مشفع بھی میں ہی ہوں گا۔ اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ اور میں ہی سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا۔ یہ کوئی فخر یہ کلمات نہیں ہیں۔

انسانوں میں سب سے بہترین

اسی بنا پر آپ ہر لحاظ سے سب سے اعلیٰ اور انسانوں میں سب سے بہترین ہیں۔ آپ کے عادات و خصائل، آداب و شمائل غرضیکہ طبعیت اور جبلت بھی تمام مخلوقات میں سب سے برتر اور بہتر، اعلیٰ اور ارفع ہیں۔ جیسا کہ صحابہ کرام کے فرمودات کے اس شذرہ سے واضح ہے۔

كان رسول الله صلعم احسن الناس اجود الناس اعبد الناس، ازهد الناس، اورع الناس اتقى الناس اسخىٰ الناس، احلم الناس، اشجع الناس، اعدل الناس، لا يقصر عن الحق ولا يجاوزه اعف الناس لم تمس يده قط يدامراة لا يملك رقها او عصمة نكاحها او تكون ذات محرم له اشد الناس حياء ولا يثبت بصره في وجه احد (١٠)

رسول اکرم ﷺ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ خوبصورت سب سے زیادہ بخشش والے، سب سے زیادہ عبادت کرنے والے، سب سے زیادہ زہد والے، سب سے زیادہ پرہیز گار، سب سے زیادہ متقی، سب سے زیادہ سخی، سب سے زیادہ برد بار، سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ منصف کہ نہ تو کسی کے حق سے کم کرتے اور نہ ہی زیادہ اور لوگوں میں سب سے زیادہ عفت والے پاکیزہ تھے کہ مملوکہ یا منکوحہ یا محرم عورت کے سوا آپ کا ہاتھ کسی عورت کو کبھی لگا نہ تھا۔ اور سب سے زیادہ حیاء والے تھے کہ آپ کی چشم مبارک کسی کے چہرہ پر جمتی نہ تھی۔

حضورﷺ کا مرتبہ کمال

الیوم اکملت لکم دینکم (۱۱)

کی آیت میں تکمیل دین کی بشارت کے ساتھ ساتھ حضورﷺ کے مرتبہ کمال کا اعلان بھی ہوا۔ اور نہ صرف یہ کہ دین مکمل ہوا بلکہ نبوت کی نعمت بھی اپنے علمی اور عملی کمالات کے ساتھ تمام ہوئی۔ چنانچہ اتممت علیکم نعمتی میں اسی نعمت کا تذکرہ فرمایا جو کہ آپ کے خلقِ عظیم کا دوسرا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ذات، گرامی میں قدرت کاملہ نے جمال اور جلال کے سارے محاسن جمع فرما کر خالقِ کمال کا خصوصی ماڈل بنادیا۔ اور پھر اس صورت گری کا اعلان رضیت لکم الاسلام دیناً سے کیا۔ کہ یہی دین ہے۔ اور اسی کو اختیار کرنے میں رب کی رضا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل کی روایت میں نبی اکرمﷺ کا ارشاد ہے:

انّ اللہ حفّ الاسلام بمکارم الاخلاق ومحاسن الاعمال.

"یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کو اچھے اخلاق اور خوبصورت اعمال سے محیط فرمایا ہے۔"

ایک اور روایت میں یوں فرمایا۔"

اِنّ اللہ یحبّ معالیٰ الاخلاق ویبغض سفسا فھا.

کہ یقیناً اللہ بلند اخلاق کو پسند فرماتا ہے۔ اور گھٹیا کو ناپسند کرتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ ساتھ دین اور ادب کو ایک ہی شے قرار دیا۔ جیسا کہ فرمایا۔

لادین لمن لا ادب له. جس کے پاس ادب نہیں اس کے پاس دین بھی نہیں۔

خلق عظیم والے خلاصہ آدمیت ہیں

رب تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو خلق عظیم کے مرتبہ جلیلہ پر فائز فرمایا۔ اس لئے کہ آپ کی ذات خلاصہ آدمیت ہے۔ اس واسطے چننے والے نے کائنات میں سے آدمؑ کو چنا۔ آدمیت میں ابراہیم خلیل اللہ کو چنا۔ اولاد خلیلؑ سے اسماعیلؑ کو منتخب فرمایا۔ بنی اسماعیل میں سے کنانہ کو، بنی کنانہ میں سے مضر کو، اور مضر کے خاندان میں سے قبیلہ قریش کو، اور قریش میں سے بنی ہاشم کو، اور بنی ہاشم میں سے پیارے رسول ﷺ کو منتخب فرمایا۔ جیسا کہ خود آپ کا ارشاد ہے:

انا خلاصة العرب العرباء

کہ میں قبائلِ عرب کا خلاصہ ہوں۔

نیز فرمایا کہ حضرت آدمؑ سے لیکر عبداللہ تک اور اماں حوا سے لے کر اماں آمنہ تک جن پشتوں اور بطنوں میں میری ذات آئی، اور میرا نور روح بن کر آیا۔ اللہ نے ان کو برائی اور بدکرداری سے پاک رکھا۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ جب محمد ﷺ میرے بطن میں تھے، مجھ پہ عجیب حالت طاری تھی۔ وجود میں خوشبو تھی، ڈکار عجیب آتے تھے، طبیعت میں ایک کیف تھا۔ پسینے میں خوشبو تھی اور کوئی بار نہیں تھا۔ آنکھوں کا عجیب انداز جیسے کہ سرمہ ہو، راتوں کو اچھے اچھے خواب دیکھتی تھی۔ نیند بھی خوش کن تھی۔ ایک رات سو رہی تھی کہ آواز آئی:۔

بشریٰ لکِ یا آمنة فانک حملتِ بسید الاولین والاخرین واذا ولدتِ سمیه محمد

کہ اے آمنہ تجھے مبارک ہو کہ تو اس فرزند کی ماں بننے والی ہے جو کہ آنے والوں اور گزرے ہوؤں کا سردار ہوگا۔

جب تو بچے کو جنم دے تو اس کا نام محمد ﷺ رکھنا۔

اسی لئے آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے:

انا دعوة ابی ابراھیم وبشارة عیسیٰ ورویاء امی (۱۴)

کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں۔ عیسیٰؑ نے میری خوشخبری دی۔ اور میں اپنی ماں کا خواب ہوں۔

ہوتے پہلوئے آمنہ سے ہویدا   دعائے خلیل اور نوید مسیحا (۱۵)

آپ کی آمد جہانوں کے لئے بہار ہے

آپ کی ذات ستودہ صفات دونوں جہان کے لئے نہ ختم ہونے والی بہار ہے آپ تشریف لائے تو جہانوں میں رونق پیدا ہوئی۔ بجھے بجھے دل شگفتہ اور تروتازہ ہوئے۔ یاس اور ناامیدی کی گھٹائیں چھٹ گئیں۔ اور ایمان وعمل صالح کی بنیاد پر روشن مستقبل کی داغ بیل ڈالی گئی۔

آپ کی آمد پر مکہ مکرمہ ہوگیا۔ اور یثرب مدینہ کہلایا۔ آپ نے فرمایا کہ مدینہ میں دجال نہیں آئے گا۔ وبا نہیں پھوٹے گی۔ اور یہ شہر قحط وغیرہ سے محفوظ رہے گا۔ نیز آپ کی آمد دنیا والوں کے لئے امن وسلامتی کا پیغام ہے۔ آپ آئے تو قیصر وکسریٰ کے محلات کے کنگرے ٹوٹ کر گرے۔ آتش پرستوں کی صدیوں کی آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ مکہ کا قحط ختم ہوگیا۔ صبح صادق کا وقت تھا کہ ہر سو ایک گونہ خوشبو تھی۔ لوگ دوڑے کہ کون عطر والا آیا ہے۔ عبدالمطلب بول اٹھے کہ عطر والا نہیں آیا، میرا پوتا محمد آیا ہے (ﷺ) آپ سسکتی، دم توڑتی دکھی انسانیت کے لئے دکھوں کا مداوا بن کر آئے۔ کائنات کی تاریکیاں چھٹ گئیں۔ اور نور نبوت سے ہر سو روشنی ہی روشنی کا سماں ہوا۔

اسی واسطے قرآن کا ارشاد ہے۔

انا ارسلنک شاھد اومبشر ا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا (۱۶)

سراجا منیر کا لقب عطا کیا۔ کیونکہ آپ علم وعمل اور حسن خلق کا چمکتا دمکتا سورج ہیں۔ دنیا کا سورج دیکھو تو آنکھیں چندھیا جائیں۔ لیکن اس سورج سے آنکھیں منور ہو جائیں۔ دنیا کا یہ سورج قیامت کے دن بے نور ہوگا۔ لیکن نبی کی نبوت کا سورج قیامت کو بھی نور سے معمور ہوگا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

لنا شمس وللافاق شمس
شمسی خیر من شمس السماء
فان الشمس تطلع بعد فجر
وشمسی تطلع بعد العشاء

بہترین نمونہ عمل

ان سب اعلیٰ مراتب پر فائز کرکے حکم دیا کہ یہ اعلیٰ پائے کا انسان تمہارا پیشوا، اور رہنما ہے۔ اس کی پیروی کرو۔ اور زندگی کے تمام مشاغل میں اس کے اوصاف حمیدہ کو نمونہ بنا کر اس پر چلنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ اسی میں سب کی فلاح ہے۔ چنانچہ فرمایا:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (۱۷)

تمہارے لئے اللہ کے رسول کی ذات میں ایک اچھا نمونہ ہے۔

اور اس کے ساتھ آپ کے دل میں اپنی امت کے واسطے فراواں محبت پیدا فرما دی۔ کیونکہ آپ اس بات کی بے حد چاہت رکھنے والے ہیں کہ ایمان والے دنیا اور آخرت کے ہر نقصان سے محفوظ رہیں۔ اور فلاح پا جائیں۔ جیسا کہ فرمایا:

لقد جائکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم

بالمومنین روف رحیم. (۱۸)

تمہارے پاس خود تم میں سے ایسے رسول تشریف لائے ہیں۔ جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ جو تمہاری فلاح کے نہایت چاہنے والے اور اہل ایمان کے لئے بے حد شفیق و رحیم ہیں۔

نرم خو اور رحمدل

نیز آپ اللہ کے فضل و کرم سے نہایت ہی نرم خو اور رحمدل ہیں کہ درشتی کرنے کی بجائے ہمدردی اور شفقت سے پیش آتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك. (۱۹)

یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے ساتھ نرم خو ہیں۔ ورنہ اگر آپ زبان کے تیز اور دل کے سخت ہوتے تو پھر سب آپ کے گرد و پیش سے چھٹ جاتے اور کیوں نہ ہو۔ آپ تو تمام جہانوں کے لئے رحمت کا سامان ہیں۔

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین (۲۰)

اے محمد! ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

حضور انور کا منصب اعلیٰ

عظمت والے شرافت والے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو اوصاف حمیدہ کی ان تمام تر عظمتوں کیساتھ اس مقصد کی خاطر مبعوث فرمایا کہ وہ عملی زندگی میں انسانوں کے بیچ نیکی کا ایک فیشن رائج فرما دیں۔ اور معاشرہ کا اللہ کے سوا دوسروں کی عائید کردہ تمام پابندیوں سے آزادی دلائیں۔ تا کہ ولقد کرمنا بنی آدم کے مصداق انسانیت کی شرافت اور وقار بحال ہو جائے۔ اور زندگی میں ایک خدا کی بندگی

کا نظام قائم ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لئے حضور انور ﷺ کو بھیجا کہ وہ معلم اخلاق ہونے کی حیثیت سے تمام کائنات کو مکارمِ اخلاق کا گہوارہ بنادیں۔ اسی لئے فرمایا:

انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق انما بعثت معلما علمنی ربی فاحسن تعلیمی ادبنی ربی فاحسن تا دیبی (۲۱)

بلاشبہ مجھے بھیجا گیا کہ میں اچھے اچھے اخلاق کی تکمیل کروں۔ نیز مجھے معلم بنا کر بھیجا کہ میں اپنے رب کا متعلم ہوں، جس نے خود مجھے اچھی تعلیم دی۔ اور اس نے مجھے ادب سکھایا۔ اور وہ بھی بہترین طریقے سے۔

اخلاق کے مضمون کا سپیشلسٹ

اور پھر فرمایا کہ اخلاق کا یہ معلم اپنے مضمون کا سپیشلسٹ ہے کہ اس میں اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ اور ایسا یکتا ہے کہ اسے اس مضمون کے ہر پہلو پر استاذانہ اتھارٹی حاصل ہے۔ جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا:

قد جمع اللہ له السیرة الفاضلة و علمه جمیع محاسن الاخلاق (۲۲)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں سیرت کے فضائل جمع کردیئے اور اس نے آپ کو بہترین اخلاق کی تعلیم بھی دے دی ہے۔

نیز آپ نے خود اعلان فرمادیا کہ معلم اخلاق ہونے کی حیثیت سے مجھ میں ایک معیاری معلم کی ساری خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ کہ میں نرم خوئی سے سراپا رحمت اور شفقت بن کر فرائضِ تعلیم سے عہدہ برآ ہوتا ہوں۔ نہ کہ درشت خوئی اور سختی سے چنانچہ جب آپ سے کہا گیا۔ کہ مشرکوں کے لئے بددعا فرمایئے تو آپ نے فرمایا:

انما انا رحمة مهداة (۲۴)

میں تو ہدیہ اور تحفہ کے طور پر سراپا رحمت ہوں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے بے مثال اخلاقِ حسنہ سے سارا عالم آپ کا گرویدہ ہو گیا اور آپ سارے جہان کے لئے معلم اخلاق ٹھہرے۔

رب تعالیٰ کا احسانِ عظیم

اس لئے اللہ رب العزت کا مسلمانوں پر بڑا احسان ہے کہ اس نے ایمان والوں کو نبی آخر الزماں ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا۔ کہ جو اعلیٰ وارفع اخلاق کے ساتھ تشریف لائے کہ جنہوں نے درندوں کو بھی انسانیت سکھائی۔ اس واسطے محمد ﷺ کا امتی ہونا ہمارے اوپر رب تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ جو ہم گنہگاروں کو غیر شعوری طور پر ملا ہے۔ حالانکہ بڑے جلیل القدر انبیاء کرام بھی اس نعمت سے محروم رہے۔ یہی وہ نعمت ہے جسے خالق نے عطا کر کے مومنوں پر اپنا بڑا احسان جتلایا۔ کیونکہ اس جہان میں سر رکھتے ہی پہلی آواز جو مومن کے کان میں پڑتی ہے۔ وہ اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد ارسول اللہ. کی آواز ہے ارشاد ربانی ہے:

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (۲۵)

یقیناً اللہ کا اہل ایمان پر بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کے درمیان خود ان ہی میں سے ایک ایسا عظیم المرتبت پیغمبر بھیجا ہے جو ان کا اپنا ہے کہ ایمان والے آسانی سے اس کے انوار و برکات سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کے احوال، اخلاق و عادات، اقوال و اعمال اور سیرت سے وہ بخوبی واقف ہیں۔ اور پیغمبر ﷺ بھی معزز ترین اور بلند ترین منصب پر فائز ہونے کے باوصف اپنے پیروکاروں سے رحمت و

رافت کا معاملہ فرماتے ہیں۔

معلم اخلاق کا دائرہ کار

آیتِ بالا میں خداوند کریم نے نبوت کے احسانِ عظیم کے تذکرہ کے بعد وہ دائرہ کار بھی متعین فرما دیا۔ جس میں معلم اخلاق ہونے کی حیثیت سے نبی نہ صرف مالک کائنات کے احکامات من وعن پڑھ کر سناتا ہے۔ اور مکارم اخلاق سے ان کی زندگیوں کو بناتا اور سنوارتا ہے بلکہ کتاب وحکمت کی تعلیم سے ایمان والوں کو اس طرح تربیت دیتا ہے کہ وہ فضائلِ اخلاق کو حاصل کرتے اور رزائل سے اجتناب کرتے چلے جاتے ہیں۔ دراصل بعثتِ نبوی کا مقصد ہی ان چار عوامل کو بروءکار لانا ہے۔ اس واسطے محمد ﷺ نے جس طرح آیات قرآن پر مشتمل قانون زندگی کا ایک جامع ضابطہ اخلاق نافذ فرمایا۔ اور تشنہ کاموں کے لئے علم وحکمت کے زمزمے بہائے، اسی طرح اپنے اخلاق کریمانہ سے مکمل یقین وایمان اور نہایت ذوق وشوق کے ساتھ محبت والفت کے چشمے بھی جاری فرما دیئے۔ کہ جن سے حسن سلوک،، ہمدردی، مواسات اور بروصلہ کے حقیقی مناظر قائم ہوئے۔ اور ایمان والوں کو ایک خدا کی بندگی کی خاطر تقویٰ اور خشیت الٰہی پر مبنی زندگی بسر کرنے کی توفیق ملی۔ پھر الحمد اللہ صاحبِ خلقِ عظیم کی مساعی جمیلہ سے نتیجہ یہ نکلا کہ اخلاق حمیدہ کی بنیاد پر وہ مثالی معاشرہ اور حقیقی دینی ماحول قائم ہوا۔ جس کو عہد رسالت اور عہدِ صحابہ کے زریں دور کا نام دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ان ہی چاروں شعبوں کے کامل ترین نمائندے اور مثالی نمونہ تھے۔ اگر ان چار عوامل پر منحصر اخلاق فاضلہ اور اعمالِ صالحہ کو نمایاں اور اجاگر دیکھنا ہو تو صحابہ کو دیکھ لیا جائے۔ صحابہ کی زندگیاں ہر قسم کی انسانی آلائشوں اور شرک ومعصیت سے اس طرح پاک وصاف تھیں کہ جیسے ان کے نامہ اعمال کی تختیوں کو مانجھ کر صیقل کر دیا

مشاہدہ کر رہے تھے۔ یہ ان ہی پر کیف و پر سرور مجالس اور نبوی صحبتوں کا فیضِ عام تھا۔ جن سے مستفیض ہونے کو وہ اپنے لئے فلاحِ دارین خیال کرتے تھے۔ پھر اس طرح اسلام کا وہ خاص مزاج تیار ہوا۔ جس میں قواعد وضوابط کا لحاظ ہی نہ تھا۔ بلکہ قانونی محرکات کے پس منظر میں وہ کیفیات اور ترغیبات جن کو انسانی حرکات وسکنات کی روح اور جان کہا جا سکتا ہے۔ اور پھر حدود کی پابندی اور حقوق وفرائض کی ادائیگی ہر ایک کی طبعیت ثانیہ بن کر محاسن اعمال اور مکارمِ اخلاق کا محور تھی۔

یہی وہ علم وعمل کی لازوال کیفیات اور مکارم اخلاق کی ابدی ترجیحات تھیں جن کے حصول کے لئے صحابہ نے اپنی زندگیوں کی عزیز ترین متاع کو بھی داؤ پر لگا کر اسوۂ نبوی ﷺ کے تحت پورے ماحول کو تزکیہ اور حکمت کے ذریعہ عملی نمونہ کے طور پر قیامت تک کے لئے محفوظ اور مضبوط کر دیا۔ اس ابدی اور لازوال ضبط وتحفظ کے پیش نظر اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ کی پیشانی پر لقد من اللہ کا عنوان بلیغ چسپاں کر کے امام الانبیاء، سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کی بعثت کو بلا شبہ ایمان والوں کے واسطے سرمایہ افتخار اور رب تعالیٰ کے حضور ان کے تشکر وامتنان کا باعث بنا دیا۔

تعلیم اخلاق کے اسلامی اصول

دربار نبوت سے تعلیم اخلاق کے جو راہنما اصول جاری کئے گئے ہیں ان سے معلم اخلاق کی خصوصی صلاحیتوں اور اس کی کارکردگی کے اعلیٰ معیار کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ذیل کی سطور سے ظاہر ہے۔

۱۔ حکمت تعلیم:۔ ضروری ہے کہ تعلم وتعلیم میں حکمت وتدبر سے کام لیا جائے اور دانائی کے ساتھ متعلم کی ذہنی بساط، استعداد اور حالات کو سمجھ کر بات کی جائے۔ ہر طرح کے طالب علم کے لئے ایک ہی طریقہ مناسب نہیں ہوگا۔ بلکہ حکیمانہ طور پر پہلے

مشاہدہ کر رہے تھے۔ یہ ان ہی پر کیف و پر سرور مجالس اور نبوی صحبتوں کا فیضِ عام تھا۔ جن سے مستفیض ہونے کو وہ اپنے لئے فلاحِ دارین خیال کرتے تھے۔ پھر اس طرح اسلام کا وہ خاص مزاج تیار ہوا۔ جس میں قواعد وضوابط کا لحاظ ہی نہ تھا۔ بلکہ قانونی محرکات کے پس منظر میں وہ کیفیات اور ترغیبات جن کو انسانی حرکات وسکنات کی روح اور جان کہا جا سکتا ہے۔ اور پھر حدود کی پابندی اور حقوق وفرائض کی ادائیگی ہر ایک کی طبعیت ثانیہ بن کر محاسن اعمال اور مکارمِ اخلاق کا محور تھی۔

یہی وہ علم وعمل کی لازوال کیفیات اور مکارمِ اخلاق کی ابدی ترجیحات تھیں جن کے حصول کے لئے صحابہ نے اپنی زندگیوں کی عزیز ترین متاع کو بھی داؤ پر لگا کر اسوۂ نبوی ﷺ کے تحت پورے ماحول کو تزکیہ اور حکمت کے ذریعہ عملی نمونہ کے طور پر قیامت تک کے لئے محفوظ اور مضبوط کر دیا۔ اس ابدی اور لازوال ضبط وتحفظ کے پیش نظر اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ کی پیشانی پر لقدمن اللہ کا عنوان بلیغ چسپاں کر کے امام الانبیاء، سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کی بعثت کو بلا شبہ ایمان والوں کے واسطے سرمایہ افتخار اور رب تعالیٰ کے حضور ان کے تشکر وامتنان کا باعث بنا دیا۔

تعلیم اخلاق کے اسلامی اصول

دربار نبوت سے تعلیم اخلاق کے جو راہنما اصول جاری کئے گئے ہیں ان سے معلم اخلاق کی خصوصی صلاحیتوں اور اس کی کارکردگی کے اعلیٰ معیار کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ذیل کی سطور سے ظاہر ہے۔

ا۔ حکمت تعلیم:۔ ضروری ہے کہ تعلم وتعلیم میں حکمت وتدبر سے کام لیا جائے اور دانائی کے ساتھ متعلم کی ذہنی بساط، استعداد اور حالات کو سمجھ کر بات کی جائے۔ ہر طرح کے طالب علم کے لئے ایک ہی طریقہ مناسب نہیں ہوگا۔ بلکہ حکیمانہ طور پر پہلے

ذہن کی تشخیص کی جائے۔ اس کے بعد بڑی احتیاط سے تعلیمی مشن کا آغاز ہو۔ اور پھر دوران تعلیم بھی حکمت اور عمدہ نصیحت کو ہی بروئے کار لایا جائے۔ جیسا کہ فرمایا:

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة (۲۶)

اے نبی: اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیجئے۔

نیز نامناسب گفتگو اور کج بحثی کی بجائے شیریں طرز تکلم اور شریفانہ اخلاق سے کام لے کر ایسی بات کی جائے جو دل پر اثر کرے۔ اور نہایت معقول ہو۔ یہاں تک کہ اگر دشمن بھی سامنے ہو تو وہ معقول دلائل شائستہ زبان اور اعلیٰ اخلاق کے ذریعہ بہترین جانی اور جگری یار بن جائے۔ ارشاد ربانی ہے۔

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینه عدآوة کانه ولی حمیم (۲۷)

مدافعت ایسے انداز میں کیجئے جو بہترین ہو۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ وہی شخص جس کے اور آپ کے درمیان عداوت ہے۔ آپ کا گہرا قریبی دوست بن جائے گا۔

مسجد نبوی کا واقعہ:۔ ایک بدو نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا۔ صحابہ کرام دوڑے کہ اسے باز کریں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ٹھہرو، اسے مت روکو، اور پیشاب کرنے دو، وہ دیہاتی ہے۔ اسے آدابِ مسجد کا علم نہیں۔ بلکہ فرمایا۔ قربوا ولا تنفرو (۲۸) کہ قریب آنے دو اسے بھگاؤ نہیں۔ پھر جب وہ پیشاب کر چکا تو آپ نے بڑے پیار سے اسے بلایا۔ عزت سے بٹھایا۔ اور حکم دیا کہ بھوکا ہے اسے کھانا کھلاؤ۔ پیاسا ہے پانی پلاؤ، نئے کپڑے پہناؤ، زادِ سفر کے لئے پیسے بھی دو، اور سواری کے لئے اونٹنی بھی۔ اور جب عزت کیساتھ اسے روانہ کرنے لگے تو فرمایا:۔

ان هذه المساجد لا تصلح لشيء من القذر والبول و الخلاء (۲۹)
کہ دیکھو یہ مسجدیں گندگی، پیشاب اور پاخانے کے لئے نہیں ہیں، بلکہ نماز پڑھنے اور اللہ کا ذکر کرنے کے لئے ہیں۔

یہ تھا دربار نبوت کا حکمت بھرا طریقہ تعلیم جس نے اس بدو کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی۔ اس نے اپنے گاؤں پہنچ کر اعلان کیا کہ آؤ اس نبی کے پاس جو جرم کے بدلے سزا نہیں دیتا، جزا دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سر شام اپنے گاؤں کے تین سو افراد کے ہمراہ حضرت اقدس ﷺ کے پاس حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوا۔

نرمی اور تواضع کا کریمانہ اسلوب مبارک

تعلیم اخلاق کا دوسرا اصول نرمی اور تواضع کا کریمانہ طریقہ کار ہے جس کے تحت خود نبی اکرم ﷺ اپنے بیگانے سب کے ساتھ نرم دلی سے پیش آیا کرتے تھے۔ اور سب سے حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے۔ جیسا کہ شمائلِ ترمذی میں ہے۔

کان رسول الله ﷺ رقيق البشرة لطيف الظاهر و الباطن يعرف في وجهه غضبه و رضاه' (۳۰)

اے نبی ﷺ میرے بندوں سے فرما دیجئے کہ وہ زبان سے وہ بات نکالیں جو بہترین ہو۔ دراصل یہ شیطان ہے جو انسانوں کے درمیان فساد ڈلوانے کی کوشش کرتا ہے۔

یعنی یہ کہ مخالفین خواہ کیسی ہی ناگوار بات کیوں نہ کریں۔ مسلمانوں کو بہر حال نہ تو کوئی بات خلافِ حق زبان سے نکالنی چاہیے۔ اور نہ ہی غصے میں آپے سے باہر ہو کر بیہودگی کا جواب بیہودگی سے دینا چاہیے۔ بلکہ ٹھنڈے دل سے صرف وہی بات کہنی چاہیے جو نپی تلی ہو، اور حسن خلق پر مبنی ہو۔

حضور رسالت مآب ﷺ جب تبلیغ پر روانہ ہوتے تو ابولہب آپ کے پیچھے پیچھے چلتا آپ پر مٹی پھینکتا اور لوگوں سے کہتا کہ دیکھو اس شخص کے ہاتھوں اپنے دادا کا دین نہ چھوڑنا۔ لیکن آنحضرت ﷺ دعوت دین میں منہمک رہتے۔ اور ابولہب کی طرف ہر گز توجہ نہ کرتے۔ ادھر کفار مکہ کی بدتمیزی کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ کے گھر جا کر ہنڈیا میں گندگی ڈال دیتے۔ اور دروازے پر غلاظت بکھیر دیتے۔ اس پر بھی آپ ﷺ صرف اتنا کہہ کر چپ ہو جاتے کہ اے بنو عبد مناف! یہ کیسا پڑوس ہے؟

اسی واسطے معلمِ اخلاق کے لئے لازم ہے کہ وہ ہر ایک کے ساتھ نرمی اور تواضع کا سلوک کرے۔ اور طبیعت کو تحمل کا اس قدر خوگر بنائے کہ ناگوار باتوں کو بھی بے تکلفانہ ، فراخدلی کے ساتھ برداشت کرنے کا ملکہ پیدا کرے۔ بات بات پر الجھنا اور بدخوئی کرنا درست نہیں ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ

من یحرم الرفق ، یحرم الخیر (۳۲)

جو شخص نرمی سے محروم ہوا، وہ سب بھلائی سے محروم ہوا۔

نیز فرمایا کہ نرم خوئی ہر چیز کی آرائش کا باعث ہے۔ ایک اور مقام پر یوں فرمایا کہ بشر وا ولا تنفروا یسروا ولا تعسروا.

راحت کا پیغام دو، اجنبیت نہ پھیلاؤ، آسانی پیدا کرو تنگی نہ کرو۔

جناب رسالت مآب ﷺ جب گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو اللہ کے حضور میں دعا کرتے ، مجھے اس بات سے پناہ دے کہ میں کسی سے درشتی کروں یا کوئی اور شخص مجھ سے درشتی کرے۔

رئیس المنافقین کے ساتھ حسن سلوک

عبداللہ بن ابی بن سلول منافقوں کے سردار کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ

سخت عداوت تھی۔ اسلام کو زک پہنچانے میں اس نے زندگی بھر کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ لیکن نبی اکرم ﷺ ہمیشہ اس کے ساتھ تحمل اور بردباری سے پیش آتے تھے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر بہتان طرازی میں وہ شریک تھا۔ غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر انصار و مہاجرین کے درمیان وہی فتنہ کھڑا کرنے کی پوری کوشش کے باوجود ناکام رہا تھا۔ غزوہ احد میں تین سو آدمیوں کو میدان جنگ سے لے کر واپس ہوا۔ تاکہ مسلمانوں میں بددلی پھیل جائے۔ اور جنگ میں انہیں شکست کا سامنا ہو۔ اس کی خطرناک ریشہ دوانیوں کو دیکھ کر خود اس کے بیٹے نے جو مخلص مسلمان تھا نبی اکرم ﷺ سے درخواست کی تھی کہ اگر اجازت ہو تو باپ کا سر پیش کروں۔ لیکن آپ نے اس کے جواب میں اس کی ان سب بیہودگیوں کے باوجود اس سے نرمی برتنے اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے کہ:

ان اللہ تعالیٰ رفق یحب الرفق یعطی علی الرفق مالا یعطی علی العنف (۲۳)

بلاشبہ اللہ نرم خو ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے۔ اور نرمی برتنے پر وہ کچھ دیتا ہے۔ جو سختی پر عطا نہیں کرتا۔

آپ کی شفقت و رحمت کا عالم یہ تھا کہ رئیس المنافقین کی موت پر اس کی خلاف اسلام شرارتوں سے نقصان اٹھانے کے باوجود رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنا مبارک کرتہ کفن کے ساتھ پہنانے کے لئے اس کے بیٹے کو عطا کیا۔ اور اس کے لئے مغفرت کی دعا بھی فرمائی۔ اگرچہ فیصلہ ربانی یہ تھا کہ

فلن یغفر اللہ لھم (۲۴)

اسے اس کے کافرانہ اعمال کی بنا پر اللہ ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

پھر بھی آپ ﷺ کا جذبہ رحمت اس کی خطاؤں پر غالب رہا اور آپ مغفرت کی دعا کرتے رہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے: اتق اللہ حیث ما کنت واتبع السیئۃ الحسنۃ وخالق الناس بخلق حسن۔

کہ اللہ سے ڈرو جہاں کہیں بھی ہو۔ اور کسی برائی کے بعد بھی نیکی کرو۔ اور لوگوں سے اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔

کانٹے بچھانے والی بڑھیا کی عیادت

ایک بڑھیا آنحضرت ﷺ کے رستے میں کانٹے بچھایا کرتی تھی کہ روزانہ فجر کے وقت تاریکی میں آپ کے جسم مبارک کے ساتھ کانٹے الجھ جاتے، اور آپ زخمی ہو جاتے لیکن پھر بھی آپ صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے۔ ایک روز اتفاقاً رستہ کانٹوں سے صاف پا کر آپ کو بڑھیا کے بارے میں تشویش ہوئی۔ پتہ چلا کہ وہ بیمار ہے۔ کانٹے نہیں بچھا سکی۔ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ جب اس کی عیادت کے لئے اس کے گھر پہنچے تو بڑھیا نے سوچا کہ شاید سرزنش کرنے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، سزا دینے نہیں آیا ہوں بلکہ تیری عیادت کرنے اور تجھے دعا دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ جلدی شفایاب ہو اور پھر سے کانٹے بچھائے۔

جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

ادفع بالتی ھی احسن السیئۃ نحن اعلم بما یصفون (۳۵)

تم بدی کو اچھے طریقے سے دفع کرو۔ ہمیں معلوم ہے جو باتیں وہ تمہارے خلاف بناتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ برائی کا نیکی اور بھلائی سے دفاع کرنا۔ اور دشمن کے ساتھ خوش

خلقی سے پیش آنا۔ مسلمان کی ایک صفت ہے۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

ان اثقل شیء یوضع فی میزان المومن یوم القیامة خلق حسن

کہ بلا شبہ قیامت کیدن مومن کے نامہ اعمال میں سب سے زیادہ وزن والی شے خلق حسن ہی ہے۔

تعلیم اخلاق میں صبر کی اہمیت

تعلیم و تعلم میں استقلال اور صبر کا بڑا مقام ہے۔ اور خاص طور پر اس وقت جب کہ ایک طالب محنت شاقہ سے اپنے مقصد کے لئے کوشاں ہو، اور فوری طور پر اسے محنت کا کوئی ثمرہ دکھائی نہ دے۔ اسی لئے فرمایا کہ

ان اللہ مع الصابرین .

اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

صبر ہے تو بڑے کام کی چیز، لیکن اسے عملی جامہ پہنانا کوئی ہنسی کا کھیل نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑا دل گردہ چاہیے۔ یہاں بڑا عزم وحوصلہ، بڑی قوتِ برداشت اور ضبطِ نفس درکار ہے۔ یہ کام وہی کر سکتا ہے جو ٹھنڈے دل سے دین کی سربلندی کے لئے کام کرنے کا عزم رکھتا ہو، جو پوری طرح اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کر چکا ہو۔ اور معلمِ اخلاق بن کر دوسروں کو مکارمِ اخلاق کے زیور سے مزین کرنا چاہتا ہو۔ جس کے ذہن میں نیکی اور راستبازی اس طرح جڑ پکڑ چکی ہو کہ دنیا کا کوئی بھی لالچ اسے اپنے مشن سے باز نہ رکھ سکتا ہو۔ پھر اس طرح صبر وسکون کے ساتھ مقصد کے لئے برسر پیکار رہنا واقعی بہت بڑے درجے کی علامت ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وما یلقھا الا الذین صبروا وما یلقھا الا ذو حظ عظیم (۳۶)

کہ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں۔ اور یہ مقام

حاصل نہیں ہوتا مگر انہیں جو بڑے نصیبے والے ہیں۔

اور واقعی یہ مقام اولوالعزم من الرسل کا مقام ہے جو ہر کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ قانون فطرت ہے کہ بڑے ہی بلند مرتبے والے انسان اس صفت سے متصف ہوا کرتے ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کو یقیناً کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اور کوئی انہیں شکست نہیں دے سکتا۔ نیز اللہ کے ہاں بھی یہ اعلیٰ پایہ کے لوگ اجر و ثواب کے مستحق ہوتے ہیں۔ فرمایا:

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب (۳۷)

کہ صبر کرنے والوں ہی کو ان کا اجر بغیر شمار کے ملتا ہے۔

معلم اخلاق کا مخلصانہ کردار

معلم اخلاق کے عظیم کردار کے واسطے یہ بات بھی شرط لازم کی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ بے لوث اور مخلص ہو۔ اور ہر قدم پر ذاتی وجاہت اور دنیوی منقبت سے بے نیاز ہو کر حق کی راہ پر گامزن ہو۔ فرمان خداوندی ہے۔

قل لا اسئلکم علیه اجرا ان ھو الا ذکریٰ للعلمین.

اے نبی فرما دیجئے کہ میں اس پر تم سے کسی قسم کے اجر کا طالب علم نہیں ہوں۔
یہ تو تمام جہانوں کے واسطے نصیحت عامہ ہے۔

اسواسطے لازم ہے کہ ایک معلم اخلاق ایثار اور قربانی کے جذبہ کے تحت قومی تعمیر نو کے لئے اور اخلاقی قوتوں کو اجاگر کرنے کی خاطر بے لوث خدمت انجام دے۔ اور دنیوی منفعت کو پیش نظر رکھنے کی بجائے اپنے رب کے ہاں سے اجر و ثواب کا طلبگار ہو۔ فرمایا:

ان اجری الا علی اللہ وھو علی کل شیء شھید.

کہ میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے۔ اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

آنحضرت ﷺ خود دوسروں کے کام آ کر انتہائی خوشی محسوس فرماتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت خباب بن الارت کے گھر جا کر دودھ دوھیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا۔ اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا۔

مدینہ کی لونڈیاں بھی آپ کی خدمت میں آتیں اور کہتیں یا رسول اللہ! میرا یہ کام ہے آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور ان کا کام کر دیتے۔ اسی لئے فرمایا کہ بیوگان اور مسکینوں کی مدد میں کوشاں رہنے والا ایسا ہے جیسا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا یا رات بھر کا عبادت گزار اور دن بھر کا روزہ دار۔ یتیم کے بارے میں فرمایا کہ:

انا و كافل اليتيم هكذا في الجنة (۳۸)

میں اور یتیم کا کفیل جنت میں ایسے ہوں گے۔ پھر اپنی دونوں انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا۔

صحابہ کا جذبہ ایثار

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو اعلیٰ پایہ کے جن اخلاق حسنہ کی تعلیم دی تھی یہ اسی کا ثمر تھا۔ کہ صحابہ دوسروں کے لئے سراپا قربانی اور ایثار کے جذبہ سے سرشار تھے۔ اور مخلوق خدا کو فائدہ پہنچانے کی خاطر اپنی ہر متاع کو داؤ پر لگا دیتے تھے۔ جیسا کہ ایک صحابی نے رات اپنے مہمان کی خاطر بیوی بچوں کو بھوکا سلا دیا۔ اور چراغ گل کر کے سارا کھانا مہمان کو کھلا دیا۔ تو اس صحابی کی منقبت بیان کرتے ہوئے یہ آیت نازل ہوئی۔

ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة (۳۹)

اور یہ لوگ ترجیح دیتے ہیں اپنی ذات پر اگرچہ خود ان پر فاقہ ہی کیوں نہ ہو۔

ایسے ہی جنگ یرموک کے موقع پر جب ایک صحابی نے اپنے شدید زخمی چچا زاد

بھائی کو میدان جنگ میں پانی پیش کرنا چاہا۔ تو ان کے قریب ہی ایک قریب المرگ زخمی آہیں بھر رہا تھا۔ بھائی نے خود پانی پینے سے انکار کر دیا۔ اور پہلے اپنے دوسرے ساتھی کو پانی پلانے کی ہدایت فرمائی۔ یہ معزز صحابی جب اس زخمی کے پاس پہنچے، تو انہوں نے تیسرے کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ جب وہ تیسرے کو پانی پلانے کے لئے آگے بڑھے تو دیکھا کہ ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ دوسرے کے پاس آئے تو وہ بھی جان بحق ہو چکے تھے۔ ان کے پاس سے اپنے بھائی کی طرف لوٹے تو وہ بھی اللہ کے پیارے ہو چکے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (۴۰) ایثار کی ایسی مثالیں دنیا کی تاریخ میں کہاں ملتی ہیں۔ حسن خلق کا یہ منظر تو صرف دین اسلام میں ہی میسر آئے گا۔

تعلیم اخلاق کے ثمرات

ان حقائق پر مبنی تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں صلح و آشتی، امن و سلامتی، محبت و مودت، شفقت و رحمت، عدل و احسان اور عفو و درگذر کا ماحول جنم لیتا ہے۔ اور ایسا معاشرہ تشکیل پاتا ہے جس میں ہر فرد اطمینان اور سکون کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے۔ اور ہر ایک کو کشت وخون اور قتل و غارت گری سے نجات ملتی ہے۔ پھر ان بنیادوں پر جو سوسائٹی قائم ہوتی ہے۔ اس میں محاسن اعمال اور مکارم اخلاق کا فیشن رائج ہوتا ہے اور ہر کسی کے لئے اخلاقی اقدار کے حصول کے بعد اپنے آقا و مالک خالق کائنات کو راضی کرنا نہایت ہی آسان ہو جاتا ہے۔

حضور رسالت مآب ﷺ کے اسوہ حسنہ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ آپ نے عفو و درگذر اور عدل و احسان کے ذریعہ دشمنوں کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اور اخلاق کے ذریعہ غیروں کے دل میں گھر کر گئے۔

آنحضرت ﷺ کا سفر طائف

آنحضرت ﷺ تبلیغ کے لئے طائف تشریف لے گئے۔ تو وہاں کے سرداروں نے آپ سے نہ صرف گستاخانہ کلام کیا۔ بلکہ شہر کے اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ وہ آپ پر پتھر پھینکیں۔ جس کے نتیجہ میں آپ کے جسد مبارک سے خون جاری ہو گیا۔ یہاں تک کہ جوتے بھی خون سے بھر گئے۔ جب آپ شہر سے باہر تشریف لائے تو جبرائیل امین ملک الجبال کے ہمراہ آپکے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ حکم فرمادیں تو یہ پہاڑ طائف والوں پر گرادیں، لیکن آپ ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے کہ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون اور پھر فرمایا مجھے توقع ہے کہ ان کی اولادمیں سے اہل ایمان پیدا ہوں گے۔

کسی شاعر نے خوب کہا ہے:

بجرمِ عشق تو ام می کشند غوغائے　　تو نیز برسر بام آچہ خوش تماشائے

فتح مکہ پر عفو عام

انا فتحنا لک فتحا مبینا (۴۱) کی پیش گوئی کے مطابق جب حضور رسالت مآب ﷺ نے مکہ فتح کیا تو کوئی بھی مزاحمت کرنے والا مقابلے میں موجود نہ تھا۔ آپ شہر میں داخل ہوئے۔ آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ دو رکعت نماز ادا فرمائی اور بیت اللہ کے دروازہ کو ہاتھ سے پکڑ کر قریش کے مجمع سے یوں خطاب فرمایا کہ بولو تم کیا سوچتے ہو؟ اور میرے متعلق تمہارا گمان کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بھلائی کی بات سوچتے ہیں۔ اور آپ سے بھلائی کی امید کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ بردبار، حلیم ورحیم، عم زاد بھائی ہیں۔ اور قوت اقتدار آپ ہی کے پاس ہے۔ تو آپ ﷺ

نے ارشاد فرمایا کہ اچھا پھر میں وہی کچھ کہوں گا جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھوا رحم الراحمین (۴۲)

کہ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ اور تمہارے ذمہ کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تمہیں معاف فرما دے۔ کیونکہ وہ سب سے بڑھ کر رحم والا ہے۔

اس طرح آپ نے اپنے کھلے دشمنوں اور اپنے اوپر ستم ڈھانے والے ظالموں، میں سے ہر ایک کو معاف کر دیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ تمام مکہ والے فی الفور مسلمان ہو گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

ید خلون فی دین اللہ افواجا (۴۳)

کہ آویں گے اللہ کے دین میں جوق در جوق

غزوہ نجد میں بھی جب کافر ننگی تلوار لے کر آپ کے سر پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا من یعصمک منی یا محمد کہ اے محمد ﷺ آج مجھ سے تمہیں کون بچائے تا۔؟ تو آپ نے فرمایا اللہ جب جمال کے منہ سے جلال کا لفظ نکلا تو کافر پر ہیبت طاری ہو گئی۔ اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آپ نے اسی تلوار کو پکڑا، اور فرمایا کہ اب تو بول کہ تجھے مجھ سے کون بچائے گا۔؟ تو وہ کہنے لگا کہ میں آپ سے خیر چاہتا ہوں۔ بس اس پر ہی آپ نے اسے معاف فرما دیا۔ اور کچھ نہ کہا۔ اور طاقت واقتدار رکھتے ہوئے بھی معافی کو بدلہ لینے پر ترجیح دی۔

اسلام اخلاق کے زور سے پھیلا

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح طور پر ثبوت کو پہنچتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور آپ کے متبعین کے اخلاق حسنہ کا نتیجہ ہے کہ ہر دور میں اسلام نے ترقی کی اور

اکنافِ عالم میں پھیلا۔ مستشرقین کا یہ تاثر غلط ہے کہ تلوار اشاعت اسلام کا ذریعہ ہوئی۔ درحقیقت معاملہ اس کے برعکس ہے کہ جہاں کہیں کسی جاہل مسلمان حکمران نے ظلم وتشدد سے کام لیا۔ وہاں پر اسلام کی اشاعت متاثر ہوئی۔ اور جس جگہ دین کے سچے داعی اسلام مکارمِ اخلاق سے اپنی کوششوں کو بروکارلائے وہاں پر اسلام کو عظمت حاصل ہوئی۔ اس سلسلہ میں اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ جن کا فیض عام دین اسلام کے لئے بے شمار برکات کے حصول کا باعث ہوا۔ آج بھی یورپ، امریکہ اور افریقہ کے بے شمار لوگ اپنی پریشان حالی اور بے چینی سے تنگ آ کر اسلام کو ہی اپنی مشکلات کا حل سمجھتے ہیں۔ انشاء اللہ وہ دن دور نہیں ہے کہ دین اخلاقِ حسنہ کی وجہ سے ادیانِ عالم پر غالب آ کر کائنات انسانی کا واحد کامیاب دین ہوگا۔

ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ (۴۴)

کی آیت کریمہ میں اسی غلبہ اور عظمت کی طرف شارہ کیا گیا ہے۔

مراجع ومصادر

ا۔ سورۃ الانشراح : ۴
۲۔ سنن کبریٰ بیہقی
۳۔ سنن ابوداؤد و سنن نسائی
۴۔ سورۃ القلم : ۴
۵۔ بوستانِ سعدیؒ ص
۶۔ جامع ترمذی
۷۔ سورۃ آل عمران : ۸۱
۸۔ بوستانِ سعدی ص ۸،۹
۹۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم
۱۰۔ جامع ترمذی
۱۱۔ سورۃ المائدہ : ۳
۱۲۔ سورۃ المائدہ : ۲
۱۳۔ امام احمد، الوفاء ابن جوزی
۱۴۔ مسند احمد
۱۵۔ مسدسِ حالی
۱۷۔ سورۃ الاحزاب: ۲۱
۱۸۔ سورۃ التوبہ : ۱۲۸
۱۹۔ سورۃ آل عمران: ۱۵۹
۲۰۔ سورۃ الانبیاء : ۱۰۷
۲۱۔ صحیح مسلم، سنن کبریٰ بیہقی
۲۲۔ شمائل ترمذی
۲۳۔ صحیح مسلم
۲۴۔ معجم طبرانی
۲۵۔ سورۃ آلِ عمران: ۱۶۴
۲۶۔ سورۃ النحل : ۱۲۶
۲۷۔ سورۃ حم السجدہ: ۳۴
۲۸۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم
۲۹۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم
۳۰۔ شمائل ترمذی
۳۱۔ سورۃ بنی اسرائیل: ۵۳

١٦۔ سورۃ الاحزاب: ۴۵،۴۶
۳۲۔ صحیح مسلم
۳۳۔ صحیح مسلم
۳۴۔ سورۃ التوبہ : ۸۰
۳۵۔ سورۃ المومنون : ۹۶
۳۶۔ سورۃ حم السجدہ : ۳۵
۳۷۔ سورۃ الزمر : ۱۰
۳۸۔ صحیح بخاری
۳۹۔ سورۃ الحشر : ۹
۴۰۔ سورۃ البقرہ : ۱۵۶
۴۱۔ سورۃ الفتح : ۱
۴۲۔ سورۃ یوسف : ۹۲
۴۳۔ سورۃ النصر : ۲
۴۴۔ سورۃ الفتح : ۲۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى

ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت کو دینوی زندگی میں

الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ

تقسیم کر دیا ہے۔اور ان میں سے بعض کو بعض پر

بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا

درجات میں فوقیت دی ھے۔تا کہ اُن میں سے

سُخۡرِيًّا

ایک دُوسرے سے کام لے سکے۔

(الزخرف ۳۲)

کمالِ نظمِ معیشت

یہ ضروری ہے کہ دولت ذخیرہ بن کر چند ہاتھوں میں سمٹنے کی بجائے، معاشرے میں زیادہ سے زیادہ اور وسیع پیمانے پر گردش کرے۔ تاکہ امیر و غریب کا معاشی تفاوت جس حد تک بھی فطری طور پر ممکن ہو، کم ہوتا جائے۔ اس مقصد کی خاطر اسلام کا طریقِ کار یہ رہا ہے کہ سرمایا کے اوّلین دہانوں اور مآخذ پر کسی فردِ واحد یا جماعت کی اجارہ داری نہ ہونے پائے بلکہ معاشرہ کے ہر فرد کو اُن سے استفادہ کا مساوی حق حاصل ہو۔ کہ وُہ اپنے کسب و عمل کو بروئے کار لا کر آسانی کے ساتھ اِن سے فائدہ اٹھا سکے۔ کیونکہ یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ سرمایہ یا دولت کا چند ہاتھوں میں رُک جانا معاشرے کے فطری اور طبعی مزاج کے لیئے مضر ہے۔ اور یہ بدمزاجی بالآخر کسی بھی معاشرے کو تباہ و برباد کر سکتی ہے۔ کیونکہ جس طرح انسانی جسم میں دورانِ خون صحت اور تندرستی کی علامت ہے اور جسم کے کسی بھی حِصّہ میں خون کا رُک جانا یا منجمد ہو جانا ہلاکت کی دلیل ہے۔ اسی طرح گردشِ دولت بھی معاشرے کے جسم طبعی کے لیئے تندرستی اور تنومندی کا ذریعہ ہے۔ اس لیئے اگر سرمایہ کسی ایک مقام پر مرتکز ہو جائے۔ یا چند ہاتھوں میں رُک کر منجمد ہو جائے تو یقیناً اس سے معاشرہ موت کی گھناؤنی وادیوں میں جا گرتا ہے۔ اور اکثر بُحرانوں کا شکار ہو کر خون خرابے اور قتل و غارت گری کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ اِس بنا پر حضور اکرم ﷺ کے عطا کردہ نظمِ معیشت میں ارتکازِ دولت کو قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔

اعلیٰ ترین نسخہ کیمیا

ہمارے پیارے رسُول ﷺ نے دنیا والوں کو ایک ایسا ہمہ گیر جامع اور مکمّل ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے جو انسان کے تمام تر رُوحانی اور مادّی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔اور زندگی میں ہر کسی کی راہنمائی کر کے اسے دُنیا و آخرت کی کامرانیوں سے سرفراز فرماتا ہے۔اس لئے کہ انسان کو جسے خالقِ کائنات نے فطرتِ سلیمہ پر پیدا فرما کر رُوح و بدن کے حسین امتزاج سے معمُور فرمایا۔اور احسنِ تقویم کے سانچے میں ڈھال کر عالم میں اپنا نائب اور جانشین بننے کا اعزاز بخشا یقیناً ایک ایسے قانُونِ زندگی کی ضرورت ہے جو ہر لحاظ سے ہمہ صفت، ہمہ جہت مکمّل اور جامع ہو۔اور ہر شعبہ

زندگی میں انسان کی مکمّل طور پر رہنمائی کرنے کی صلاحیّت رکھتا ہو۔ کیونکہ آپ کی سیرت اپنی جگہ ہر لحاظ سے جامعیّت کا سراپا ہے۔ اور آپ کی لائی ہوئی کتاب تمام انسانوں کے واسطے زندگی کا اعلیٰ ترین نسخہء کیمیا۔

چنانچہ اس نسخہء کیمیا کے مطابق آپ کے لائے ہُوئے ضابطہء حیات میں جہاں پر ہر شعبہء زندگی کی رہنمائی کے ابدی اصُول موجُود ہیں، وہاں پر معیشت و معاش کے لیئے بھی ایک ایسا نظام قائم کر دیا گیا ہے جو دنیا و آخرت میں انسانوں کی کامیابی کی دلیل ہے۔ اور جس کی وجہ سے ایمان والوں کا ایک ایسا مثالی معاشرہ معرضِ وجود میں آتا ہے جو ہر لحاظ سے امن و عافیت کا گہوارہ اور انسانی عظمت اور شرافت کا مظہر ہے اس نظمِ معیشت کے انتظام انصرام کے لیئے اسوۃ نبوی ﷺ کی روشنی میں انسانوں کو علم وعمل کے ایسے جواہر پارے عطا ہُوئے ہیں۔ جن کی جہانوں میں مثال نہیں۔ کیونکہ اس نظم کے سارے اصُول وضوابط رب تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔ اور خالق کی بخشش و عطا کا نتیجہ ہیں۔

انسانی زندگی کا بنیادی مسئلہ

اس نظم کے پس منظر میں یہ بنیادی حقیقت بروئے کار ہے کہ اسلام میں انسانی زندگی کا اصل مسئلہ معیشت کی تعمیر اور معاش کا حصُول نہیں۔ بلکہ بنیادی مسئلہ درحقیقت آخرت کی فلاح اور معاد کی کامیابی ہے۔ جس کی خاطر انسان دنیا میں معاشی جدوجہد کرتا ہے۔ اور معیشت کی خاطر اپنی سعی وکوشش کو کام میں لاتا ہے۔ اس مسئلہ کے باعث دُنیوی زندگی میں جو کچھ اسے حاصل ہوتا ہے وہی اس کا نصب العین نہیں ہے۔ بلکہ حقیقی نصب العین وہ باقیاتِ صالحات ہیں جو وہ آخرت کے لیئے جمع کرتا اور آگے بھیجتا چلا جاتا ہے۔ یہ مقصد انسان کو صرف اُسی صُورت میں حاصل ہو سکتا

ہے۔ جب وہ خالق و مالک کے احکامات کے مطابق اور سیرتِ طیّبہ کے روشنی میں اپنے نظمِ معیشت کو ترتیب دے۔ اور پھر اس کے تحت کامیاب زندگی بسر کر کے فلاحِ دارین حاصل کر لے۔ قرآن نے اس بنیادی حقیقت کو یُوں بیان فرمایا ہے۔

وابتغ فیما اتاک اللہ الدّار الاخرۃ ولاتنس نصیبک من الدّنیا واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض.

جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر (معاد) کما لے۔ اور دُنیا سے اپنا حصّہ نہ بھول۔ اور بھلائی کر جیسے اللہ نے تجھ سے بھلائی کی۔ اور ملک میں خرابی کی راہ تلاش نہ کر۔

زندگی کی رہگذر کے مرحلے

چنانچہ ثابت ہُوا کہ قرآن کی نظر میں تمام وسائلِ معاش زندگی کی راہگذر کے مرحلے ہیں۔ انسان کی حقیقی منزل نہیں۔ جبکہ اس کی حقیقی منزل ان وسائل سے کہیں آگے ہے اور وہ عمل صالح اور آخرت کی کامیابی کا حصول ہے۔ جو انسان کی زندگی کا بنیادی مسئلہ اور اصل مقصد ہے۔ اور جسے دنیا کی معاشی شاہراہ گزرے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیئے جب تک وسائلِ معاش انسان کی اصلی منزل کے لیئے راہگذر کا کام دیں۔ وہ اللہ کا فضل اور وسیلہ خیر ہیں۔ اور جہاں انسان اسی راہگذر میں گم ہو کر اپنی اصلی منزل کو یکسر فراموش کر بیٹھے تو پھر یہی وسائل فتنہ سامان اور بلائے جان ہیں۔

اسی وجہ سے اسلامی معیشت اور دنیا کی مادّی معیشت میں بڑا فرق ہے۔ کیونکہ مادّی معیشت میں معاش انسان کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اور معاشی منفعت اس کی زندگی کا منتہائے مقصود۔ جہاں پر حضور اکرم ﷺ کے عطا کردہ نظمِ معیشت میں وسائل زندگی اپنی جگہ یقیناً ناگزیر سہی۔ لیکن انسان کی زندگی کا حقیقی مقصد مطمحِ نظر معاد کی فکر و تدبیر

ہے۔جیسا کہ آپ ﷺ زندگی بھر اکثر دُعا فرمایا کرتے تھے کہ:

ربّنا اٰتنا فی الدّنیا حسنة و فی الأخرة حسنة وّقنا عذاب النّار.

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما۔اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ فرما۔

مومن کے ایمان کی بہترین منزل

کیونکہ دونوں جہانوں کی خیر وخوبی کے حصُول پر ہی انجامِ کار دوزخ سے نجات ممکن ہوسکتی ہے۔اس لیئے کہ اگر دنیا میں حسنہ توفیق خیر کا نام ہے تو آخرت میں ثمرہ خیر کی دلیل ہے۔پھر دنیا وآخرت میں کامیابی مومن کے ایمان کی بہترین منزل ہے۔لہٰذا اس معنی کے اعتبار سے اللہ سبحانہ، کی ذاتِ گرامی انسانوں کے لیئے الٰہ المعاش بھی اور الٰہ المعاد بھی۔اس لیئے ہر انسان کو چاہیئے کہ الٰہ المعاش ہونے کے ساتھ جو ذات الٰہ المعاد بھی ہے اسی کی بارگاہ میں سر جھکائے۔اور کہے کہ اے مالک میری معاش بھی تعمیر فرمادے۔اور میری معاد بھی سنوار دے۔اور انجام کار ہر قسم کے دُکھ دَرد اور عذاب سے مجھے محفوظ فرما۔کیونکہ یہی چیز انسانی زندگی کا بنیادی مسئلہ ہے۔اور اسی میں کامیابی انسان کی حقیقی کامیابی ہے۔اسی بنا پر قرآن نے سیرتِ طیبہ کے تابع نظمِ معیشت اپنانے والوں کی یوں تعریف فرمائی ہے:

رجال لاتلهيهم تجارة و لا بيع عن ذكر الله و اقام الصّلوٰة .

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں خرید وفروخت اور تجارت خدا کو یاد رکھنے اور نماز قائم کرنے سے غافل نہیں کرسکتی۔

کیونکہ یہ لوگ کاروبارِ زندگی میں ہر طرح سے مشغول رہتے ہوئے بھی ہر حال میں اللہ کو یاد رکھتے ہیں۔اور تمام مصرُوفیاتِ زندگی میں بہرکیف اُسی کی رضاجوئی کے

طالب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فکرِ آخرت اور تصوّرِ معاد ان لوگوں کی معاشی سرگرمیوں پر حاوی اور غالب ہے۔ اور ان کے دل خدا کے خوف سے معمور ہیں۔ صحابہ کرام کے کاروباری منظر کو حضرت عبداللہ ابن مسعود یوں روایت کرتے ہیں۔

انّہَ رأی قوماً من اھل السّوق حیث نودی للصّلوٰۃ المکتوبۃ ترکوا بیا عتھم و نھضوا اِلی الصّلوٰۃ.

کہ آپ نے مدینہ کے ایک بازار والوں کو دیکھا کہ جونہی فرض نماز کی اذان ہوئی تو انہوں نے اپنے سودا سلف چھوڑ دیئے۔ اور نماز کی طرف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

معاشی جدوجہد کی اہمیّت

اس حقیقت کے باوصف کہ فکرِ معاد انسانی زندگی کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اس بات سے قطعاً انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام رہبانیت کا مخالف ہے اور انسان کی معاشی سرگرمیاں کو جائز، مستحسن بلکہ واجب اور ضروری قرار دیتا ہے۔ اور چونکہ انسان کی معاشی ترقی اس کی نگاہ میں پسندیدہ ہے۔ اس لیئے کسبِ حلال اس کے ہاں فریضۃ بعد الفریضۃ کے درجہ پر ہے۔ یعنی حلال کمائی کرنا نماز کے بعد سب بڑا مذہبی فریضہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے خود ایک صحابی کو جو خستہ حال اور پریشان تھا جب دیکھا تو پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ ہے۔ اس نے بتایا کہ دو درہم ہیں۔ آپ نے اس صحابی کو ان میں سے ایک درہم کی کلہاڑی خرید دی اور لکڑیاں کاٹنے پر مامور فرمایا۔ تا کہ کسبِ حلال سے وہ اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ پال سکے۔

قرآن پاک نے بھی پوری زمین کو انسان کے لیئے میدانِ عمل قرار دے کر اس میں معاش کے حصُول کے لیئے زیادہ سے زیادہ جدوجہد کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

ولقد مکنّا کم فی الارض وجعلنا لکم فیھا معایش۔

بیشک ہم ہی نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور اس میں تمہارے لیئے سامان معاش پیدا کیئے۔

حضور اکرم ﷺ کے ارشاد ذیل سے بھی اسلام میں معاشی جدوجہد کی اہمیّت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ: تم میں سے کسی کو زیب نہیں دیتا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے۔اور رزق کی تلاش نہ کرے۔اور یہ کہتا رہے کہ اللہ مجھے رزق عطا فرما۔

توکّل سعی وکوشش کے بغیر محمود نہیں

ایک روز رستے سے حضور اکرم ﷺ کا گزر ہوا تو کچھ لوگ جو وہاں بیٹھے تھے اُن سے پُوچھا کہ تم کون ہو؟ عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ہم سب متوکّل لوگ ہیں فرمایا نہیں تم متوکّل نہیں ہو، کیونکہ متوکّل وہ ہے جو معاش کے لیئے سعی وکوشش سے کام لے۔اور پھر نتائج اللہ پر چھوڑ دے۔تم تو متاکُل ہو یعنی بیٹھ کر کھانے والے۔

قرآن نے بھی ولا تنس نصیبک من الدّنیا کہ دنیا میں جو تمہارا حصہ ہے اسے بھول نہ جاؤ فرما کے انسان کو حصول معاش کے لیئے سعی وکوشش کرنے کی اہمیّت کا احساس دلایا۔محنت سے جی چُرا کے بھیک مانگنے والے کی مذمت فرمائی۔جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ: تمہارے لیئے کام کرنا بھتر ہے بہ نسبت اس کے کہ قیامت کے دن تم اپنے چہرے پر سوال کا داغ لیئے ہوئے آؤ۔

نیز فرمایا کہ: جو شخص دنیا کو جائز طریقے سے حاصل کرتا ہے تاکہ سوال سے بچے اور اہل وعیال کی کفالت کرے۔ہمسائے کی مدد کرے تو قیامت کے دن جب وہ اُٹھے گا تو اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح منوّر ہوگا۔

پھر فرمایا کہ: بعض گناہوں کا کفّارہ روزی کمانے میں مغموم اور متفکّر رہنے میں

ہیں۔ اِن آیات و احادیث کی روشنی میں اسلام میں محنت اور معاشی جدو جہد کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اسلام فکر، معاد کے ساتھ فکرِ معاش کو بھی زندگی کا لازمہ قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر انسانی زندگی کا پنپنا اور آگے بڑھنا ممکن نہیں۔

اسلام میں ارتکازِ دولت کی ممانعت

سیرتِ مقدسہ کی روشنی میں یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ کسی بھی معاشرے کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہاں دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کے رہ جائے یا اسے تجوریوں اور خزانوں میں یوں منجمد کر دیا جائے کہ نہ وہ حرکت کرے اور نہ ہی اسے استعمال میں لایا جا سکے۔ اسلام کے نزدیک چونکہ دولت چلتی پھرتی شے کا نام ہے۔ اس لیئے اسے زیادہ سے زیادہ حرکت کرنا چاہیئے۔ تاکہ معاشرہ کے افراد میں دولت کی منصفانہ اور عادلانہ تقسیم عمل میں آسکے۔ ارشادِ ربانی کہ:

كي لايكون دولة بين الاغنياء منكم.

تا کہ یہ دولت تم میں صرف مالداروں کے درمیان ہی دائر ہو کر نہ رہ جائے۔

اس واسطے یہ ضروری ہے کہ دولت ذخیرہ بن کے چند ہاتھوں میں سمٹنے کی بجائے معاشرے میں زیادہ سے زیادہ اور وسیع پیمانے پر گردش کرے۔ تا کہ امیر و غریب کا معاشی تفاوت جس حد تک بھی فطری طور پر ممکن ہو کم ہوتا جائے۔ اس مقصد کی خاطر اسلام کا طریقِ کار یہ رہا ہے کہ سرمایہ اوّلین دہانوں اور مآخذ پر کسی فردِ واحد یا جماعت کی اجارہ داری نہ ہونے پائے۔ بلکہ معاشرے کے ہر فرد کو اُن سے استفادے کا مساوی حق حاصل ہو۔ کہ وہ اپنے کسب وعمل کو بروئے کار لا کر آسانی کے ساتھ ان سے فائدہ اُٹھا سکے۔ کیونکہ یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ سرمایہ یا دولت کا چند

ہاتھوں میں رُک جانا معاشرے کے فطری اور طبعی مزاج کے لیئے مضر ہے۔اور یہ بد مزاجی بالآخر کسی بھی معاشرے کو تباہ و برباد کرسکتی ہے۔کیونکہ جس طرح انسانی جسم میں دورانِ خون صحت اور تندرستی کی علامت ہے۔اور جسم کے کسی بھی حِصّہ میں خون کا رُک جانا یا منجمد ہو جانا ہلاکت کی دلیل ہے۔اسی طرح گردشِ دولت بھی معاشرے کے جسمِ طبعی کے لیئے تندرستی اور تنومندی کا ذریعہ ہے۔اس لیئے اگر سرمایہ کسی ایک مقام پر مرتکز ہو جائے یا چند ہاتھوں میں رُک کر منجمد ہو جائے تو یقیناً اس سے معاشرہ موت کی گھناؤنی وادیوں میں جا گرتا ہے۔اور اکثر بحرانوں کا شکار ہوکر خون خرابے اور قتل و غارت گری کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

اس بنا پر حضور اکرم ﷺ کے عطا کردہ نظمِ معیشت میں ارتکازِ دولت کو قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔جیسا کہ آپ ﷺ کو خطاب کر کے قرآن کا ارشاد ہے کہ:

والذین یکنزون الذھب والفضّة ولا ینفقونھا فی سبیل الله فبشّرھم بعذابِ الیم.

اور جو لوگ خزانہ کرتے ہیں سونے اور چاندی کو اور اُن کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو اے نبیؐ اُن کو دردناک عذاب کی خوشخبری سُنا دیجیئے۔

یعنی یہ کہ جو لوگ دولت جمع کرتے ہیں۔چاہے حلال طریقہ سے ہی کیوں نہ ہو،اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں تو اُن کی سزا یہ ہے کہ انہیں ایسا دردناک عذاب ہوگا۔کہ انہی کی دولت کو آگ میں دہکا کر اُن کے جسموں کے مختلف حصّوں کو داغ دیا جائے گا۔تاکہ انہیں اس جرم کی شدّت کا احساس ہو۔اس واسطے سونے چاندی مال وزر اور سرمایہ کو منجمد کر کے اُسے حرکت نہ دینا اور خزانے بھرنا اسلامی معیشت میں انتہائی سنگین جُرم ہے جسے معاف نہیں کیا جا سکتا۔

سونے اور چاندی کی حکمتِ تخلیق

خالقِ کائنات نے ابتدائے آفرینش سے سونے اور چاندی کو نقدین بنا کر پیدا فرمایا جس بنا پر شروع سے ان کی حیثیت زرِ مبادلہ یا کرنسی کی ہے کہ جسے سرمایہ یا دولت کی اوّلین علامت خیال کیا جاتا ہے۔ اور ان دھاتوں کی حکمتِ تخلیق بھی یہی ہے۔ ورنہ بذاتِ خود یہ دونوں مقصود نہیں۔ اور نہ ہی انسانیت کے لیئے براہِ راست کوئی کارآمد شے جیسے کہ دوسری معدنیات یا نباتات وغیرہ ہیں۔ اس واسطے ان دونوں کو انسان کے کاروباری مقاصد کی خاطر جنس مبادلہ اور کرنسی کے طور پر پیدا فرمایا تا کہ چلتی پھرتی رہیں۔ اور متفاوت اشیاء کے باہمی تبادلہ میں ترازوئے عدل کا کام دیں۔ نیز یہ خرید وفروخت میں کسی وقت بھی مقصود بالذّات نہ بن سکیں بلکہ کاروبار کا وسیلہ اور ذریعہ بنیں۔ اسی بنا پر یہ دھاتیں صدیوں سے سکّوں میں ڈھلتی رہیں۔ اور کرنسی کے طور پر استعمال ہوئیں۔ کیونکہ انہی میں یہ کمال ہے کہ جس شخص کے پاس سونا، چاندی، روپیہ گنی وغیرہ مُوجود ہے اس کے پاس گویا ضرورت کی ہر شے موجود ہے۔ اور جس نسبت سے ان کا وجُود کہیں ہے اُسی نسبت سے وہ قومیں معاشی ضروریات کی کفالت کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اسی لئے ان کی حیثیت ذریعہ خرید وفروخت یا قیمت کی ہے اور اسی بنا پر ان کو خزانہ بنانا خطرناک ہے۔ بلکہ چاہیئے کہ انہیں معاشرے میں متحرّک اور دائر وسائر رکھا جائے تاکہ نظمِ معیشت میں کسی طرح کا خلل واقع ہونے نہ پائے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ:

"اللہ سبحانہ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ اس نے سونا چاندی جیسی دھاتیں پیدا کر کے درہم ودینا (یعنی کرنسی) کو وجود عطا کیا۔

اگر ان دھاتوں کی حقیقت پر غور کرو تو یہ معدنیات ہونے کی وجہ سے انسانی معیشت کی ضرورت کے لیئے بیکار ہیں۔ اور اگر ان کی منفعت پر غور کیا جائے تو ان پر دنیا کے معاشی نظام کا انحصار اور دارو مدار ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے اکتنازِ سیم وزر معاشرے کے لیئے موت کا پیغام ہے نیز آج کے دور میں جو حکم سونے چاندی کا ہے۔ وہی حکم روپے پیسے کرنسی اور زرمبادلہ کا ہے کہ ان سب کو لوگوں کے ہاتھوں میں چلتا پھرتا رہنا چاہئیے۔ تاکہ وہ مبادلہ اشیاء کے لیئے میزان عدل بنیں۔ نہ کہ سمٹ کر چند ہاتھوں میں مکتنز ہو جائیں۔ اور منجمد خزانہ بن کر رہ جائیں۔ اسی واسطے اسلام نے سونے اور چاندی کو جنس مبادلہ کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیئے استعمال کرنے سے منع فرمایا۔ کہ جس سے یہ دونوں دوسری اشیائے صرف کی مانند بذاتہ مقصود و مطلوب بن جائیں۔ اور ان کی حکمت تخلیق بری برح متاثر ہو۔

سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال

اسی حقیقت کے پیش نظر سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا۔ کیونکہ اس سے نقدین کی تخلیق کا مقصد ہی فوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور سونے و چاندی کے برتن استعمال کرنے والا بلا شبہ حکمت الٰہی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبویؐ ہے کہ:

من شرب في اٰنيةٍ من ذهبٍ اوفضةٍ فكانّما يجرّفي بطنه نار جهنّم

(جس نے سونے یا چاندی کے برتن میں کھایا پیا تو گویا کہ وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔

اسی مقصد کے پیشِ نظر اسلام میں تمام مکاتب فکر کے نزدیک سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال ہر مسلمان مرد و زن کے لیے حرام ہے۔ اور جو حکم برتنوں کا ہے۔ وہی حکم مردوں کے لیے زیورات کا ہے۔ جو کہ ان کے واسطے حرام قطعی ہیں۔

زیورات کے بارے میں منشاءِ نبوّت

عورتوں کے لیے زیورات کی اگرچہ ایک حد تک اجازت ہے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کے ارشاد مبارک سے منشاءِ نبوت یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں بھی اس کرنسی اور سرمائے کو اپنے گلے کا طوق یا ہاتھ پاؤں کی کڑیاں بیڑیاں نہ بنائیں کہ جس سے سرمائے کی گردش رُک کر رہ جائے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، فرمایا کہ:

"اے کاش میری اُمّت سونے کا زیور ہی نہ پہنتی"

یہ آپؐ کی مشہور حدیث ہے۔ ہمیں امّت کے لفظ سے مرد و زن دونوں کو یکساں بات کہی۔ اور امت کے لئے زیور استعمال نہ کرنے کی تمنا فرمائی۔ اس لیئے اگرچہ فقہاء نے قانونی طور پر زیوارات کی حرمت کو صرف مردوں تک محدود رکھا ہے۔ اور صراحۃً عورتوں کے لیئے زیور کو ممنوع نہیں کیا۔ تاہم سکہ اور کرنسی کے سوا جو چیزیں بھی سونے اور اچاندی سے بنائی جاتی ہیں۔ خواہ وہ زیور ہوں یا برتن یا کچھ اور ہوں۔ ان میں منشائے نبوّت کے مطابق ناپسندیدگی کا اظہار ضرور کیا گیا ہے۔ تا کہ اسلامی نظم معیشت میں ان کا رواج کم سے کم ہو۔ کیونکہ سونے اور چاندی کو زیورات کی صورت میں مقیدّ کرنا ملک کی دولت کو بیکار بنانا ہے۔ اور معاشیات میں سرمایہ کو بیکار رکھنا جرم عظیم ہے۔ اسی واسطے اسلامی نظم معیشت عطا کرنے والے رہبر اعظمؐ نے پہلے روز ہی حکم دے دیا کہ: "لوگو: سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھایا پیا نہ کرو۔"

آج بھی اگر ہ چاہیں تو سیرت مقدسہ کی روشنی میں اکتناز سیم وزر سے بچنے کی

مناسب تدابیر اختیار کی جاسکتی ہے۔ اور وہ سونا چاندی جو گردش کے بغیر ہمارے گھروں میں منوں کے حساب سے منجمد پڑا ہے۔ اس کو معیشت کے لیئے کارآمد بنایا جا سکتا ہے۔

سود ارتکاز دولت کا ذریعہ

اسی طرح سود بھی ہر زمانے اور ہر دور میں ارتکاز دولت کا اور سرمائے کے چند ہاتھوں میں رک جانے کا سب سے بڑا سبب رہا ہے۔ پرانے زمانے کے ساہوکار اور دور جدید کے بینکار سود ہی کے آلہ کار ہیں۔ اس واسطے قرآن نے اسے ہر شکل اور ہر حال میں حرام قرار دیا۔ سود مفرد ہو یا مرکب۔ ذاتی قرضوں پر لیا جائے یا تجارتی اور پیداواری قرضوں پر بہر صورت حرام ہے۔ یہاں تک کہ قرآن نے سود کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے مقابلہ میں کھلا اعلان جنگ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

یاایھاالذین امنوا اتقوا اللّٰہ وذروا مابقی من الرّبٰواِن کنتم مئومنین فان لّم تفعلوا فاء ذنوا بحرب من اللّٰہ ورسولہٖ

اے ایمان والو: اگر فی الواقع تم مومن ہو تو اللہ کی نافرمانی سے بچو، اور جس قدر سود کی رقم قرض داروں کے ذمہ باقی رہ گئی ہے۔ اُسے چھوڑ دو پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

سودی کاروبار ایک سنگین جرم

اس آیت سے صاف طور پر یہ بات سامنے آرہی ہے کہ اسلامی نظم معیشت میں سودی کاروبار سنگین جرم ہے کہ جس کی کوئی معافی نہیں۔ ویسے تو قرآن میں دیگر بہت سے ناپسندیدہ کاموں کی ممانعت ہوئی ہے۔ اور اُن کے لئے وعیدیں بھی آئی ہیں لیکن ایسا شدید اندازِ وعید کہیں بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ کہ کھلا اعلانِ جنگ ہو۔ جیسا کہ یہاں

ہے۔ اس لیئے معلوم ہوا کہ سود کو قرآن ہرگز برداشت نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے دور میں اس کا سدِ باب کرنے کی پوری کوشش فرمائی۔ جیسا کہ نصاریٰ نجران سے جو معاہدہ ہوا۔ اس میں ایک کھلی شق یہ بھی تھی کہ اگر تم سودی کاروبار کرو گے تو معاہدہ ختم ہو جائے گا ایسے ہی طائف کے لوگوں سے جو دولتمند ساہوکار تھے جن شرائط پر آپؐ نے مصالحت فرمائی۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ لوگ سودی کاروبار بند کر دیں۔ اسی واسطے آپؐ کا ارشاد ہے کہ:

"سود لینے والا اس کی دستاویز لکھنے والا اور اس پر گواہی دینے والا۔ سب پر اللہ کی لعنت ہو۔"

سرمایہ داری کی بیخ کنی

ان سب اقدامات کا منشاء صرف یہ نہ تھا کہ سود کی ایک خاص قسم یعنی مہاجنی سود کو ہی بند کیا جائے۔ اور اس کے سوا ہر قسم کے سود کا دروازہ کھلا رکھا جائے۔ بلکہ اس سنگین الٹی میٹم کا اصل مقصد یہ تھا کہ سرمایہ دارانہ ذہنیت اور سرمایہ دارانہ نظم معیشت کی کُلی طور پر بیخ کنی کر کے اس کی بجائے ایک ایسے نظام کی طرح ڈال دی جائے جس میں بے دینی کی بجائے دینداری، اور الحاد کی بجائے ایمان اور توکل کا جذبہ کارگر ہو، بخل مٹ جائے اور فیاضی آئے۔ خود غرضی اور لالچ کی بجائے معاشرہ میں ہمدردی اور امداد باہمی کی فضا پیدا ہو۔ پھر اس طرح ایک ایسا نظم معیشت بپا ہو۔ جس میں سود کی جگہ صدقات لے لیں اور بنک کی جگہ بیت المال کا قیام عمل میں آئے۔ نیز ہر قسم کا سود ختم ہو کر رہ جائے۔ چاہے یہ ذاتی ضرورت کے قرضوں کا سود ہو یا نفع آور کاروبار میں لگائے جانے والے قرضوں کا یا اُس قرض کا جو حکومت شہریوں سے لیتی ہے۔ یا حکومتیں مختلف ممالک کے کنسورشیم سے حاصل کرتی ہیں۔ وہ دانشور کس قدر سادہ لوح

ہیں جو سود کے بارے میں قرآن اور نبوت کے اس سخت، اور شدید لب ولہجہ کی موجودگی میں بھی تجارتی اور کاروباری سود کو سود نہیں سمجھتے۔ اور لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ یہ منافع ہے سود نہیں ہے۔ یہاں تک کہ کئی بڑے بڑے مفکر اس بازار سیم وزر میں بھٹک کر رہ گئے۔ اور جسارت کر کے سود کے جواز کی خطرناک پگڈنڈی پر چل نکلے۔

حالانکہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے، کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو سیرت مقدسہ کے معمولات کے سامنے مشتبہات سے بھی دامن بچارہے ہیں۔ اور ادھر ہم ہیں کہ کھلے حرام سے بھی محفوظ رہنا نہیں چاہتے۔ تاہم صاحبانِ فکر ونظر اور علماء حق کی بھاری اکثریت کے نزدیک اسلام میں سود کسی درجہ بھی گوارا نہیں۔ چاہے اقتصادی احوال وظروف میں کتنے ہی تغیرات رونما کیوں نہ ہو جائیں۔ ان کے خیال میں سود کی ساری انواع ہر حال میں قطعاً حرام ہیں۔

معاد ومعاش کا عملی نظام

اس واسطے ہمیں چاہیئے کہ اسلام کے اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر موجودہ مالیاتی قوانین کی تطبیق کا کام اس طرح سرانجام دیں کہ حرمت سود کا قرآنی فکر مکمل طرو پر عملاً نافذ ہو جائے کیونکہ اسلام کا معاشی نظام کوئی راہبانہ نظام نہیں کہ اس میں دنیا کے تمام اموال وظروف کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ یہ نظام دین

وسیاست اور معاد ومعاش کا عملی نظام ہے کہ یہاں ہر شعبۂ زندگی کے لیے مکمل ضابطہ ہائے کار پوری طرح میسر آتے ہیں۔

لیکن اتنا ضرور ہے کہ قوانین کی تطبیق کا کام اس دور میں انفرادی سطح پر یا صرف ایک اسلامی ملک کی حد تک ممکن نہیں۔ بلکہ اس کے لیے اجتماعی اور بین الملکی سعی و

کوشش درکار ہے۔ چاہیئے کہ اسلامی دنیا کے اور پوری اُمتِ مسلمہ کے اسلامی علوم سیاسیات اور اقتصادیات کے قدیم وجدید ماہرین اعلیٰ سطح پر باہم سر جوڑ کر بیٹھیں۔ جبکہ انہیں تمام اسلامی حکومتوں کی سرپرستی بھی حاصل ہو۔

اور وہ اس مسئلہ پر غور وفکر کر کے اس کا شافی ووانی حل تلاش کریں۔ اس مقصد کے لیے صرف ایسے مسلمان افراد کا انتخاب ہو جو قدیم وجدید علوم کی مہارت کے ساتھ ورع وتقویٰ کی وہ قوت بھی رکھتے ہوں جس سے حق وباطل میں امتیاز کیا جاسکتا ہو۔ اور انسان ہوائے نفس کی اتباع سے محفوظ ہو۔

سود قومی انحطاط تنزّل کا ذریعہ

قرآن نے یہ کہہ کر "یمحق اللہ الرّبٰوا یُربی الصّدقٰت "اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ دراصل یہ بات بتائی ہے کہ سود ترقی کا نہیں بلکہ تنزّل اور انحطار کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ سود کے مال میں برکت نہیں ہوتی۔ بلکہ سود اصل سرمایہ کو بھی خراب کر دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے۔ "سود کا مال جتنا بھی بڑھ جائے انجام اس کا افلاس ہے اور خیرات سے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اللہ برکت ڈالتا ہے۔ نیز اس کا اجر وثواب بڑھتا ہے۔"

دیگر احادیث میں ہے کہ:

"آخرت میں اس بات کا مکمل مشاہدہ کیا جاسکے گا کہ سود میں برکت اور خیریت برائے نام بھی نہ ہوگی۔ اور صدقات وخیرات کا اجر بے حد وحساب ہوگا"۔

سود خوار قوموں کا انجام

چنانچہ تاریخ عالم گواہ ہے کہ سود خوار قوموں کا انجام بار ہا ان کی خونریزی اور قتل عام پر ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے افراد سود خواری کی عادت کو اس طرح محبوب بنا لیتے

ہیں۔ کہ روپیہ کی محبت ان کے دل میں گھر کر جاتی ہے۔ اور وہ ہر وقت اس کے جمع کرنے اور بڑھانے کے چکر میں یوں پھنستے ہیں کہ یہی روپیہ ان کے لیے عذاب جان بن جاتا ہے۔ اس لیے سود خوار دولت سے دنیوی لطف بھی نہیں اٹھا سکتا۔

اجتماعی تحفظ کا احساس

اس کے برعکس صدقات و خیرات کی برکتیں غمخواری مواسات، ہمدردی اور معاونت کے ذریعہ قوم کو اور اس کے ہر فرد کو طمانینت اور سکون کی نعمت سے مالا مال کرتی ہیں۔ آیت بالا میں سود اور صدقہ کا تقابلی مطالعہ کرا کے قرآن نے اس حقیقت سے نقاب کشائی کی ہے۔ کہ سود اگرچہ شخصی دولت میں اضافہ کا باعث ہے لیکن قومی سرمائے کو تباہ و برباد کر دیتا ہے جس سے نہ صرف پورا معاشرہ افلاس کا شکار ہو جاتا ہے۔ بلکہ خود وہ شخص بھی کسی طرح محفوظ نہیں رہتا۔ اس کے برخلاف صدقہ و خیرات سے قوم کے نہ کمانے والے غریب و نادار افراد کی امداد ہوتی ہے۔ اور ان میں اجتماعی تحفظ کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

عبرتناک المیہ کی جاگتی تصویر

نیز یہ بات بھی واضح ہے کہ سود خوار اپنے مال کے اضافہ اور ترقی کی حرص میں اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ سود کی جس تلوار سے وہ دوسرے کو قتل کر دیتا ہے۔ اور بالآخر اس کے تمام سرمایہ اور منافع پر قبضہ جمالیتا ہے پھر اسی تلوار سے وہ خود گھائل ہو جاتا ہے۔ لیکن صدقہ و خیرات دینے والا جو دوسروں کا مال نہیں لوٹتا بلکہ خود دوسروں پر خرچ کرتا ہے۔ اور سلامت روی کے ساتھ اپنے کاروبار کو چلاتا ہے۔ اس کو کوئی دوسرا بھی لوٹنے نہیں پاتا۔ چنانچہ دنیا کے بڑے بڑے شہروں کی منڈیاں اور سٹاک ایکس چینج اس

عبرتناک المیہ کی جاگتی تصویر ہیں۔ اس لیے کہ سود خوار کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ دوسروں کی مدد کا فرض ادا کرے۔ وہ تو ہر آن اس تاک میں رہتا ہے کہ دوسرے مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔ اور وہ اُن کے مصائب سے پورا فائدہ اٹھائے۔ دوسری طرف جو صدقہ دینے والے اور مال خرچ کرنے والے ہیں۔ وہ ہمیشہ قابل ہمدردی افراد کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنے مال و دولت سے اس کی مدد کریں۔ اور اس کے زخم دل پر مرہم لگائیں۔

اس واسطے اسلام میں سود کی ممانعت صرف اخلاقی بنیادوں پر ہی نہیں ہے بلکہ اس کے خطرناک اقتصادی، سماجی اور سیاسی مضمرات کی بنا پر بھی ہے۔ سود نے متعدد قدیم معاشروں کو برباد کیا۔ اور آج بھی جدید سرمایہ وارانہ معاشرہ سود کی بنا پر ہی بحرانوں کا شکار ہے۔ اس واسطے اسلام ہر قسم کے سود کو حرام قرار دیتا ہے۔ جو قارض مقروض سے لیتا ہے۔ چاہے وہ قرض استہلاک کا سود ہو یا قرض انتاج کا، دونوں اسلامی معیشت میں یکساں طور پر مسترد ہیں۔

قرضوں کی معیشت بربادی کی علامت

پھر دور حاضر میں ترقی یافتہ ممالک غریب اور پس ماندہ اقوام کو ایڈ کے نام پر ایسا پھنسا دیتے ہیں کہ ایک طرف انہیں سود کے سرطان میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف ان کے قدرتی وسائل کا پورا پورا استحصال کر کے انہیں اتنا کمزور کر دیا جاتا ہے کہ پھر وہ ہر لحاظ سے غیر فطری غلامی میں مبتلا ہو کر خود اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے اور باہمی منافرت جنگ وجدل اور بدامنی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ انہیں ترقی کے سراب میں دھکیل کر ناتوان اور نادار بنا دیا جاتا ہے۔ وہ قرضوں پر قرضے حاصل کرتے چلے جائیں لیکن انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہو۔ پھر غربت مٹانے کے نام پر غریب کو خودکشیاں

کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اور اس طرح قوموں کی اجتماعی بربادی اور تباہی کا منظر عام ہوا اسلام میں قرضوں کی معیشت کو یکسر مسترد کر دیا۔ اور قرض والے معاملات سے اجتناب کرنے کی تلقین فرمائی۔

جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

اتقوا الدين هو هم بالليل و مذ لة بالنهار .

قرضوں سے بچو اس لئے کہ وہ رات کا غم ہیں اور دن کی رسوائی ہے۔

اس طرح آپ ﷺ نے قرضوں کی معیشت تشکیل دینے کی بجائے اپنی مدد آپ کے اصول کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور اپنے پیروکاروں کو خود اپنی توانائیاں

بروئے کار لا کر اور خدا داد صلاحیتوں کے ذریعے اپنی دشواریوں اور مشکلات کو سر کرنے کی تربیت دی جو کہ خالق نے فطری طور پر انسان کو ودیعت کر رکھی ہیں۔

اپنی مدد آپ کی نبوی حکمت عملی

اسواسطے اسلامی نظم معیشت میں حضور سرور کائنات ﷺ نے سودکاری اور قرض داری کی بجائے اپنی مدد آپ کی حکمت عملی کو نافذ فرمایا جس کے ثبوت میں حدیثوں میں ایک مشہور واقعہ کا ذکر آتا ہے۔ کہ ایک صاحب آنحضور ﷺ کے پاس آئے اور کچھ امداد کے طالب ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو نہ خود اپنے پاس سے کچھ دینے کی کوشش کی اور نہ دوسروں سے دلوایا بلکہ ضرورتمند صاحب سے فرمایا کہ آخر تمھارے پاس کوئی چیز بھی ہے۔؟ وہ بچارے اتنے غریب اور نادار تھے کہ جواب میں انھوں نے عرض کیا۔ میرے پاس صرف ایک ٹاٹ ہے جس کے ایک حصہ کو میں اوڑھتا ہوں اور دوسرے کو بچھاتا ہوں اور اس کے سوا ایک پیالا بھی ہے جس میں پانی پیتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ افلاس اور ناداری کی یہ انتہا تھی۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جواب پر فرمایا کہ جاؤ

اسی پیالے اور ٹاٹ کو لے آؤ۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے دست مبارک میں اُس غریب حاجت مند کا ٹاٹ اور پیالہ ہے۔ اور وہ ٹھیک جیسے ہراج نیلام کرنے والا پکارتا ہے پکار رہے ہیں۔

من یشتری ھذین

ان دونوں کو کون مول لیتا ہے۔

کی صدا کانوں میں اسی دہن اطہر سے آرہی تھی۔ جو قیامت تک پیدا ہونے والی نسل آدم کو بان لھم الجنة کی بشارت سنا رہا تھا۔ ایک صاحب نے کہا

انا اخذھما بدرھم

میں لیتا ہوں ایک درہم میں۔

نیلام کرنے والے ﷺ نے پھر حاضرین کو مخاطب کر کے۔

من یزید علی درھم

ایک درہم پر کون اضافہ کرتا ہے۔

کے فقرے کے ساتھ قیمت کے اضافہ پر توجہ دلائی، بالآخر دو درہم پر بولی ختم ہوگئی۔ خریدار کو ٹاٹ اور پیالہ دے دیا گیا اور دو درہم جو قیمت میں وصول ہوئے تھے۔ حاجتمند کے حوالے کر کے ارشاد ہوا۔

اشتر ھد اطعاما فانبذہ الیٰ اھلک واشتر بالآخر قدوما فاتنی بہ.

مول لینا اس سے اناج پھر اسے تو اپنے گھر والوں کے پاس ڈال دیجو۔ اور اس درہم سے ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ۔

حضرت انسؓ جو روایت کے راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ حاجت مند انصاری نے یہی کیا اور کلہاڑی خرید کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کی، سب دیکھ رہے

تھے کہ آپ ﷺ نے ڈھونکی میں ایک لکڑی اپنے دست مبارک سے ٹھونک کر کلہاڑی حاجت مند کے حوالے کی۔ اور اس کے بعد فرمایا۔

اذھب وبع ولا ارینک خمسة عشر یوما.

جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کاٹ کر لاؤ اور انہیں بیچو، اور پندرہ دن تک ملاقات نہ کرنا۔ وہ چلا گیا اور پھر پندرہ دن بعد جب خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ سے کہہ رہا تھا کہ حضور ان پندرہ دنوں میں دس درہم آمدنی ہوئی۔ جس میں سے چند درہم کے تو کپڑے خریدے اور چند درہم کا طعام (غلہ) مول لیا۔ مفلس کے افلاس کا ازالہ جس کے مبارک چہرہ کو کندن کی طرح چمکا رہا تھا جس کی یہ رپورٹ سن کر فرمانے لگے۔

ھذا خیر لک من ان تجیء والمسئلة نکتة فی وجھک یوم القیٰمة. (مجمع الفوائد بحوالہ ابوداؤد و ترمذی)

یہ بھلا ہے تمہارے لئے اس بات سے کہ تم آؤ اس حال میں قیامت کے دن کہ بھیک (سوال) داغ بنا ہوا ہو تمہارے چہرہ میں۔

جن ذاتی دلچسپیوں کے ساتھ حصول معاش کی سوئی ہوئی قوتوں کو بیدار کرنے کا نمونہ اس اسوۂ حسنہ نبویہ میں مل رہا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ کی نگاہ میں اس کی کتنی اہمیت تھی۔ کہ انہوں نے ہر فرد کو خود اپنے ذرائع سے پنپنے اور ترقی کرنے کی راہ دکھائی۔ حاصل اس کا وہی ہے کہ حتی الوسع اسلام نہیں چاہتا ہے کہ جماعت کا کوئی فرد اپنی توانائیوں کو بیکار ضائع کر کے دوسروں کی اکتسابی قوتوں سے ناجائز نفع اٹھائے۔

اسکے برخلاف آج ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی ضروریات کی کفالت کے لئے کوئی قرضہ سکیم جاری کیجاتی ہے۔ اور حاجتمندوں اور ناداروں کو دوسروں کا

دست نگر بنا کر معاشی بربادی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنی توانائیوں کو اجاگر کرنے اور قدرت کی عطا کردہ اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کی بجائے سودکاری کے چکر میں پھنس جاتا ہے۔ جو اس کیلئے راتوں کا غم اور دنوں کی رسوائی اور ذلت کا باعث ہوتا ہے۔ صد افسوس کہ اسوۂ حسنہ کے تحت نظم معیشت کی اعلیٰ اقدار کو ہم نے آج تک نہیں اپنایا کہ خود انحصاری حاصل کرنے کی خاطر اپنی مدد آپ کے تحت انسانی وسائل کو یکجا مرتکز کر کے بروئے کار لایا جاتا کہ آج ہمیں کشکول پکڑ کر غیروں سے بھیک نہ مانگنا پڑتی بلکہ حضور سرور کائنات ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں حاجت مند کو اپنی مدد آپ سے اپنی حاجات پوری کرنے کی تلقین کی جاتی جیسا کہ فرمایا کہ اے سائل تمہارے لئے یہ بہتر ہے کہ تو خود اپنی محنت سے کمائے اس لئے کہ قیامت کے دن تم اس حال میں آؤ کہ بھیک مانگنے کا داغ تمہارے چہرے پر نمایاں ہو۔

حیرت ہے کہ آج ہمارے ارباب بست وکشاد نے ہمیں قرضوں کی معیشت میں جکڑ کر ہمارے روشن چہروں کو تاریک اور داغدار کر دیا ہے۔ اور ہمیں بھکاریوں کی قوم بنا کر رکھدیا ہے۔ کہ آج ہم بھوک اور افلاس میں ڈوب کر بھی مجرموں کی مانند زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔

آفاقی سطح پر یکساں کرنسی کی تجویز

موجودہ دور میں مالیات کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر عالم اسلام میں ایک مشترکہ سکہ رائج کرنے کی تجویز یقیناً امت مسلمہ کے بے شمار عالمی مسائل کا خاطر خواہ حل ہے۔ جس کے لیے ماہرین معاشیات کو بجاطور پر فکر ونظر سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ اسلامی نظم معیشت کو ہر سطح پر بآسانی قائم کرنے کی راہ ہموار ہوگی۔ اور اسوۂ حسنہ کے مطابق نظام معیشت کا قیام عمل میں آسکے گا۔

یکساں کرنسی کا اجراء صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ بین الاقوامی طور پر تمام حکومتیں اپنے اپنے سکوں کو سونے اور چاندی کے معیار پر یکساں کر دیں۔ جس طرح ہفتہ کے دن تمام ممالک میں یکساں ہیں۔ اسی طرح کرنسی کو بھی تمام ممالک میں برابر کر دیا جائے۔ جیسا کہ حضورؐ اکرم کا ارشاد ہے کہ:

"سونے کا مبادلہ سونے سے اور چاندی کا چاندی سے برابر ہو۔"

اسلام سے پہلے بارٹر سسٹم

عرب میں اسلام سے پہلے بارٹر سسٹم یعنی جنس کو جنس کے بدلے خریدنے کا رواج تھا۔ جسے فقہا کی اصطلاح میں مقائضہ کہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے معیشت کی اصلاح کی خاطر اُسکے رواج کو کم کیا اور جنس سے بدلنے کی بجائے جنس کو قیمت سے خریدنے کا دستور قائم کیا۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا۔" کھجور ادنیٰ ہو اس کی قیمت سے اچھی کھجور خریدو"۔

مقصد یہ تھا کہ مارکیٹ میں کوئی شخص مجبوری کے تحت یا دھوکے سے اعلیٰ کو ادنیٰ کے عوض نہ بیچے۔ اور خریدے اور نہ ہی کسی کا استحصال ہو۔

کرنسی کا یکساں ایکس چینج ریٹ

اس واسطے ضروری ہے کہ بین الاقوامی سطح پر کوئی ایسا اساسی اور بنیادی سکہ ایجاد ہو جس پر تمام مسلمان حکومتیں متحد ہو کر یوں عمل پیرا ہو جائیں کہ مختلف اشیا کی قیمتوں کا باہمی توازن قائم رہ سکے۔ اور کرنسی کا ایکس چینج ریٹ مال کے تبادلہ کے واسطے یکساں ہو۔ مالیات کے اسی آفاقی اور بین الملی ضابطہ کار کے لیے حضورؐ اکرم کی یہ حدیث یقیناً بے مثال اہمیت کی حامل ہے جس کا ترجمہ اُوپر لکھ دیا گیا ہے۔

"الذّھب بالذّھب و الفضّة بالفضّة سواءً بسواءٍ مثلاً بمثلٍ"

آپؐ کے ارشاد کے مطابق کرنسی میں یکسانیت قائم کر کے سرمایہ دار ملکوں کے کنسوریم اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کی اجارہ داریاں ختم ہوسکتی ہیں جن کے تحت وہ غریب ملکوں کو ایڈ دینے سے پہلے کرنسی کے ایکس چینج ریٹ کا تعین سراسر اپنی مرضی پر کرتے ہیں اور غریب ملکوں سے مال کی خرید کا ریٹ کم از کم ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس قسم کی ایڈ اور قرضوں کی وجہ سے سرمایہ دار قومیں غریب اقوام کو مدد دینے کے بہانے سود در سود کے چکر میں اس قدر سختی سے پھنسا دیتی ہیں کہ زندگی بھر ان بیچاروں کے لیے اس دام سے نکلنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہ سرمایہ دار قومیں وہی تو ہیں جن کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے:

"ویل للمطففین الذین اِذااکتا لو اعلی الناس یستوفون و اذا کالو ھم اووزنو ھم یخسرون"

دردناک عذاب ہے ان ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے جو لینے کے وقت پورا پورا وصول کریں اور جب اُنھیں دینا ہو تو کمی کر جائیں۔ قرآن کا یہ ارشاد ہر سطح پر قانون بن کر نافذ ہوتا ہے اس لیے ایک فرد سے لے کر معاشرہ اور قوم تک اور ایک قوم سے لے کر اقوام عالم کے متحدہ فورم تک تمام مقامات پر ایسی کمی زیادتی کا مرتکب ہونے والا اللہ کے غضب کو دعوت دے رہا ہے۔

دولت کی منصفانہ تقسیم

حضورؐ اکرم نے اپنے بے مثال اسوۂ حسنہ اور ابدی تعلیمات سے معاشرے کو تقسیم دولت کا ایک ایسا فطری اور قابل عمل نظام عطا فرمایا ہے۔ کہ جس کے تحت ہر شخص اپنے کسب و عمل سے اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر معاشرے میں اپنا جائز

مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے چنانچہ قرآن نے اس مقصد کی خاطر معاشرے کے مختلف طبقات کی درجہ بندی فرمادی۔ اور عدل اجتماعی کے عالمگیر اصول وضوابط متعین فرمائے تاکہ استحقاق کی بنیاد پر دولت کی منصفانہ تقسیم ہو۔ اور عادلانہ نظم معیشت کا قیام عمل میں آسکے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے۔

"نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحيوٰة الدّنيا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات ليتخذ بعضهم لبعضا سُخريا "

ہم نے اُنکے درمیان ان کی معیشت کو دنیوی زندگی میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور ان میں بعض کو بعض پر درجات میں فوقیت دی ہے تاکہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لے سکے۔

اجتماعی عدل اور سماجی انصاف

اس تقسیم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا میں ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جو ہر لحاظ سے فطری اور قابل عمل ہو۔ اور جس میں ہر انسان جبر و تشدد کے بغیر قدرتی طور پر اپنی استعداد اور اختیار کے ساتھ دوسر ں کی خدمت کر سکے۔ اور دوسرے بھی اُس کی خدمات سے پوری طرح مستفید ہوں۔ چنانچہ اسی معیار کے مطابق معاشرتی درجہ بندی کا اہتمام کیا گیا۔ تاکہ ہر کوئی اپنی صلاحیت اور قابلیت کو بروئے کار لا سکے۔ اور دولت کی منصفانہ تقسیم اس طرح عمل میں آئے کہ کسی ایک کے ساتھ بھی ظلم اور ناانصافی کا امکان نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے معیشت کو برابری اور مساوات کی بنیاد پر نہیں بلکہ اجتماعی عدل اور سماجی انصاف کی بنیاد پر استوار فرمایا ہے۔

اسلام کا تصوّرِ ملکیّت

اس اجتماعی عدل اور سماجی انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس اصول کو معیشت کی اساس قرار دیا جائے کہ دولت خواہ کسی شکل میں بھی ہو، اللہ ہی کی پیدا کردہ اور اصلاً اسی کی ملکیت ہے۔ انسان کو کسی چیز پر ملکیت کا جو حق ملتا ہے۔ ایک محافظ اور کسٹوڈین ہونے کی حیثیت سے ایک مناسب مدّت تک کے لیے اصلی مالک کی بخشش وعطا کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا کہ:

"وآتو ھم من مال اللّٰہ الّذی اٰتا کم "

اور انہیں اللہ کے اس مال میں سے دو جو اُس نے تم کو عطا کیا ہے۔

گویا کہ مال کے اصلی مالک نے تھوڑے عرصہ کے لیے امانت کے طور پر انسان کو مال عطا کیا۔ تاکہ انسان اس کی مرضی کے مطابق اسے صرف کرے۔ اور نیکیاں کما کے عاقبت کا گھر تعمیر کر لے۔ اس لیے وہ ذاتِ گرامی جس نے انسان کو اپنے دیئے ہوئے مال میں تصرف کا حق دیا ہے۔ یہ چاہتی ہے کہ انسان کے تصرفات کو خالصتاً اپنی مرضی کا پابند بنائے۔ اس واسطے انسان کو زیرتصرف اشیاء پر ملکیت تو حاصل ہے۔ لیکن یہ ملکیت آزاد، خودمختار اور بے لگام نہیں ہے۔ بلکہ اصلی مالک کی طرف سے عائد کردہ حدود وقیود کے ماتحت ہے۔ کہ جہاں وہ انسان کو حکم دے اُسے خرچ کرے۔ اور جہاں سے روک دے رُک جائے۔ یہی وہ چیز ہے جو اسلام کو دنیا کے دیگر نظامہائے معیشت سے ممتاز کرتی ہے۔

اعتدال کی راہ

دیگر لادینی نظاموں میں انسان اپنے آپ کو مال و دولت کا آزاد اور خودمختار

مالک تصور کرتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ بغیر کسی قدغن کے آزادی کے ساتھ جس طرح چاہے اُسے استعمال کرے۔ گویا کہ حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر جہاں سے چاہے سمیٹے، اور جہاں چاہے خرچ کرے۔ جیسا کہ حضرت شعیبؑ کی قوم کا ایک قول مال کے بارے میں قرآن نے یوں نقل فرمایا ہے۔

"ان نفعل فی اموالنا مانشاء"

کہ ہم جس طرح چاہیں اپنی مرضی کے مطابق اپنے اموال پر تصرف کرتے جائیں۔
یہی وجہ ہے کہ اسلام میں نظمِ معیشت کے لیے اعتدال کی راہ اختیار کی گئی ہے۔ کہ جو راہ ہر قسم کی افراط وتفریط سے پاک ہے۔ اس واسطے کہ اسلام نہ تو آزادانہ اور بے لگام ملکیّت کو قبول کرتا ہے۔ اور نہ ہی انسان کو انفرادی ملکیت کے حق سے محروم کرنے کا حامی ہے۔

حقداروں کے حقوق کی ادائیگی

اسوۂ نبویؐ کے مطابق اسلامی نظمِ معیشت میں یہ بات بھی ناگریز ہے کہ ہر حال میں حقدار کو اس کا حق فی الفور دلایا جائے۔ چاہے وہ معاشی ہو، یا قانونی۔ مستحق کو بلا حیل وحجت پہنچنا چاہیے۔ اسی بنا پر فقراء، مساکین اور معاشرے کے بیکس اور نادار افراد دولتمندوں کے مال میں شرکت کا حق رکھتے ہیں۔ اور یہ حق اللہ نے انہیں دیا ہے۔ جو اسلام کے نزدیک دنیا کی تمام دولت کا اصلی مالک ہے۔ اسی واسطے مالداروں کے ذمہ اللہ نے یہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ اُن تک اپنی دولت کا کچھ حصہ پہنچائیں۔ کیونکہ یہ مفلسوں اور ناداروں پر اُن کا کوئی احسان نہیں ہے۔ بلکہ فی الواقع اللہ کی جانب سے مال والے کے مال کے ایک حصہ کے وہ پوری طرح مستحق ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ:

"فی اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم "

ان کے اموال میں سائل اور محروم کا ایک معیّن حق ہے
اسی طرح کھیتوں کی فصل کی کٹائی اور پیداوار میں بھی مستحقین کو مناسب طور پر اس کا حقدار قرار دیا۔ اور فرمایا۔

"وا تو احقه یوم حصاده"

اور اس کی کھیتی کی کٹائی کے وقت اس کا حق ادا کرو۔

ان دونوں آیتوں میں حق کا لفظ بتا رہا ہے کہ مفلس اور نادار افراد بھی دولت کے ٹھیک اُسی طرح حقدار ہیں۔ جس طرح کہ اس کے مالک۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ:

"تو خذمن اغنیاءِ ھم و تردّ الیٰ فقراء ھم"

اُن کے دولتمندوں سے حق وصول کر کے اُن کے غرباء کی طرف لوٹایا جائے۔

اسی بنیادی نظریے کے مطابق اسلامی نظم معیشت میں دولت مندوں کے علاوہ ہر وہ شخص بھی دولت کا مستحق قرار پاتا ہے جسے شریعت میں ایک خاص ضابطہ کے تحت دولت کے ایک خاص حصے کا حقدار ٹھہرایا گیا ہو۔

ادائیگی حقوق کی لازمی حد

اسلامی نظم معیشت میں حقوق کی ادئیگیوں کا جو توازن قائم کیا گیا ہے۔ اُن میں سب سے کم لازمی حد زکوٰۃ کی حد ہے۔ جس کی ادائیگی فرضِ عین ہے۔ یعنی ہر وہ شخص جو سونے یا چاندی، زیور، نقدی، مویشی اور مالِ تجارت کا مقدارِ نصاب کی حد تک مالک ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ سال گذر جانے پر اپنی ان مملوکات کا ایک مقررہ حصہ دوسرے ضرورتمند افراد کو ادا کرے۔ اس مقصد کی خاطر قرآن نے ادائیگی زکوٰۃ کے لیے آٹھ مصارف مقرر فرمائے ہیں۔ ان آٹھ مصارف پر اگر سالانہ قومی بچت کی پوری زکوٰۃ نکال کر صرف کر دی جائے۔ تو اربوں کے حساب سے روپیہ ہر سال سرمایہ داروں

کے ہاتھ سے نکل کر غریبوں اور ناداروں کی جیب میں چلا جائے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ بڑے پیمانے پر دولت کی گردش عمل میں آوے۔ اور معاشی ناہمواری کا خاتمہ ہو۔ نیز امیر و غریب کے درمیان خطرناک قسم کا معاشی تفاوت بہت جلد اپنی قدرتی سطح پر آ جائے۔

اسلامی فلاحی ریاست کا قیام

اس واسطے کہ اہل ثروت کی یہ ذمہ داری ہے کہ معاشرے کے جو افراد معاشی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ اُنہیں سہارا دیں۔ اور آگے بڑھائیں۔ جو معاشرہ کمزوروں کی مدد نہ کرے۔ ناداروں کو سہارا نہ دے اور گرتوں کو تھامے نہ، وہ انسانی معاشرہ کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس بنا پر اسلامی معاشرہ میں نظام زکوٰۃ کے ذریعہ معیشت کو صحت مند بنیادوں پر یوں استوار کیا جاتا ہے کہ انسانوں میں باہمی ہمدردی، مواسات اور غمخواری کی روح اُجاگر ہونے لگتی ہے یہی وجہ ہے کہ صدر اوّل سے ہی اسلامی حکومت نے اس نظام کو عملاً قائم کیا۔ اور اس کے ذریعہ حاجتمندوں، ناداروں اور معذورں کو سرکاری وظیفے دیئے۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ میں یہ حال ہوگیا کہ بقول مورخ طبری زکوٰۃ دینے والے تو سینکڑوں تھے۔ مگر زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ تھا۔ اُس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا نظام جہاں پر ایک طرف پیداواری عمل کو تیز کرتا ہے۔ وہاں دوسری طرف اس سے عوام میں قوّت خرید کا اضافہ ہوتا ہے۔ اور معاشرے میں خوشحالی آتی ہے۔ اس طریقہ سے زکوٰۃ معیشت میں توازن قائم کرنے اور خدمت خلق کی بنیاد پر اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کا بہترین ذریعہ ہے۔

نماز اور زکوٰۃ کا ایک ساتھ حکم

قرآن نے بے شمار مقدمات پر نماز اور زکوٰۃ کے حکم کو ایک ساتھ بیان کر کے یہ

بتایا ہے کہ عملی زندگی میں ایمان والوں کے لیے یہ دونوں ضروری ہیں۔ کیونکہ نماز کا قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی اسلامی زندگی کو اپنانے کی محسوس اور مرئی نشانیاں ہیں کہ جن کے بغیر ایک مسلمان کی اسلامی زندگی کی تشکیل ممکن نہیں۔ زبانِ نبوت نے انہی کو مشرکین سے جنگ کے خاتمہ کے لیے شرط لازم قرار دیا۔ اور یہی دونوں اسلامی معاشرہ کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کیونکہ ایک ان میں سے بدنی عبادت ہے اور دوسری مالی۔ اس لیے آپؐ نے فرمایا کہ:

"میں اس بات پر مامور ہوں کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں۔ جب تک وہ یہ گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں جب وہ ایسا کرلیں گے تو مجھ سے اپنی جان و مال کو بچا لیں گے۔"

اس ارشاد نبوت میں ایمان کے اقرار نماز کی اقامت اور ادائے زکوٰۃ کو مسلمان ہونے کی اولین شرط قرار دیا گیا۔ اس لیے کہ ایک مومن کے ایمان کا اعلان ان کے بغیر ممکن نہیں۔

پاکستان میں نظام زکوٰۃ

اللہ کا شکر ہے کہ نفاذِ اسلام کے سلسلہ میں پاکستان نے ان دونوں مقاصد کے حصول کی جانب خاصی توجہ دی ہے۔ بالخصوص زکوٰۃ وعشر کا نظام جس انداز میں ہمارے ملک میں نافذ ہو چکا ہے۔ دنیائے اسلام میں اس کی مثال نہیں۔ اور یہ نظام دیگر اسلامی ممالک کے لیے مشعل راہ ہے۔

خرچ کرنے کی اختیاری حد

جہاں پر زکوٰۃ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی کم از کم لازمی حد ہے۔ وہاں پر خرچ

کرنے کی زیادہ سے زیادہ اختیاری حد بھی مقرر فرمادی۔ اور جسے مومن کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دیا وہ چاہے تو اپنے مالک کی رضا اور آخرت کے حصول کی خاطر اپنے مال کو خرچ کرنے کے لیے اس حد تک بھی جا سکتا ہے۔ جو کہ سراسر اجر و ثواب اور رب کی رضا جوئی کی دلیل ہے۔ ان دونوں انتہائی حدود کے درمیان صدقات خیرات کفارات، نفصات، اور تقسیم وراثت کے مبسوط نظام کو بھی ہمارے لیے متعین فرمایا تاکہ ہم ان کی رہنمائی میں اپنے مالی مسائل کا حل تلاش کریں۔ جیسا کہ خود نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ: "بے شک مال میں زکوٰۃ کے سوا اور بھی حق ہے"

العفو کا اسلامی تصوّر

لیکن قل العفو فرما کر اسلام نے انسان کو صرف خرچ کرنے کی ہی ترغیب نہیں دی بلکہ اس میں یہ جذبہ بھی پیدا فرمادیا کہ اس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ جو بھی ہے اسے خدا کی راہ پر اور دوسروں کی فلاح پر خرچ کردے۔ فرمایا کہ:

"ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو"

وہ پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں۔ آپ فرمادیجئے کہ العفو (یعنی جو اپنی ضرورت سے زیادہ ہو)

اس طرح اسلام پورے معاشرہ میں دولت کی منصفانہ تقسیم اس انداز میں کرتا ہے۔ کہ ہر صاحب ثروت خرچ کرنے کے واسطے العفو کی زیادہ سے زیادہ اختیاری حد تک پہنچنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ تاکہ اس کو باقیات صالحات میں آگے بڑھنے کا اعزاز حاصل ہو جائے۔ علاّمہ اقبالؒ بھی جدّتِ کردار کو معاشی مسائل کا حل قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جدّت کردار کی حقیقت بھی قل العفو کے پس منظر میں پوشیدہ ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار
جو حرفِ قل العفو میں پوشیدہ ہے ابتک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

اللہ کی راہ میں سب کچھ لٹا دیا

حرف قل العفو میں یہی حقیقت پوشیدہ ہے کہ وہ انسان جس میں جدت وعظمت کردار موجود ہو۔ وہ صرف مقدار واجب ہی خرچ کرنے پر اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ جس قدر دولت اس کی ضرورت سے زائد ہوتی ہے۔ وہ اُسے معاشرے کے اُن افراد تک پہنچانے کو اپنی سعادت خیال کرتا ہے جو دولت سے محروم ہیں۔ چنانچہ یہ جدت کردار عظمت ووقار کے ساتھ حضور اکرمؐ کے ساتھیوں میں پوری طرح موجود تھی۔ کہ جنہوں نے اپنے وقت میں اللہ کی راہ میں سب کچھ لٹا دیا۔ اور اس طرح نبیؐ کے قائم کردہ نظم معیشت کو دل و جان سے قبول فرمایا۔ نتیجہ یہ تھا کہ ایسی فضا پیدا ہوئی جس میں ایک دوسرے کے لیے ہمدردی اور غمخواری کا جذبہ نمودار ہوا۔ اور ہر کوئی اپنے حقوق کی حفاظت کی جگہ یہ سوچنے لگا، کہ دوسروں کے حقوق کی پاسداری کیونکر ممکن ہے۔ پھر ہر کسی کو معاشرے کے فرائض گننے کی بجائے خود اپنے ہی فرائض منصبی سے عہدہ بر آ ہونے کی فکر دامن گیر ہوئی۔ جس کے نتیجے میں ایسی شخصیات اُبھر کر سامنے آئیں۔ کہ جن کے بارے میں قرآن برملا کہہ اُٹھا کہ:

"ویوءثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصة"

کہ وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ چاہے انہیں اس کے واسطے فاقہ کشی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

اسلامی نظم معیشت کی برکات

اس طرح جب معاشرے میں اسلامی نظم معیشت کے معاشی ضابطے نافذ کرنے کا اہتمام ہوگا تو پھر انسانی زندگی برکات سماوی سے مالا مال ہوگی۔ زمین اپنے خزانے اُگل دے گی اور آسمانوں سے نعمتوں کا نزول ہوگا۔ افلاس اور تنگدستی کے بادل چھٹ جائیں گے۔ خوشحالی کی فضا میں ہر چہرہ کھلنے اور مسکرانے لگے گا اور دل طمانیت سے ہمکنار ہو جائیں گے۔ پھر ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ابوبکر و عُمر رضوان اللہ علیھا کے اسوۃ عظیم پر عمل کر کے اپنا سارا اثاثہ اللہ کی راہ میں دینے والے اور قل العفو کی بلندیوں اور عظمتوں کو پانے والے افراد معاشرہ کے لیے زندگی کا پیغام بن کر اُبھریں۔ اور حضرت عثمانؓ کے نمونہ عمل پر ایسی شخصیات بھی سامنے آئیں جو اپنے اللہ سے بے مثال منافع کی تمنا کریں۔ اور ان کی طرح غلے کا بھاؤ چڑھتا دیکھ کر دنیا کے زیادہ سے زیادہ منافع پر آخرت کی دائمی منفعت کو ترجیح دیتے ہوئے بھرے اُونٹوں کے قافلے یہ کہہ کر غرباء میں تقسیم کر دیں کہ:

"ماعندكم ينفدو ماعندالله باقِ"

اللہ کے ذمّہ ہے کہ اس سے زیادہ منافع دینے والا اور کوئی نہیں ہے۔

خوشحال نظم معیشت

پھر یہ ممکن ہے کہ پیٹ پر پتھر باندھ کر ملک وملّت کے لیے سرفروشی کے ساتھ ڈٹ جانے والے اپنی سعی وکوشش سے اور محنت شاقہ سے معیشت کو سہارا دیویں اور رب تعالیٰ بھی " ويرزقه من حيث لا يحتسب " کے مصداق روزی اور معیشت کو اتنا فراخ کردے کہ حاجتوں والے دنگ ہو کر رہ جائیں۔ اور حضور اکرم کے ارشادِ گرامی کے مطابق ایسا خوشحال نظم معیشت قائم کردیا جائے۔ جس میں صدقات دینے والے تو موجود ہوں اور لینے والا کوئی بھی نہ ہو۔

مراجع ومصادر

۱۔ سورۃ القصص :۷۷

۲۔ سورۃ البقرہ :۲۱

۳۔ سورۃ النور :۳۷

۴۔ سورۃ الاعراف :۱۰

۵۔ سورۃ القصص :۷۷

۶۔ سورۃ الحشر :۷

۷۔ سورۃ التوبہ :۳۴

۸۔ احیاء العلوم الغزالی

۹۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم

۱۰۔ مسند احمد

۱۱۔ صحاح ستہ

۱۲۔ سورۃ البقرہ :۲۷۸:۲۷۹

۱۳۔ سورۃ البقرہ :۲۷۶

۱۴۔ صحیح مسلم ، مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ

۱۵۔ صحیح مسلم ، مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ

۱۶۔ صحیح مسلم ، مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ

۱۷۔ سورۃ المطففین :۱،۲،۳

۱۸۔ سورۃ الزخرف :۳۲

۱۹۔ سورۃ النور :۳۳

۲۰۔ سورۃ ہود :۸۷

۲۱۔ سورۃ المعارج :۲۴،۲۵

۲۲۔ سورۃ الانعام :۱۴۱

۲۳۔ عسقلانی، فتح الباری

۲۴۔ مشکوٰۃ المصابیح

۲۵۔ جامع ترمزی

۲۶۔ سورۃ البقرہ

۲۷۔ ضربِ کلیم، علامہ اقبالؒ

۲۸۔ سورۃ الحشر :۹

۲۹۔ سورۃ النحل :۹۶

۳۰۔ سورۃ الطلاق :۳

۳۱۔ صحیح مسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یاایّھا الّذین اٰمنوا کونوا قوّامین للّٰہ شھداءَ

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے احکام کی پُوری پابندی کرنے والے

بالقسط ولا یجر منّکم شناٰن قومٍ علیٰ الاّ تعد لوا

انصاف کی شہادت ادا کرنے والے رہو۔ اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو

اعدلواھواقربُ للتقوٰی واتّقوااللّٰہ انّ اللّٰہ

اس کا باعث نہ ہو جاوے کہ تم عدل ہی نہ کرو۔ عدل کیا کرو کہ وہ تقوٰی سے

خبیر بما تعملون۔ (المائدہ ۸)

زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بلا شبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب

اعمال کی پوری پوری اطلاع ہے۔

کمالِ نظامِ عدل

اسلام نے دینِ فطرت ہوتے ہوئے انسانوں کو زندگی میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔ کیونکہ اعتدال خالقِ کائنات کے آئینِ قُدرت کی شرطِ اوّل ہے۔ جس کے تحت عناصر کی ترتیب میں بھی ایک حسین اور پختہ توازن قائم کیا گیا ہے۔ اگر یہ توازن نہ رہے تو نظمِ کائنات ہی درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ کیونکہ یہی نظامِ عالم کی اساس ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کو یہ کہہ کر آشکار فرمایا کہ اے پیارے رسُول ﷺ آپ کے ربّ کی ہر بات واقعیّت اور اعتدال کی بنیاد پر پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس لئے کہ کائنات میں اُس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔

پھر اس توازن و اعتدال کی خاطر مالک نے ہر شے کا ایک پُختہ اندازہ مقرّر فرما دیا کہ ہر چیز طبعی طور پر اور متوازن طریقے سے جاری و ساری رہے۔ چنانچہ اعلان ہوا کہ ہم نے ہر شے کو ایک خاص اندازے کے ساتھ تخلیق فرمایا ہے۔ لیکن جہاں پر عناصر میں یہ اعتدال طبعی اور جبری ہے وہاں پر اشرفُ المخلوقات ہونے کے ناطے سے حضرتِ انسان کے لئے اسے اختیاری اور انتخابی شے بنا دیا۔ تا کہ اگر وہ چاہے تو اُسے اختیار کر کے فلاحِ دارین حاصل کر لے۔ اور اگر چاہے تو ترک کر کے دُنیا و آخرت کی صعُوبتوں کا شکار ہو۔ اس انتخاب اور اختیار کی بنیاد پر انسان کو معاشرے میں نظامِ عدل قائم کرنے اور ہر زاویہ زندگی میں عدل و انصاف کو اپنانے کی ہدایت فرمائی۔

عدل کا مفہوم

کسی وزن یا شے کو دو برابر کے نصف حصوں میں اس طرح بانٹ دینا کہ دونوں میں سے کسی ایک میں بھی ذرہ برابر کمی بیشی نہ رہے۔ "عدل" کہلاتا ہے۔ جب کہ عام اصطلاح میں اور قضا کے نقطہ نظر سے عدل کا مفہوم یہ ہے کہ روزمرہ کے معاملات میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے جج یا قاضی عدل و انصاف کے ساتھ ان کے حقوقِ عامہ کا یوں تحفظ کرلے کہ کسی ایک کی بھی حق تلفی نہ ہونے پائے اور اس مقصد کے حصول کے لئے ایک ایسا قانون بھی میسر ہو جس کی نظر میں سب انسان برابر ہوں۔ اور جہاں پر حاکم و محکوم بادشاہ و رعیت، امیر و غریب، شریف و وضیع اور

کالے گورے کی کوئی بھی تفریق نہ ہو، پھر عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک ایسا نظامِ قضا موجود ہو جس میں انصاف خریدنی اور فروختنی شے نہ ہو۔ بلکہ وہ جنس عام ہو جسے ہر کوئی بغیر کسی جبر واکراہ یا خوف وطمع کے آسانی سے حاصل کر سکتا ہو۔

اسی اعتبار سے عدلیہ کا فریضہ بھی یہی ہے کہ حدودِ مملکت میں رہنے والے افراد کو جو حقوق حاصل ہوں۔ قانون کی بنیاد پر ان کے تحفظ کا انتظام کرے۔ اور انہیں ظلم وجور اور حق تلفی سے بچائے۔ اسی واسطے ایک مثالی نظامِ سیاست میں عدلیہ کا سروکار انتظامی امور سے نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے فرائض میں انتظامیہ کے اثر سے آزاد ہو کر انفرادی حقوق کے تحفظ کا اہتمام کرتی ہے۔ اور صرف قانونِ عامہ اور عدل وانصاف کو ملحوظِ خاطر رکھتی ہے۔

اسلام میں عدل کا تصوّر اساسی

اس بنا پر اسلام نے دینِ فطرت ہوتے ہوئے انسانوں کو زندگی میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔ کیونکہ اعتدال خالقِ کائنات کے آئینِ قدرت کی شرطِ اوّل ہے۔ جس کے تحت عنصری ترتیب میں بھی ایک حسین اور پختہ توازن قائم کیا گیا ہے۔ اگر یہ توازن نہ رہے تو نظمِ کائنات ہی درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ کیونکہ یہی نظامِ عالم کی اساس ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کو یہ کہہ کر آشکار فرمایا کہ اے پیارے رسول ﷺ "وتمت کلمة ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلماته اور آپ کے رب کی ہر بات واقعیت اور اعتدال کی بنیاد پہ پایۂ تکمیل کو پہنچی، اس لئے کہ کائنات میں اس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔"

پھر اس توازن واعتدال کی خاطر مالک نے ہر شے کا ایک پختہ اندازہ مقرر فرما دیا۔ کہ ہر چیز طبعی طور پر اور متوازن طریقے سے جاری وساری رہے، چنانچہ اعلان ہوا۔

کہ: "انا کل شیء خلقناہ بقدر
ہم نے ہر شے کو ایک اندازے کے ساتھ تخلیق فرمایا ہے۔"

لیکن جہاں پر عناصر میں یہ اعتدال طبعی اور جبری ہے۔ وہاں پر اشرف المخلوقات ہونے کے ناطے سے حضرتِ انسان کے لئے اسے اختیاری اور انتخابی شے بنا دیا تا کہ اگر وہ چاہے تو اُسے اختیار کر کے فلاحِ دارین حاصل کر لے۔ اور اگر چاہے تو ترک کر کے دنیا وآخرت کی صعُوبتوں کا شکار ہو جائے۔ اس اختیار اور انتخاب کی بنیاد پر انسان کو معاشرے میں نظام عدل قائم کرنے اور ہر زاویہ زندگی میں عدل وانصاف کو اپنانے کی ہدایت فرمائی۔ انبیاء کرام کی بعثت اور کتب سماوی کے نزول کا مقصد بھی یہی تھا کہ لوگ عدل واعتدال کو اپنائیں اور زندگی میں جادۂ عدل سے ہٹنے کی کوشش نہ کریں۔ کیونکہ انسانی زندگی میں امن اور سکون کا انحصار عدل پر ہے۔ اور عدل ہی کے سہارے معاشرے کو توازن اور اعتدال کے ساتھ منظم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اسلام میں یہی بات نظام عدل کی اساس اور بنیاد ہے۔

قانونِ مکانات میں اعتدال

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ایک فرد سے لے کر جماعت تک زندگی کے ہر شعبہ میں عدل قائم کرنے کی تعلیم دی۔ کیونکہ ہر زاویہ حیات میں اسلامی فکر کی اصل الاصول بات یہی ہے۔ اسلامی معیشت معاشرت سیاست اور قانون کے پس منظر میں بھی یہی مرکزی تصور کارگر ہے۔ اور دینِ کامل کے سارے ضابطے اسی پر قائم ہیں۔

اس بنا پر حضورِ اکرم ﷺ نے جہاں پر معیشت میں اسراف اور بخل کی دو انتہائی

راہوں کو چھوڑ کر انفاق فی سبیل اللہ کا معتدل راستہ دکھایا وہاں پر سیاست میں بھی مغربی جمہوریت اور آمریت کے دو انتہائی راستوں کے برخلاف اعتدال پر مبنی شورائیت کا سیاسی نظام تجویز فرمایا۔ اسی طرح جہاں پر رہبانیت اور قارونیت کی افراط وتفریط سے نجات دلائی وہاں پر اعتدال اور توازن پر مبنی عدلِ اجتماعی کے اسلامی تصور کو پیش فرمایا۔

اسی بنیاد پر جہاں ایک طرف من قتل نفساً بغیر نفسٍ اوفسادٍ فی الارض فکانّما قتل النّاس جمیعا کی آیت کریمہ میں ایک جان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا۔ وہاں دوسری طرف ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب کے اعلان کے ذریعہ قتل کا قصاص واجب قرار دیا۔ تاکہ قانون مکافات میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور محمد عربی ﷺ کا نظام عدل پوری طرح قائم ہو جائے۔

اسلام سے قبل عدل وانصاف کی پامالی

اسلامی نظام عدل کی اہمیت کا صحیح اندازہ اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک اسلام سے پیشتر دنیا میں رائج نظام ہائے قانون کا سرسری جائزہ نہ لیا جائے۔ دراصل حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا جہنم کے کنارے پر کھڑی تھی۔ انسان اپنی انسانیت گم کر چکا تھا۔ اور آدمیت خداخوفی اور خداشناسی سے یکسر محروم تھی۔ وقت کے حکمران رعایا کی جان و مال اور عزت وآبرو سے کھیل کر دادِ عیش دے رہے تھے۔ بے شمار انسان غلامی کی زنجیروں میں پابند سلاسل ہو کر جانوروں کی مانند مجبور محض اور بے دست و پا تھے۔ بااختیار لوگ آخرت کے خوف سے عاری اور عوام النّاس کے محاسبہ سے آزاد من مانی میں مگن تھے۔ جبکہ عوام النّاس قابل رحم حالت میں انسان تو تھے لیکن

انسانوں میں شمار نہیں کیے جاتے تھے۔اس صورتِ حال میں کسی کے لئے عدل وانصاف کا حصول ممکن نہ تھا۔ نیز اس عہد کی دونوں بڑی طاقتیں روم اور ایران جو رو جفا کے مرکز اور ظلم و ستم کے گہوارے تھے۔سلطنتِ روما کے بارے میں ایک مصنف لکھتا ہے۔

"انصاف کا یہ حال تھا کہ جس طرح اشیاء کی خرید وفروخت ہوتی تھی اور اُن کے دام ٹھہرائے جاتے تھے۔اسی طرح انصاف بھی فروخت ہوتا تھا۔اور رشوت وخیانت کی ہمت افزائی خود قوم کی طرف سے کی جاتی تھی۔

یہی حال ایران کا تھا۔کہ جہاں پر کسی کی آبرو محفوظ نہ تھی۔مالک کے سامنے اس کا مال لٹتا ہے تو لُٹ جائے۔وہ صرف بے بسی میں تماشا ہی کیا کرے۔بھائی کے سامنے اور باپ کے سامنے بیٹی عصمت سے محروم ہو،وہ کچھ نہ کہہ سکے۔غرضیکہ ظلم اور جبر وتشدد کا رواج تھا جیسا کہ اسی مصنف نے مزید لکھا ہے کہ:

"ایران کے سلاطین اس بات کے مدعی تھے کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے۔اہل ایران بھی انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے کہ گویا وہ خدا ہیں۔اُونچ نیچ کا فرق طبقوں کا تفاوت اور پیشوں کی تقسیم ایرانی سوسائٹی اور نظامِ زندگی کا اٹل قانون تھا۔"

اس تسلط کی شدت کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کہ جمشید کے عہد حکومت میں کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ بادشاہ نے اس کے کسی فعل کو ناپسند کیا ہے۔جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو اسی خواب کی بنا پر ایسا مجرم خیال کیا کہ خودکشی کرلی،اور زندہ رہنا بھی گوارا نہ کیا۔

یہی حال ہندستان کا تھا کہ جہاں پر منومہاراج کے قوانین فرقہ وارانہ عصبیت

ناجائز پاسداری، ظلم وجور اور انسانی لاقانونیت کی منہ بولتی تصویر تھے۔ باقی رہا عرب کا حال، تو سارا عالم ان سے خوب واقف ہے کہ یہ لوگ کس قدر ظالم، عدل وانصاف سے عاری اور جور و جفا کے دھنی تھے کہ اُن کی اصلاح کے لئے نبی آخرالزمان ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا۔ تاکہ اُن کی حالت بدل جائے۔

اسلام کا آفتابِ عالم تاب

ایسے پُرفتن اور تاریک دَور میں اسلام کا آفتابِ عالم تاب طلوع ہوا۔ جس کی نورانی کرنوں سے دیکھتے ہی دیکھتے سارا عالم روشن ہو گیا۔ بھٹکے ہُوؤں نے راہ پائی۔ ظلم وجور کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھٹ گیا۔ اور سسکتی دم توڑتی انسانیت میں جان آ گئی۔ جو لوگ کل تک سہمے ہوئے تھے اور مظالم کے اندر دَب چکے تھے۔ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور دینِ اسلام کے ہمہ گیر سائے تلے سُکھ کا سانس لینے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نبی اکرم ﷺ نے کائنات انسانی کو اسلام کے ایسے منصفانہ اور عادلانہ قوانین عطا فرمائے۔ جو باہمی ہمدردی، حسنِ سلوک، اخوّت ومرّوت اور عدل وانصاف کے ابدی اصولوں پر مبنی ہیں کہ جن سے دینِ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور کاملِ نظامِ زندگی بن کر دنیا والوں کے سامنے اس طرح اُجاگر ہوا، کہ چاردانگ عالم پر چھا گیا۔

اسلامی نظامِ عدل کی خصوصیات

اسلام کی اِس سربلندی اور عظمت کی سب سے بڑی وجہ عدل وانصاف پر مبنی اسلام کا وہ نظامِ عدل ہے۔ جس کے تحت اسلامی مملکت کے ہر شہری کو آسان اور سستا انصاف ہر آن میسّر آتا ہے۔ کہ ہر کوئی بغیر کسی دقّت اور پریشانی کے اپنے حقوقِ ذاتی کا تحفظ آسانی سے کر سکتا ہے۔ اسلام کا یہ نظام اپنی جگہ بے مثال ہے اور ایسی خصوصیات کا

حامل کہ جن میں یہ منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ ذیل میں اُن ہی خصوصیّات کا بیان ہے۔

عدلیہ کا اسلامی دستور

کوئی بھی عدلیہ اپنے وجُود کے اعتبار سے بیکار محض ہے۔ اگر اس کی پُشت پر رہنمائی کے لئے کوئی دستور نہ ہو۔ اسلامی عدلیہ کا دستور قرآن سنّت اور اجماع وقیاس کے اصولِ اربعہ پر مبنی ہے۔ مسائل کے استنباط اور قوانین کی ترتیب وتجسیم کے لئے قرآن وسنّت کی حیثیت اصول استنادی کی ہے۔ کہ جنہیں دین میں دلیل شرعی اور حجت ہونے کی بنا پر سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ جبکہ اجماع وقیاس اجتہاد کے بنیادی اُصول قرار پاتے ہیں کہ جن کی راہنمائی میں مجتہد اور فقیہ مسائل کے لئے محنت اور کوشش کرتا ہے۔

برہانِ علم وعمل

اسی وجہ سے اسلامی قانون سازی میں اصولِ استناد کے ساتھ اصولِ اجتہاد کو بھی خاصی اہمیّت حاصل ہے کہ جن کی بنیاد پر ہر دور میں قوانین کی تشکیل کا کام انجام پاتا رہا۔ تاہم اس کے باوصف قرآن وسنّت کی اہمیّت اپنی جگہ ایک لازوال حقیقت ہے کہ جنہیں ہر لحاظ سے دینِ اسلام کی اوّلین خشت اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسی لئے امّت مسلمہ کے واسطے ان دونوں کو حبل اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کتاب اللہ اگر ما انزل اللہ علیک کے تحت اللہ کا اتارا ہوا علم ہے تو سنّتِ رسول ما اراک اللہ یعنی اللہ کا دکھایا ہوا، اور اُسی علم کا پرتو اور نقش ہے۔ اس لئے خدا کی جانب سے روشنی اور ہدایت ہونے کی بناء پر یہ دونوں ایک ہیں۔ ان دونوں میں فرق صرف نامہ وپیام کا ہے۔ علمِ نبوّت اگر نامۂ خُداوندی ہے تو عملِ نبوّت پیامِ خدا ہے۔ اس لئے دونوں ہمیں اللہ کی جانب سے بطریقِ تواتر ملے ہیں۔ علمِ نبوّت قرآن کا تواترِ علمی ہے۔ اور

عملِ نبوّت سنت کا تواترِ عملی۔قرآن تاریخِ علمِ نبوّت ہے۔اور سنّت تاریخِ عملِ نبوّت۔اس لئے دونوں اسلامی قانون سازی میں برہانِ علم ہونے کی حیثیت سے ہر دَور کی اوّلین ضرورت اور روشن ترین حجت ہیں۔کہ جن میں سے کسی ایک سے بھی سرِ مو تفاوت یا انحراف اُمت مسلمہ کے لئے بہت بڑے المیہ سے کم نہیں۔

اجتہاد میں اجتماعیّت

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے عہد میں یہی دونوں عدالت کا آئین اور قانون تھے۔تمام مقدمات کے فیصلے انہی پر منحصر تھے۔اور انہی سے استناد ہر دَور اور ہر زمانہ میں معتبر تھا۔تاہم بعد کے اَدوار میں کتاب وسنّت کے ساتھ ساتھ اجماع وقیاس بھی ادلہ شرعیہ کے طور پر مسلمہ اصول بن گئے۔کہ جن کی وجہ سے پیش پا افتادہ مسائل کے لئے حل تلاش کرنے کی خاطر اجتہاد کیا گیا۔اور قانون سازی کا وسیع وعریض کام ہوا۔

دَورِ جدید میں جبکہ اجتہاد کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ازبس ضروری ہے کہ ایک طرف ان دلائلِ شرعیّہ سے مکمل استفادہ کیا جائے۔اور دوسری طرف اجتہاد میں اجتماعیّت کا اصول اپنایا جائے۔اور علماء سکالرز اور ماہرین کی نظریاتی اور مشترکہ تحقیقی مجالس کے ذریعہ اجتہادی کاوشوں کی تکمیل کی جائے۔کیونکہ آج کے دور میں اگلے ائمہ اور علماء کی مانند منفرد قسم کی باصلاحیت شخصیتوں کا میسّر آنا انتہائی مشکل ہے۔نیز یہ کام بین الملّلی سطح پر اسلامی حکومتوں کے تعاون سے ہو۔

انفرادی حقوق کی ضمانت

نبی اکرم ﷺ نے جس معیاری نظامِ عدل کو دنیا والوں کے سامنے پیش فرمایا ہے اس کی دوسری اہم خصوصیّت یہ کہ اس نظام کے ذریعہ مملکت کے ہر فرد کے حقوق کی

مکمل طور پر ضمانت دی گئی ہے اس لئے یہ بات اربابِ حکومت کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ مملکت کے ہر باشندے کی عزت وآبرو، جائیداد و مال، جسم وجان اور چادر وچار دیواری کے تحفظ کا اہتمام کریں۔ اور عدل وانصاف کی بنیاد پر ہر اُس شخص کے حقوق کی پاسداری کا بندوبست کریں جو اُن کی مملکت کا شہری ہے۔ ورنہ وہ نااہل تصور ہوں گے۔ اور اپنی کوتاہیوں اور فرائض سے غفلت پر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔ جیسا کہ سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

"انَّ اللّٰہ یامرکم ان تؤدّو االامانات اِلیٰ اھلھاو اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل

بلاشبہ تم کو اللہ اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم اہلِ حقوق کو اُن کے حقوق پہنچا دو۔ اور جب لوگوں میں تصفیہ کرنے بیٹھو تو انصاف کے ساتھ تصفیہ کرو۔"

اربابِ حکومت کے لئے زبردست انتباہ

اس آیت میں اربابِ حکومت کو اُن کی ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اُن کے فرائض کیا ہیں۔ اس آیت کے دوسرے حصہ میں خاص طور پر عدلیہ کے فرضِ منصبی کا بیان ہے۔ اس لئے کہ افراد کے حقوق کا تحفّظ اُن کی خصوصی ذمہ داری ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:۔

"اے اہلِ حکومت خواہ تھوڑوں پر حکومت ہو، خواہ بہتوں پر بیشک اللہ تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ اہلِ حقوق کو اُن کے حقوق جو تمہارے ذمہ ہیں۔ پہنچا دیا کرو۔ اور تم کو یہ بھی حکم دیتا ہیں کہ جب محکوم لوگوں کا تصفیہ کیا کرو ایسے حقوق میں جو اُن میں باہم ایک دوسرے کے ذمہ ہیں۔ تو عدل وانصاف سے تصفیہ کیا کرو۔"

حافظ ابن تیمیہ اسی آیت کے سلسلہ میں السیاستہ الشرعیہ پر لکھتے ہیں کہ:

"قال العلماء نزلت الأية الاولیٰ فی ولاة الامور علیھم انْ یوّدّوا الامانات الی اھلھا واذا حکموبین النّاس ان یحکموا بالعدل"

پہلی آیت کے سلسلہ میں علماء کا قول ہے کہ یہ اہلِ حکومت کے باب میں نازل ہوئی ہے۔اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ حکومت کا فرض ہے کہ اہلِ حقوق کو ان کے حقوق پہنچائیں۔اور لوگوں کے درمیان تصفیہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں۔"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"واذاکانت الایة قداوجبت اداء الامانات الی اھلھا والحکم بالعدل فھذان اجماع السیاسة العادله والولاة الصالحة"

آیت میں چونکہ اہلِ حقوق کو اُن کے حقوق پہنچا دینا اور دونوں چیزیں انسان نواز سیاست اور نیکوکار حکمرانوں کے لئے روح کی حیثیت رکھتی ہیں۔"

اس مختصر سی آیت میں انفرادی حقوق کی پاسداری پر جو زور دیا گیا ہے،اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انفرادی حقوق ہی دراصل نظام عدل کی بنیاد ہیں۔کیونکہ حقوق والوں کے حقوق کی ادائیگی۔اور ملک میں عدل پروری ہی ایسی چیزیں ہیں جن میں کسی نظام کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ آخر آیت ہیں:

"انّ اللّٰہ نعمّا یعظکم به انّ اللّٰہ کان سمیعاً بصیراً"

کہ اللہ تعالیٰ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہے اور اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

فرما کے رب تعالیٰ نے حکومت کے ارباب بست وکشاد کو خبردار اور ہوشیار کر دیا کہ سنو اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال وافعال سے پوری طرح باخبر ہے۔اگر تم حقوق کے

بارے میں کوتاہی کرو گے تو ضرور سزا پاؤ گے۔لہٰذا یہ آیت اربابِ حکومت کے لئے زبردست انتباہ ہے۔

عدل کی حکومت

اسلامی نظامِ عدل کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہاں پر آزاد، غلام، امیر، غریب، کمزور، توانا، کالے، گورے یا حاکم ومحکوم کی کوئی تفریق نہیں۔اور قانون کی نظر میں سب کے سب برابر کی حیثیت کے مالک ہیں۔اس نظام میں بادشاہ یا امیرِ مملکت بھی عدالت کے رُوبرو ویسے ہی کٹہرے میں کھڑا ہوگا۔جس طرح ایک عام آدمی کھڑا ہوتا ہے۔اور اپنے مقدمے کی پیروی کرتا ہے۔جیسا کہ حضرت ابی ابن کعب کے ساتھ مقدمہ کے وقت امیر المومنین حضرت عمرؓ ابن الخطاب جب حضرت زیدؓ ابن ثابت کی عدالت میں پہنچے تو آپ کو دیکھ کر حضرت زیدؓ نے درمیان میں فرش پر جگہ کشادہ کر دی اور عرض کیا امیر المومنین یہاں تشریف رکھیے۔یہ بات آپ کو ناگوار گزری۔جس پر آپ نے فرمایا کہ: "ھذا اوّل جورٍ جریت فی حکمک ولکن اجلس مع خصمی یہ تمہارا پہلا ظلم ہے جو تمہارے فیصلے میں ہوا ہے۔میں تو اپنے مدِّ مقابل کے ساتھ ہی بیٹھوں گا۔

شاہ غستان کا واقعہ

ایسے ہی غستانی بادشاہ جبلہ ابن ایہم کا مشہور واقعہ ہے کہ جب اس نے ایک معمولی عرب کو پیٹ ڈالا۔اور یہ مقدمہ دربارِ فاروقی میں آیا۔تو آپ نے اس کی قطعاً رعایت نہیں کی کہ نومسلم ہے یا بادشاہ ہے۔اور دوٹوک فیصلہ دیا کہ:

" اما ان ترضیه و اما ضربک کما ضربته"

یا تم اس کو راضی کرو یا وہ تمہاری اسی طرح پٹائی کرے گا جس طرح تم نے اسے

مارا ہے۔"

یہ فیصلہ شاہِ غسان پر شاق گزرا، اور اس نے سوال کیا کہ کیا بادشاہ اور گنواروں کے درمیان آپ کے نزدیک کوئی فرق نہیں؟ جس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"لا قد جمع بینکما الاسلام"۔

بالکل نہیں تم دونوں کو اسلام نے ایک ہی سطح پر لا کھڑا کیا ہے۔"

اسلامی نظامِ عدل میں خود ڈاکٹر گستاؤلی بان عدل کی برتری کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں: "خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہر شخص برابر سمجھا جاتا تھا، اور ایک ہی قانون سب کے لئے تھا۔ حضرت علیؓ خود بنفسِ نفیس عدالت کے سامنے مدعی بن کر آئے۔ اور ایک شخص پر دعویٰ کیا جس نے آپ کی زرہ چرائی تھی۔"

آگے چل کر وہ غسان کے نصرانی بادشاہ کا مذکورہ بالا واقعہ لکھ کر حضرت عمرؓ کا وہ جواب جو انہوں نے بادشاہ کو دیا۔ یوں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"اسلام کا قانون یہی ہے، اسلام میں نہ درجہ کی عزت ہے نہ ذات کی، کیونکہ ہمارے پیغمبر ﷺ کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اس لئے ان کے خلفاء میں بھی یہی روایات قائم رہیں گی۔"

حضرت عمرؓ کا خطبہ حج

اس پر نہیں بلکہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ ابن الخطاب نے حج کے موقعہ پر پورے حدودِ خلافت کے گورنروں کو ایک عظیم الشان اجتماع میں یکجا جمع کیا اور لوگوں سے خطاب فرمایا۔

"سنو: اگر ان میں سے کسی نے تم لوگوں میں سے کسی پر ظلم وستم ڈھایا ہے تو اس کو چاہیئے کہ آج اس مجمع میں کھڑا ہو اور مظالم کی تفصیل بیان کرے۔ ایک شخص کھڑا

ہوا، اور اس نے امیر المومنین کو مخاطب کر کے عرض کیا:۔

"یا امیر االمومنین عاملک ضربنی مائة سوط.¹

امیر المومنین آپ کے فلاں عامل نے مجھے سو کوڑے رسید کئے۔"

حضرت فاروق اعظمؓ نے تحقیقِ حال کے بعد شکایت کنندہ سے فرمایا۔ اُٹھو اور اپنا بدلہ لے لو۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت عمر بن العاص نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین: آپ نے یہ دروازہ کھول دیا۔ تو پھر کبھی بند نہ ہوگا۔ حالانکہ یہ چیز آپ کے عمال پر بہت شاق ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ:

" کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں انصاف نہ کروں، میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ہے کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات اقدس کو بلا تکلّف بدلہ کے لئے پیش فرمادیا کرتے تھے۔"

اس کے بعد فاروقِ اعظم نے اس مظلوم کو حکم دیا کہ اے شخص کھڑا ہو جا اور بدلہ لے لے۔

مظلوم مصری کی شکایت

ایسے ہی آپ نے ایک مظلوم مصری کی شکایت پر مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص کے صاحبزادے کو اُس مصری کے ساتھ زیادتی کرنے کے بدلہ میں اُسی سے کوڑے لگوائے جب مصری نے اپنا بدلہ لے لیا تو آپ نے فرمایا سن لو کہ انصاف میں کسی کی تمیز نہیں ہوا کرتی جو بھی جرم کا مرتکب ہوگا۔ بدلہ پائے گا۔ اس کے بعد گورنر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

"مذ عبدتم النّاس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا²

ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا۔ تم نے کب سے انہیں غلام بنا لیا ہے۔"

فقیر اور بادشاہ کے لئے یکساں قانون

ان حقائق سے واضح ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے عطا کردہ نظامِ عدل کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ یہاں انسانوں کا بنا ہوا نہیں بلکہ ربّ العالمین کا دیا ہوا قانون نافذ ہوتا ہے جس میں نہ کوئی افراط وتفریط ہے اور نہ ہی کسی کے لئے خاص امتیاز وتفریق۔ جو قانون فقیر کے لئے ہے وہی بادشاہ کے لئے بھی ہے۔ اور جو آئین سرمایہ دار کے لئے ہے وہی ایک مزدور اور فاقہ مست کے لئے بھی۔ ایسے ہی جو قوانین اپنوں کے لئے ہیں۔ وہی غیروں کے لئے بھی۔ یہاں تک کہ حاکم ومحکوم میں سے کوئی بھی اُن سے مستثنےٰ نہیں ہے اور وہ سب پر برابر لاگو ہیں۔ گویا کہ یہاں پر صحیح معنوں میں عدل کی حکومت یعنی RULE OF JUSTICE ہے۔

آسان اور سستا انصاف

حضرت معاذؓ بن جبل کو جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ہمراہ یمن کا گورنر بنا کر روانہ کیا تو دونوں کو وصیت فرمائی کہ:

"یسّرا و لا تعسّرا و بشّرا و لا تنفّرا و تطاوعا و لا تختلفا"
نرمی برتنا، دشواری پیدا نہ کرنا، خوشخبری سنانا، نفرت انگیزی نہ کرنا، اور باہم متحد رہنا۔ آپس میں اختلاف نہ کرنا۔"

اس لئے یہ بات ہرگز جائز نہیں ہے کہ عوام کے لئے انصاف کے حصول کو مشکل بنا دیا جائے۔ اور ایسے قواعد وضوابط وضع کئے جائیں۔ جن سے آدمی اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے دوسروں کا دستِ نگر ہو کر رہ جائے۔ اور عدل وانصاف تک نہ پہنچ سکے۔ اس لئے وہ حکومت یقیناً ظالم اور جابر ہے جو عدل وانصاف کا معاوضہ یعنی کورٹ فیس وصول کرے۔ کیونکہ یہ تو حکومت کا ہی ایک فریضہ ہے کہ وہ اپنے

باشندوں کو ہر حال میں سستا اور آسان انصاف مہیا کرے۔ کہ جس کے واسطے لوگوں سے رشوت لینا تو در کنار خود ساختہ قواعد وضوابط کی رو سے قانونی معاوضہ بھی نہ لیا جائے۔

اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ انتظامیہ یا عدلیہ کا ہر کارندہ اپنے دفتری کاروبار میں اس قدر دلچسپی لے گویا کہ وہ اس کا ذاتی اور گھریلو معاملہ ہے۔ اور وہ اپنے فرائض منصبی سے اس طرح عہدہ برآ ہو کر عدل وانصاف کے متلاشی کو آسانی سے انصاف میسر آ سکے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"جو شخص پبلک کی خدمت کے لئے متعین کیا جائے۔ اور پھر وہ لوگوں کی حفاظت ونگرانی اتنی نہ کرے جتنی کہ وہ اپنے گھروں کی حفاظت اور نگرانی کرتا ہے۔ تو ایسا شخص جنت کی بُو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔"

ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم جانتے ہو قیامت کے دن گرمی اپنے شباب پر ہوگی۔ اور اس دن اللہ جل مجدہ، کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ تو اس شدت کی گرمی میں وہ کون لوگ ہوں گے جو اس سایہ خداوندی میں پناہ لینے کے لئے آگے بڑھیں گے۔ صحابہ کرام نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ۔

"وہ افرادِ حکومت کہ جب ان سے کلمہ حق کہا جاتا ہے تو بے چون وچرا قبول کرتے ہیں۔ اور جب وہ عدالت کی کرسی پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ تو پورا انصاف کرتے ہیں۔ اپنے پرائے اور غریب وامیر میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔"

اسلامی عدالت کے کھلے دروازے

اس واسطے ضروری ہے کہ کارپردازانِ حکومت لوگوں سے ایسا رویہ اختیار کریں

کہ جس سے عوام اور رعایا کو اپنی حاجات اُن کے سامنے پیش کرنے میں سہولت ہو۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"من ولّی عن امر النّاس شیاً ثم اغلق بابه' دون المسلمین والمظلوم او ذی الحاجة اغلق اللّٰه دونه ابواب رحمته عند حاجته وفقره افقر مایکون الیه"

لوگوں کے کاموں میں سے کسی کام کا جو شخص ذمہ دار بنایا جائے اور پھر وہ اپنا دروازہ مسلمانوں یا مظلوم اور ضرورتمند انسانوں پر بند کرے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص پر اپنی رحمت کے دروازوں کو اس کی اس ضرورت اور محتاجی پر بند کر لیتا ہے جس میں وہ سب سے زیادہ مضطر ہوتا ہے۔"

اسی بنا پر اسلامی نظامِ عدل میں انصاف کے حصول کو اتنا سہل اور سستا بنا دیا گیا ہے کہ ہر کس و ناکس آسانی کے ساتھ اپنے ذاتی حقوق کا تحفظ کر سکتا ہے۔ اور اسے کسی طرح کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ کیونکہ انصاف چاہنے والا انصاف کے حصول کے لئے کھلے بندوں عدالت میں پہنچ سکتا ہے۔ اور منصف و جج بھی ہر وقت اپنی عدالت کا دروازہ بغیر کسی دربان کے کھلا رکھتا ہے تا کہ ہر کوئی بلا خوف و خطر آ سکے۔

عادلانہ طریقِ کار

رسول پاک ﷺ کے عطا کردہ نظامِ عدل کی ایک اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مقدمات کے فیصلوں کے لئے انتہائی غیر جانبدارانہ اور مکمل طور پر عادلانہ طریق کار اختیار کیا جاتا ہے کہ کسی کی خطرناک دشمنی بھی جج یا قاضی کے پائے ثبات میں لغزش آنے نہیں دیتی۔ اس لئے کہ قرآن پاک واضح طور پر عدل و انصاف پر قائم رہنے کی تلقین فرما رہا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

"یاایها الّذین امنوا کونوا قوامین للّٰه شهداء بالقسط ولا یجرمنّکم شنآن قومٍ علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتّقویٰ واتّقوا اللّٰه انّ اللّٰه خبیر بما تعملون."

اے ایمان والو: اللہ تعالیٰ کے لیے احکام کی پوری پابندی کرنے والے، انصاف کی شہادت ادا کرنے والے رہو۔ اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس کا باعث نہ ہو جاوے کہ تم عدل ہی نہ کرو۔ عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری پوری اطلاع ہے۔"

پہلے حصہ میں نفس عدل وانصاف کا وجوبی حکم ہے۔ اور دوسرے حصہ میں اس بات کی تاکید ہے کہ جب کوئی انصاف کی مسند پر بیٹھ جائے تو وہ صرف منصف اور جج ہو۔ تمام کدورتوں، عداوتوں، ہر طرح کے بغض وحسد اور جذبہ انتقام سے اُس کا دل پاک اور دماغ صاف ہو۔ اگر انسانی تقاضے سے اس طرح کی باتیں ذہن میں آئیں تو یہ سوچ کر کہ کل خدا کے سامنے مجھے اپنے اعمال واخلاق کا حساب پیش کرنا ہے، ان لغویات کو ہرگز جگہ نہ دے۔ عدالت کی کرسی پر بیٹھنے کے بعد دوست، دشمن اس کی نظر میں برابر ہوں۔ اور اس کی نظر صرف انصاف پر ہو۔ مقدمات کی ترتیب اور معاملہ کا نشیب وفراز جس صحیح نتیجہ تک پہنچائے وہی اس کا فیصلہ ہو۔ یہاں پر جذبات کی رو میں بہنا اور انسانی جذبہ انتقام سے متاثر ہونا اس منصبِ عظیم کے سراسر منافی ہے۔

حافظ ابنِ کثیر اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

"ای لا یحملنّکم بغض قومٍ علی ترک العدل فیهم بل استعملوا العدل فی کُلّ واحدٍ صدیقا کان اوعدوًا"

کسی قوم کے ساتھ تمہارا بغض و کینہ تم کو ان میں انصاف کرنے سے نہ روک سکے۔ بلکہ تمہارا شیوہ یہ ہو کہ تم ہر ایک کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو خواہ وہ تمہارا دوست ہو یا دشمن۔

شیخ علی مہائمی اپنی تفسیر میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

"ای لا یحملنکم شدۃ عداوۃ قومٍ علی ان لا تعدلوا فی حقھم فانّا لانامرکم بہ من حیث مافیہ من توفیۃ حقوق الاعداء بل من حیث مافیہ من توفیۃ حقوق انفسکم فی الاستقامۃ"

کسی قوم سے انتہائی دشمنی تم کو اُس کے حق میں ناانصافی پر آمادہ نہ کر دے۔ اور اس ناانصافی کی ممانعت اس لئے نہیں کہ اس میں دشمن کے حقوق کی پوری ادائیگی نہیں ہے۔ بلکہ اس حیثیت کے لئے بھی ہے کہ اس صورت میں تم اُس استقامت سے دُور ہو جاتے ہو جو تمہارے اپنے لئے لازم ہے۔"

عدالتِ نبویؐ کا تاریخ ساز فیصلہ

اسلامی نظامِ عدل میں بلا رعایت اور عادلانہ طریقِ کار سے فیصلے صادر کرنے کا جو دستور العمل نبی اکرم ﷺ نے تجویز فرمایا ہے۔ اس کی مثال خود آپ ہی کی سیرتِ مطّہرہ سے ملتی ہے۔ جبکہ آپ کے عہد میں ایک ایسی خاتون چوری کی مرتکب ہوئی جو شریف اور اونچے خاندان کی لڑکی تھی۔ قریش کو اس کی بڑی فکر ہوئی۔ انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ کون شخص ایسا ہو سکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کرے۔ بالآخر طے پایا کہ اس کی جرات صرف اُسامہ بن زید ہی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ آپ کے بڑے چہیتے ہیں، لوگوں کے اصرار پر حضرت اُسامہ نے لب کشائی کی جسارت کی۔ تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"انّما ھلک من کان قبلکم انّھم کانوا یقیمون الحدّ علی الوضیع ویترکون الشریف والّذی نفسی بیدہ لو فاطمۃ فعلت ذالک لقطعت یدھا"

تم سے پہلے والے اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ سزا نیچ لوگوں کو دیتے اور شریفوں کو چھوڑ دیتے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اگر فاطمہ میری بیٹی وہ کام کرتی تو یقیناً میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔"

جواب کا لب ولہجہ ملاحظہ فرمائیے کہ جب آپ کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو کس مضبُوطی کے ساتھ آپ نے فیصلہ سُنایا کہ جس میں شرافت کی وجہ سے کسی قسم کی رعایت ہرگز نہ تھی۔

عدل کی فضیلت اور ظلم کی مزمّت

اسی بنا پر اسلام میں زندگی کے ہر شعبہ میں عدل کو بڑا مقام حاصل ہے۔ اور ظلم اسلامی نظامِ حیات میں ایک بہت بڑا جرم اور گناہِ عظیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زبانِ نبوت سے بھی عدل وانصاف کی فضیلت کا بیان ہوا۔ اور ظلم وجور کی ندمّت کی گئی۔ جیسا کہ آپ کا ارشادِ گرامی ہے: "جس نے مسلمانوں کے لئے منصف بننے کی خواہش کی اور اسے یہ منصب مل گیا اُس کے بعد اس کے انصاف نے ظلم وزیادتی کو مغلوب کر ڈالا تو بلا شبہ اس کے لئے جنّت ہے۔ اور اگر اس کا اُلٹا ہوا تو پھر اس کا ٹھکانا جہنّم ہے۔"

نیز فرمایا کہ جو انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر انصاف سے گریز کرے۔ اُس پر اللہ وتعالیٰ اُس کے فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ یہ بھی فرمایا کہ:

"یااباھریرۃ جور ساعۃٍ فی حکمٍ اشدواعظم عنداللّٰہ من معاصی

ستین سنۃٍ وعدل ساعۃٍ خیر من عبادۃ ستین سنۃ قیام لیلھا وصیام نھارھا۔"

اے ابوہریرہ ایک گھڑی کا ظلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساٹھ سال کی معصیّت سے بڑھا ہوا۔ اور زیادہ سخت ہے۔ جبکہ ایک گھڑی کا انصاف اُن ساٹھ سالوں کی عبادت سے بہتر ہے جن کی راتیں شب بیداری میں گزریں اور دن روزے میں۔ عدل وانصاف کی فضیلت کے بیان میں فرمایا کہ:

"ثلاثۃ لاترد دعوتھم الصائم حین یفطر والامام العادل و المظلوم۔

تین شخصوں کی دُعائیں ردّ نہیں جاتیں۔ روزہ دار کی بوقتِ افطار۔ منصف حاکم کی اور مظلوم کی۔"

حضور اکرم ﷺ نے خود اپنے عہد میں عدل وانصاف کے تمام تر تقاضوں کو عملاً پورا کر کے دکھا دیا۔ اور اپنے اسوۂ حسنہ سے انصاف کا ایک ایسا نظام پیش فرمایا کہ آج تک دنیا اُس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام کی زندگیوں کا بھی مطالعہ کریں۔ آپ کو ہر جگہ اسوۂ رسول اللہ ﷺ کے مطابق عدل وانصاف کی حکمرانی نظر آئے گی۔ جس میں چھوٹے بڑے، امیر وفقیر، شریف ووضیع اور سلطان وگدا کی کوئی تمیز باقی نہیں ہے۔ کیونکہ اسلامی قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔

منصف یا قاضی کے اوصاف

اسلام میں عدل وانصاف کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ ضروری ہے کہ منصبِ قضا پر صرف ایسے افراد کو فائز کیا جائے جو ہر لحاظ سے اس کے اہل ہوں۔ تقرر سے پیشتر اُن کی لیاقت وقابلیّت کا امتحان اور اُن کے محاسن وعیُوب کا مکمّل طور پر جائزہ امیرِ مملکت

کی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ عدالت کا شعبہ ہر کس وناکس کے حوالہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ اگر ایسا ہوا۔ تو یہ بات مملکت کی تباہی کا باعث ہوگی۔

فقہاء کے نزدیک قاضی کو مندرجہ ذیل اوصاف کا حامل ہونا چاہیئے۔

۱۔ عفّت:۔ قاضی ہر لحاظ سے عفیف اور پاکدامن ہو۔ اور اس پر کسی قسم کی بددیانتی یا خیانت کا شبہ نہ ہو۔ بلکہ وہ صاف ستھرے کردار والا سلیم الطبع انسان ہو۔

۲۔ عقل وفہم:۔ بہترین عقل وفہم کا مالک ہو اور مشکل معاملات پر غور وفکر کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔

"اذاحکم حاکم فاجتهد واصاب فله' اجران واذاحکم فاجتهد وخطافله' اجر'' وّاحد"[1]

کوئی حاکم جب انصاف اس طرح کرتا ہے کہ غور وفکر کے بعد درستی کو پالیتا ہے۔ تو اسے دوگنا اجر ملتا ہے۔ اور جب فیصلہ میں غور وفکر کے بعد اُس سے خطا ہو جاتی ہے تو وہ صرف ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

۳۔ سنّت وآثارِ صحابہ کا علم:۔ قرآن وسنّت اور آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا پوری طرح علم رکھتا ہو۔ اور فہم وفراست کے ساتھ اِن پر اسے مکمل عبُور حاصل ہو۔

۴۔ فقہ واجتہاد:۔ جن پیش پا افتادہ مسائل اور معاملات کے بارے میں واضح ہدایات قرآن وسنّت میں موجود نہ ہوں اُن کے لئے اجماع وقیاس اور استحسان کے اصول پر مبنی حالاتِ زمانہ اور ضرورتِ وقت کے مطابق سمجھ بوجھ کے ساتھ اجتہاد کر سکتا ہو (لیکن فقہاء کے نزدیک اجتہاد قاضی کے لئے شرط لازم نہیں ہے بلکہ اس کا ہونا، اولویت کے درجہ پر ہے)

۵۔ عُہدہ کی طلب نہ ہو:۔ جس شخص کو منصبِ قضا پر فائز کیا جائے وہ ذاتی طور پر ہرگز

اس عہدہ کی طلب نہ رکھتا ہو۔ بلکہ دوسروں کے پیش کرنے پر وہ اس عہدہ کو قبول کر رہا ہو۔اسی طرح ذمہّ داری کا احساس رکھنے والے جب لوگوں کے اصرار پر کام سنبھالتے ہیں۔تو اللہ کی مدد اُن کے شاملِ حال ہوتی ہے۔حدیثِ نبویؐ میں ہے کہ:

"من طلب القضاء واستعان عليه وكل عليه ومن لم يطلب القضاء ولم يستعن عليه انزل اليه ملكا يمدده۔

جوشخص عہدۂ قضا کا طالب ہو،اور اس کے لئے امداد کا خواہاں ہو،اُس کو بے سہارا چھوڑ دیا جاتا ہے۔اور جو اس عہدہ کا طالب نہیں ہوتا،اور نہ ہی مدد کا خواہشمند،اُس کی طرف فرشتہ اتارا جاتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔"

خود نبی اکرم ﷺ عہدہ کے خواہشمند کو عہدہ سپرد کرنے سے اجتناب فرمایا کرتے تھے۔جیسا کہ ارشادِ مبارک ہے:

"اناو اللّه لا نولّی احدًا ساله' او احدًا حرص عليه۔"

خدا کی قسم میں کسی ایسے شخص کو کام کا ذمہّ دار نہیں بناؤں گا۔جو مجھ سے اس کا سوال کرے گا یا جو اس کا حریص ہوگا۔

۶۔تند خو اور بد مزاج نہ ہو:۔ اسلام نے تو ایک عام آدمی کو بھی رفق و ملاطفت اور حسنِ خلق کی تعلیم دی ہے۔چہ جائیکہ ایک جج یا قاضی ہی اس سے محروم ہو۔نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:۔

"انّ اللّه رفيق يحبّ الرفق ويعطى على الرفق مالايعطى على العنف"

''اللہ نرم خو ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے۔اور جو کچھ نرمی پر عطا کرتا ہے وہ سختی پر نہیں دیتا"

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کو بھی یہی فرمایا کہ "نرمی اختیار کرو اور سخت کلامی و فحش

گوئی سے بچو۔ کہ رفق وملاطفت باعثِ زینت ہے۔

۷۔سخت گیر نہ ہو:۔ اس لئے کہ سخت گیری ظلم کی دلیل ہے۔اور ظلم وجور اسلام میں حرام ہے۔اس واسطے قاضی کو چاہیئے کہ سخت گیری سے اجتناب کرے۔اور قانون کے مطابق صحیح فیصلہ کرے۔چاہے وہ فیصلہ سخت ہو یا نرم،خواہ مخواہ اپنی طبیعت کو سختی پر مائل نہ کرے۔جس سے ناانصافی ہو۔

۸۔صاحبِ عناد نہ ہو:۔ قاضی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صاف دل اور مخلص ہو۔اور فیصلہ کے وقت مملکت کے باشندوں میں سے کسی کے خلاف بھی
بغض وعناد دل میں نہ رکھے۔بلکہ کھلے ذہن کے ساتھ بات کی تہہ تک پہونچنے کی کوشش کرے تاکہ انصاف کرسکے۔خدانخواستہ اگر کوئی منصف بغض وعناد کی بناء پر انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے۔تو حکم یہ ہے کہ اُس کی ہرگز حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے کہ:

"یاایھا الّذین امنوا کونوا قوّامین للّٰہ شھداء بالقسط و لا یجرمنّکم شناٰن قومٍ علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوھو اقرب للتّقویٰ"

اے ایمان والو!اللہ تعالیٰ کے لئے احکام کی پوری پابندی کرنے والے،انصاف کی شہادت ادا کرنے والے رہو،اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل ہی نہ کرو۔عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

یعنی دوست اور دشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملہ میں جذبات،محبت وعداوت سے قطعاً مغلوب نہ ہونا،حصول تقویٰ کے موثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے۔کہ جن سے قاضی کے دل کا معمور ہونا ازبس

ضروری ہے۔

۹۔عزم وحوصلہ اور یقین کا مالک ہو:۔ ایسا شخص جسے اپنے متعلق یہ اندیشہ ہو کہ کہیں وہ ناانصافی یا ظلم کرنے کا مرتکب نہ ہو جائے۔اور اس میں حق وصداقت پر جم جانے اور استقامت کے ساتھ فیصلہ دینے کا عزم وحوصلہ اور یقین نہ ہو، اُسے ہرگز عہدۂ قضا پر فائز نہیں ہونا چاہیئے۔اس لئے کہ اسلام نے تو قاضی سے ایسی استقامت اور ہمت کا تقاضا کیا ہے کہ وہ اپنے فرائض بجالانے میں انتظامیہ کے اثر سے بھی مکمل طور پر آزاد ہو۔اور اس سلسلہ میں وہ صدرِ مملکت کی مداخلت بھی قبول نہ کرے جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ کے باب آداب القاضی میں ہے کہ:

"عدالت جب کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ کر دے تو اس کے بعد امیر مملکت اُسے حکم دے کی وہ اس مقدّمہ کی دوبارہ سماعت علماء کے سامنے کرے تو عدالت پر اس حکم کا ماننا واجب نہیں۔

۱۰۔عہدۂ قضا کے لئے پوری طرح اہل ہو:۔ حکومت کے دیگر عہدوں کی مانند عہدۂ قضا بھی قاضی کے پاس ایک بیش قیمت امانت ہے۔یہ امانت صرف اسی کے سپُرد ہونی چاہیئے۔جس میں اس کی پوری اہلیّت اور قابلیّت ہو ورنہ نااہل اور نالائق افراد کا ایسے ذمہّ دار مناصب پر فائز ہو جانا مملکت کے لئے تباہی اور ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"اذا ضیعت الامانة فانتظر السّاعة قیل یارسول اللّٰه وما اضاعتها قال اذا وسّد الامر الی غیر اهله فانتظر السّاعة۔"

جب امانت برباد کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو۔کہا گیا اے اللہ کے رسول امانت کی بربادی کیا ہے؟ فرمایا جب کام اُس کے نااہل کے سپُرد کر دیا

جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔"

تلک عشرۃ" کاملہ:۔ یہ ہیں وہ دس اوصاف جو کہ رسولِ اکرم ﷺ کے عطا کردہ نظامِ عدل میں قاضیوں اور منصفوں کے اندر بدرجہ اُتم موجود ہوں کہ جن پر اس نظام کی کامیابی کا سو فیصد انحصار ہے۔اور جن کی بنا پر یہ نظام دوسروں سے ممیز اور ممتاز ہے۔

گواہوں کی کٹھن ذمہ داری

جہاں پر عدل و انصاف کی مسند پر بیٹھ کر قاضی پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے۔وہاں پر گواہی کے وقت گواہوں پر بھی لازم ہے کہ وہ جنبہ داری اور پاسداری میں ہرگز ملوث نہ ہوں۔ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ گواہ کو خود اپنے ہی خلاف گواہی دینی پڑے یا اُسے ماں باپ کی محبت جھوٹ پر مجبور کرے یا کبھی رشتہ داروں یا دوستوں کی جانب سے دباؤ پڑے تو اِن صورتوں میں اسلام نے خصوصی ہدایت کی ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو حق و صداقت کے معاملہ میں ذرّہ برابر بھی قدم میں جنبش نہ آنی چاہیئے۔ اسی طرح بعض اوقات امیر کی امارت اور مالدار کی دولت سامنے کھڑی ہو جاتی ہے اور کبھی غریب و نادار کی بے کسی اور مفلسی گواہ کو جھوٹ یا غلط بیانی پر مائل کرتی ہے۔تو اس سب حالات میں حق و صداقت پر قائم رہنا،اور انصاف کی خاطر ڈٹ جانا گواہ کے لئے ناگزیر ہے۔ربّ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"یایّھا الّذین امنو کونوا قوّامین بالقسط شھداء للّٰہ ولو علیٰ انفسکم اوالوالدین والا قربین ان یّکن غنیاً او فقیرًا فاللّٰہ اولیٰ بھما فلا تتّبعو االھویٰ ان تعدلوا۔"

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو۔ اور اللہ کی طرف کی گواہی دو اگر چہ تمہارا تمہارے والدین کا یا قرابت داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ تم سے زیادہ خیر خواہ ہے سو تم انصاف کرنے میں دل کی خواہش کی پیروی نہ کرو۔

اس آیت میں سچّی گواہی کی اہمیّت اور گواہوں کی کٹھن ذمہ داری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جیسا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تفسیری ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ: اے ایمان والو تمام معاملات میں ادا کے وقت بھی اور فیصلہ کے وقت بھی انصاف پر خوب قائم رہنے والے اقرار یا شہادت کی نوبت آئے تو اللہ کی خوشنودی کے لئے سچّی گواہی اور اظہار دینے والے رہو۔ اگر چہ وہ گواہی اور اظہار اپنی ہی ذات پر ہو۔ جس کو اقرار کہتے ہیں۔ یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو۔ اور گواہی کے وقت یہ خیال نہ کرو کہ جس کے مقابلہ میں ہم گواہی دے رہے ہیں۔ یہ امیر ہے اس کو نفع پہنچانا چاہیئے۔ تاکہ اس سے بے مروّتی نہ ہو یا یہ غریب ہے اس کا کیسے نقصان کر دیں۔ تم کسی کی امیری غریبی کو نہ دیکھو۔ کیونکہ وہ شخص جس کے خلاف گواہی دینی پڑے گی۔ اگر امیر ہے تو، اور غریب ہے تو، دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلّق ہے۔ اتنا تعلّق تم کو نہیں۔ کیونکہ تمہارا تعلّق جس قدر ہے۔ وہ بھی انہی کا دیا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو جو تعلّق ہے وہ تمہارا دیا ہوا نہیں۔ پھر جب باوجود تعلّق قوی کے اللہ تعالیٰ نے ان کی مصلحت اسی میں رکھی کہ اظہارِ حق کیا جائے تو تم تعلّق ضعیف پر ان کی ایک عارضی مصلحت کا کیوں خیال کرتے ہو؟ سو تم اس

شہادت میں خواہشِ نفس کا اتباع مت کرنا۔ کہ کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ۔ اگر تم کج بیانی کرو گے یعنی غلط اظہار دو گے، پہلو تہی کرو گے شہادت کو ٹالو گے تو یاد رکھنا، کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں۔"

نظامِ عدل کے قیام کی راہ:۔ چنانچہ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اسلام کا نظامِ عدل اپنے نمایاں اور امتیازی خصوصیات کی بنا پر اپنی جگہ یقیناً بے مثال اور باکمال ہے۔ یہ نظام اپنی خوبیوں اور بھلائیوں کے باوصف ہی دراصل اللہ کی جانب سے برکات کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اگر دنیا والے یہ اصول صحیح معنوں میں اپنالیں تو اس سے مستفید ہو کر دونوں جہان کی فلاح اور مکمل کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

مراجع ومصادر

۱۔سورۃ الانعام : ۱۵

۲۔سورۃ القمر:۴۹

۳۔مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر

۴۔مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر

۵۔سورۃ النسآء : ۵۸

۶۔بیان القرآن ص : ۱۲۶، ج:۲

۷۔السیاستہ الشرعیہ : ص: ۲

۸۔السیاستہ الشرعیہ: ص ۲

۹۔سورۃ النسآء : ۸۵

۱۰۔اشہر مشاہیر الاسلام ص ۳۸۳:ج ۲

۱۱۔اشہر مشاہیر الاسلام ص ۳۸۳:ج ۲

۱۲۔اشہر مشاہیر الاسلام ص ۲۸۲:ج ۲

۱۳۔تمدنِ عرب

۱۴۔تمدنِ عرب ص ۱۲۴

الابن حجر عسقلانی ص : ۲۰۶

۱۵۔طبقاتِ ابن سعد ص ۲۱۱:ج ۳

وکتاب الخراج ص ۲۶

۱۶۔طبقاتِ ابن سعد ص ۲۱۱: ج ۳

اثر ص: ۴۳

۱۷۔طبقاتِ ابن سعد ص ۲۱۱:ج ۳

اثر ص : ۵۰

۱۸۔اشہر مشاہیر الاسلام ص ۳۸۳: ج ۲

۱۹۔مشکوٰۃ باب ماعلی الولاۃ

۲۰۔جمع الفوائد ص ۲۱۹: ج ۱

۲۱۔مشکوٰۃ کتاب الامارۃ

۲۲۔مشکوٰۃ کتاب الامارۃ

۲۳۔سورۃ المائدہ :۸

۲۴۔تفسیر ابنِ کثیر ج ۲ :ص ۳۰

۲۵۔تبصیر الرحمان ج ۱ :ص ۱۸۱

۲۶۔صحیح بخاری باب اقامتہ الحد

۲۷۔کتاب الترغیب والترہیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

بے شک تمہارے پاک ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

ہیں جو تم ہی میں سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○

گراں گزرتی ہے وہ تمہاری منفعت کے بیحد چاہنے والے

ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

(التوبہ ۱۲۸)

کمالِ اقدارِ انسانی

حضور سرور کائناتﷺ کے پیغام عظیم میں دکھی انسانیت کے واسطے تمام تر محبتیں اور شفقتیں پوری جامعیت کے ساتھ ایک جگہ مجتمع نظر آتی ہیں۔ جہاں پر حضورﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر دنیا والوں کی طرف مبعوث فرمانے والا اللہ خدائے رحمان ورحیم ہے، وہاں پر آپﷺ بھی نبی رحمت ہونے پر رؤف ورحیم ہیں۔ اور رب العالمین کی جانب سے رحمتوں کے زمزمے بہار ہے ہیں کہ جن سے فیضیاب ہوکر آپ کے اطاعت گذار بھی رحماء بینہم کے منصب جلیلہ پر فائز کیئے جاتے ہیں۔ رب کریم نے آپﷺ کو رحمتوں کی تقسیم کا فریضہ تفویض فرمایا، کہ حضورﷺ کی ساری زندگی اعلیٰ اقدار پر مشتمل تمام انسانوں کے لئے سراپا تسلی وتشفی کے ساتھ غم و آلام کا مداوا بھی ہے۔

۱۔ اسوۂ کامل

۲۔ ابدی اور آفاقی نظامِ زندگی

۳۔ رحمتوں کے زمزمے

۴۔ آیتِ رحمت کی تفسیر

۵۔ کائنات انسانی کے لئے ہدیہ

۶۔ اسلامی شورائیت کے زریں اصول

۷۔ انسانیت میں نکھار

۸۔ معاشرتی انصاف اور عدل اجتماعی کا نمونہ

۹۔ انسانیت کا منشورِ اعظم

۱۰۔ سسکتی اور دم توڑتی انسانیت کے لئے مژدہ جانفزا

۱۱۔ ربانی نظامِ معاشرت کی ضرورت

۱۲۔ کمالِ رحمت وشفقت

۱۳۔ لارڈ ولیم میور لکھتا ہے

۱۴۔ اخوت ومساوات کا منظر

۱۵۔ احترامِ انسانیت کا عظیم سبق

۱۶۔ بطنِ مبارک پر ایک کی بجائے دو پتھر

۱۷۔ جنگل سے لکڑیاں لانے کی ذمہ داری

۱۸۔ جلیل القدر اسوۂ حسنہ

اسوہ کامل

حضور سرور کائناتﷺ کی ابتدائی زندگی سے ہی یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ آپ انسانوں کے لئے اعلیٰ اقدار کا نمونہ اور اسوۂ کامل ہیں۔ دین کامل کے آخری پیغمبر اور خاتم النبین ہونے کی حیثیت سے آپ نے زندگی کے تمام ترشعبوں میں انسانوں کی جو راہنمائی کی ہے۔ اسی کے تحت آپ کی ذات، بابرکت میں ہر زاویہ اور ہر پہلو سے انسانی اقدار اپنی فطری اور اصلی صورت میں نمایاں اور اجاگر ہیں کہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ(۱) کی آیت گرامی قدر آپ ہی کے بارے میں اعلیٰ اقدارِ انسانی کا سرچشمہ کمال ہونے پر رب کریم کا اعلانِ عظیم ہے۔

ابدی اور آفاقی نظامِ زندگی

اس بنا پر ہماری یہ بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ ہم اس نبی کی امت میں پیدا ہوئے ہیں جو اقدارِ انسانی کا مکمل نمونہ ہوتے ہوئے سب انسانوں کے لئے رحمت، تمام زمانوں کے لئے رحمت، اور سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے کہ آپ کے سایہ عاطفت میں ایک ایسا ابدی اور آفاقی نظامِ زندگی دنیا والوں کو ملا ہے جو پوری انسانیت کیلئے اعلیٰ اقدار کا منشورِ کامل ہے۔ اور جس کی ہر دور اور ہر زمانے میں انسانوں کو ضرورت رہی ہے۔ اس وجہ سے حضور ﷺ کے پیغامِ عظیم میں دکھی انسانیت کے واسطے تمام تر محبتیں اور شفقتیں پوری جامعیت کے ساتھ ایک جگہ مرتکز نظر آتی ہیں۔

رحمتوں کے زمزمے

جہاں پر حضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر دنیا والوں کی طرف مبعوث فرمانے والا اللہ خدائے رحمان و رحیم ہے۔ وہاں پر آپ نبی رحمت ہونے پر رؤف و رحیم ہیں۔ اور رب العالمین کی جانب سے رحمتوں کے زمزمے بہار رہے ہیں کہ جن سے فیض یاب ہو کر آپ کے اطاعت گذار بھی رحماء بینھم کے منصب جلیلہ پر فائز کیئے جاتے ہیں۔ رب کریم نے آپ ﷺ کو رحمتوں کی تقسیم کا فریضہ تفویض فرمایا، کہ حضور ﷺ کی ساری زندگی اعلیٰ اقدار پر مشتمل تمام انسانوں کے لئے سراپا تسلی و تشفی کے ساتھ غم و آلام کا مداوا بھی ہے۔

کان یاتی ضعفاء المسلمین ویزورھم ویعود مرضا ھم ویشھد جنا ئز ھم(۲)

نبی اکرم ﷺ کمزوروں کے پاس تشریف لاتے۔ ان سے ملاقات فرماتے، مریضوں کی عیادت کرتے اور جنازوں میں حاضر ہوتے۔

آیتِ رحمت کی تفسیر

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین (۳) کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایمان لے آیا۔ آپ کی وجہ سے دنیا اور آخرت دونوں میں اس پر رحمتِ تام ہوئی۔ اور جو ایمان نہ لایا وہ بھی انسانی ہمدردی کے تحت اس فوری عذاب سے بچ گیا۔ جس کا پہلی امتیں شکار ہوتی رہیں۔ جیسا کہ چہروں کا مسخ کیا جانا۔ زمین میں دھنسایا جانا۔ اور پتھر برسایا جانا وغیرہ۔

کائناتِ انسانی کے لئے ہدیہ

ارشاد نبوی ﷺ ہے فرمایا کہ بعثت رحمة مهداة کہ مجھے کائناتِ انسانی کے لئے ہدیہ اور تحفہ کے طور پر سراپا رحمت وشفقت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے درخواست کی گئی کہ مشرکوں کے لئے بد دعا فرمایئے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انی لم اُبعث لعانا وانما بعثت رحمة (۵)

کہ مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ اور مجھے تو رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔

اس بنا پر دور حاضر میں انسانوں کو نفرتوں اور حقارتوں سے نجات دلانے کے لئے حضور ﷺ کا پیغام سیرت ہی وہ عالمگیر پیغام ہے جس کی بنیاد پر ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ہدایت، ایک امت اور ایک آفاقی دعوت پر ہے۔ اسلام کے علاوہ دیگر

مذاہب عالم میں اور فکر جدید کے مختلف نظریات میں لازوال اقدارِ انسانی پر مشتمل ایسا جامع اور مکمل نظام کہیں بھی موجود نہیں۔

اسلامی شورائیت کے زریں اصول

نبی کریم ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ نہ صرف معیشت اور معاشرت میں توسط، اعتدال اور میانہ روی کا سبق دیا۔ بلکہ سیاسی شعبہ میں بھی مغربی جمہوریت کی بجائے، اسلامی شورائیت کے زریں اصول پیش فرمائے کہ جن میں ان اکـرمـکـم عـنـد اللّٰـه اتقاکم (٦) کے مضمون کے مطابق انسانی شرافتوں اور عزتوں کی بلند ترین اقدار کو خدا خوفی اور تقویٰ کے اعلیٰ ترین میرٹ پر منحصر قرار دیا۔ جو کہ خشیت الٰہی اور محبت رسول ﷺ سے عبارت ہے۔ اور جس کو چھوڑ کر انسان نہ صرف انسانیت کے نقد بے بہا کو ہی ضائع کر بیٹھتا ہے۔ بلکہ انسانی شکل وصورت میں حقیقتاً درندہ اور چوپایہ بن کر رہ جاتا ہے۔

انسانیت میں نکھار

اس کے برخلاف اگر تقویٰ کا سرمایہ پاس رہے۔ تو انسانیت میں نکھار پیدا ہوتا ہے۔ اور انسانی زندگی کی اعلیٰ اقدار کو معاشرے میں پنپنے اور اجاگر ہونے کا موقع میسر آتا ہے۔ پھر ایسے افراد پر مشتمل معاشرہ بھی انسانیت کے لئے امن و عافیت کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

معاشرتی انصاف اور عدلِ اجتماعی کا نمونہ

اس بنا پر حضور سرور کائنات ﷺ نے معاشرتی انصاف اور عدل اجتماعی کا جو عملی نمونہ دنیا والوں کے سامنے پیش فرمایا ہے۔ رنگ ونسل، فرقے، برادری اور گروہوں

کی تفریقات کا شکار آج کا انسان اس سے رہنمائی حاصل کر کے نفرتوں اور اذیتوں سے نجات پا سکتا ہے۔ اس لئے کہ انسانی اعلیٰ اقدار میں سے سب سے بڑی قدر عالی اور حق تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت زندگی کا امن وسکون بھی ہے۔ جو کہ انسانیت کے قیام وبقاء کے لئے اشد ضروری ہے۔

انسانیت کا منشورِ اعظم

اس واسطے حضور ﷺ کائنات ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے بین الاقوامی اعلامیے میں جو منشورِ اعظم پائیدار طریقہ سے پیش فرمایا ہے۔ وہ ایسے آفاقی اقدار اعلیٰ کی نشاندہی کرتا ہے۔ کہ جس کے تحت تمام تفریقات کو ختم کر کے پورے عالم میں اعلیٰ اقدار انسانی کا تسلط ہوگا۔ اور دنیا بھر کی انسانی برادری ایک ہی آفاقی ہیئت اجتماعی کی تشکیل کر کے انسانیت کو ہر طرح کے غم وآلام سے نجات دلا سکے گی۔ اور یہ منزل یقیناً آپ ہی کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے حاصل ہوگی۔ جو اپنی جگہ کافۃ للناس اور رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لائے۔ اور رب الناس اور رب العالمین کا پیامبر بن کے مبعوث ہوئے۔

اسی بنا پر داعی اسلام نے اپنے عہد کے سب سے بڑے اجتماع سے عرفات میں خطاب فرماتے ہوئے بتکرار اعلان فرمایا کہ

فان دمائکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شهرکم هذا (۷)

بیشک تمہارے خون، تمہارے اموال، اور تمہاری عزتیں، تمہارے آپس میں اس طرح قابل احترام ہیں۔ جیسے تمہارا یہ دن تمہارے اس شہر میں، تمہارے اس مہینے کے اندر

سسکتی اور دم توڑتی انسانیت کے لئے مژدۂ جاں فزا

آپ ﷺ کا یہ اعلان عظیم جس کے سامنے کنگ جان کا میگنا کارٹا ۱۹۴۵ء کا استلانتک چارٹر یا اقوام متحدہ کا منشور بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ابد تک کے لئے سسکتی اور دم توڑتی انسانیت کے لئے مژدہ جانفزا ہے۔ دو عالمی جنگوں میں انسانیت کی تباہی اور ہلاکت کے بعد انسان اب دائمی امن کی تلاش میں ہے۔ جبکہ نئی نئی مہلک ایجادیں جدید ترین جنگی، ہتھیار نام نہاد ترقی یافتہ انسان کی خونخوار ذہنیت کا ثبوت ہیں۔ کہ جس کا مداوا از بس ضروری ہے۔ آج ہر ایک منٹ میں تیس بچے بھوکے اور لاعلاج مر جاتے ہیں۔ اور اسی ایک منٹ میں اسی لاکھ سے زائد روپے سامان جنگ پر خرچ کیئے جا رہے ہیں۔ ادھر حقوق انسانی کے بین الاقوامی کمیشن کی رپورٹ کے مطابق دنیا میں فرقہ وارانہ عدمِ رواداری بڑھتی جا رہی ہے اور تعصب کی بنیاد پر ایذا رسانی قتل و غارتگری توہمات پر مبنی بری جاہلانہ رسمیں پوری طرح زوروں پر ہیں۔ اور مقدس عمارات کی توہین بھی عروج پر ہے۔ (۸)

ربانی نظام معاشرت کی ضرورت

اس لئے اس خطرناک ترین دور میں آج اس ربانی نظام معاشرت کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے جو انسانی زندگی کے لئے اعلیٰ اقدار کے تحفظ کی ضمانت دے رہا ہو۔ ایسا نظام جس میں انسانی وحدت و مساوات، باہمی تعاون، شرافت، انسانی، عفو و درگزر، حریت فکر، عدل و انصاف، ایفائے عہد اور اخوت و محبت کو جزو لازم کی حیثیت حاصل ہو، اور جس میں کبر و نخوت، دولت و ثروت، ملکی و نسلی عصبیت اور حب جاہ و اقتدار کی قطعاً گنجائش نہ ہو۔ جو صرف جسموں پر ہی حکمرانی کا

قائل نہ ہو۔ بلکہ دلوں میں خوف خدا، حب رسول، فکر آخرت اور فوز و فلاح کی ایمانی قوتوں کو راسخ کرتا ہو۔ اور جس نے جنس و ملک، زبان و بیان اور شعوب وقبائل کے اختلاف کو وجہ تفریق نہیں، ذریعہ تعارف بنایا ہو۔ اور شرافت وعزت کا معیار صرف پرہیز گاری اور خدا ترسی کو قرار دیا ہو۔

احترامِ انسانیت کا عظیم سبق

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جہاں مومنین صالحین کو زمین میں خلافت عطا فرمانے کیلئے تمکینِ دین کا وعدہ فرمایا وہاں انعام کے طور پر انہیں ڈر کے بدلے میں امن و سکون سے مالا مال کرنے کا اعلان بھی فرما دیا۔ لہذا تاریخ شاہد ہے کہ عالم اسلام پر وہ دور بھی آیا کہ جب اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ اور دنیا والوں نے امن وعافیت کا وہ منظر اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا۔ جس کے دیکھنے کے لئے آج آنکھیں ترس گئی ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اسلام نے اعلیٰ اقدار انسانی پر مبنی احترام انسانیت کا ایسا سبق اقوامِ عالم کے سامنے پیش کیا جس کی دنیا میں مثال نہیں۔ بلکہ ان لوگوں کی بھی کھلی مذمت فرمائی۔ جو زمین میں تخریب وفساد اور تباہی و بربادی چاہتے ہیں تاکہ انسانی حقوق واقدار پامال ہوں۔ اور امن وعافیت خطرے میں پڑ جائے۔

کمالِ رحمت وشفقت

فتح مکہ کے موقع پر عین اس وقت جب دس ہزار صحابہ کرام تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے نبوت کی جانب سے ایک اشارے کے منتظر تھے کہ خون کی ندیاں بہائیں۔ اور جانی دشمنوں سے ان کے مظالم کا انتقام لیں۔ سرور کائنات ﷺ نے کمال رحمت وشفقت سے اعلان فرما دیا کہ

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم (۹) اذھبوا فانتم الطلقاء

آج تم پر کوئی غم نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے گا، جاؤ آج تم سب کے سب آزاد ہو۔

لارڈ ولیم میور لکھتا ہے

کہ آپ ﷺ کے ابنائے وطن نے جس طرح آپ ﷺ کے خلاف سرکشی کی اور مظالم ڈھائے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر ان تمام مظالم کا بدلہ لیا جا سکتا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے ان سب کو معاف فرما کر عظمت وشرافت پر مبنی انسانی اعلیٰ اقدار کا عملی مظاہرہ پیش فرما دیا۔

اخوت ومساوات کا منظر

اس پر بس نہیں سرورِ کائنات ﷺ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے اپنے ساتھیوں میں اخوت ومساوات کی بنیاد پر ایک ایسا منظر قائم فرما دیا کہ جس سے اقدارِ انسانی صحیح معنوں میں نکھر کر اجاگر ہو گئیں اور بلا تفریق احترامِ انسانیت کی ایک مثال کھل کر سامنے آگئی۔

بطنِ مبارک پر ایک کی بجائے دو پتھر

مسجد نبوی ﷺ اور مسجد قباء کی تعمیر کے دوران آپ نے خود مزدوروں کے ساتھ مل کر مٹی کھودی اور پتھر اٹھائے۔ جنگ احزاب کے موقع پر جب صحابہ نے بھوکے رہ کر اور پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کھودی تو نبی اکرم ﷺ نے ایک کی بجائے دو پتھر بطن مبارک پر باندھ کر خود کو سہارا دیا۔ اور تمام وقت خندق کی کھودائی میں صحابہ کے ساتھ رہے۔

جنگل سے لکڑیاں لانے کی ذمہ داری

ایک سفر میں کھانے کا اہتمام ہو رہا تھا۔ سب ساتھیوں نے اپنے اپنے ذمہ کا

کام سرانجام دیا۔ تو جنگل سے لکڑیاں لانے کی ذمہ داری آپ نے قبول فرمائی۔ جب جاں نثاروں نے مودبانہ گزارش کی کہ آپ ﷺ زحمت گوارا نہ فرمائیں۔ تو فرمایا کہ اللہ اس بندے کو پسند نہیں فرماتا جو اپنے ساتھیوں سے الگ تھلگ اور ممتاز رہنے کی کوشش کرے۔ حضور سرور کائنات ﷺ کی اس شفقت و محبت کا ذکر جمیل قرآن پاک نے اس طرح فرمایا ہے کہ

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمومنین روف رحیم (۱۲)

اے لوگو! تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر ﷺ تشریف لائے ہیں۔ جو تم ہی میں سے ہیں کہ تم آسانی کے ساتھ ان کی اعلیٰ اقدار انسانی سے فیض یاب ہو سکتے ہو۔ اس لئے کہ انہیں تمہاری مضرت کی ہر بات نہایت گراں گذرتی ہے۔ وہ ہر دم یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں کوئی بھی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ کیونکہ وہ تمہاری منفعت کے بے حد چاہنے والے ہیں۔ اور ان کا یہ معاملہ تو سب ہی کے ساتھ ہے۔ مگر وہ ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور نہایت مہربان ہیں۔

جلیل القدر اسوہ حسنہ

غرضیکہ حضور سرور کائنات ﷺ نے اپنی شفقت و رحمت اور جلیل القدر اسوۂ حسنہ سے انسانی زندگی کی اعلیٰ اقدار کا ایسا عملی نمونہ پیش فرمایا کہ آج بھی اپنے تو درکنار اغیار بھی آپ ﷺ کی عظمت کردار کے بجا طور پر معترف ہیں۔ اور آپ کو اعلیٰ اقدار انسانی کا نمونہ اور سرچشمہ کمال تسلیم کرتے ہیں۔

مراجع ومصادر

۱۔ سورۃ الاحزاب : ۲۱

۲۔ معجم طبرانی ومستدرک حاکم

۳۔ سورۃ الانبیاء : ۱۰۷

۴۔ معجم طبرانی وسنن کبریٰ بیہقی

۵۔ صحیح مسلم

۶۔ سورۃ الحجرات : ۱۳

۷۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم

۸۔ رپورٹ بین الاقوامی کمیشن برائے حقوق انسانی

۹۔ سورۃ یوسف : ۹۲

۱۰۔ لارڈ ولیم میور

۱۱۔ سورۃ التوبہ : ۱۲۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا ہے مگر تمام

لِّلْعٰلَمِیْنَ ٥

جہانوں کے لئے رحمت بنا کر:

(الانبیاء:۱۰۷)

کمال رافت ورحمت

جس طرح میدان عرفات میں خطبہ حجۃ الوداع کے اعلامیہ سے خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس پر دین اسلام کی تکمیل کا اعلان ہوا۔ اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر لا تثریب علیکم الیوم اذھبو ا وانتم الطلقاء کے اعلان عفو عام سے حضور اکرم ﷺ کی رافت و رحمت کا ظہور کامل ہوا۔ اور ایسا بے مثال مظاہرہ کائنات ہست و بود میں دیکھنے میں آیا۔ جس کی نظیر نہیں۔ جب کہ جاں نثار ساتھی جوش انتقام سے سرشار ہو کر الیوم یوم الملحمہ کے نعرے لگا رہے تھے۔ اور سارا عالم دم بخود تھا۔ کہ ابھی آن واحد میں ضرور کچھ ہونے والا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی حشر بپا ہوگا۔ اور ظالموں کو ظلم وستم ڈھانے کے بدلہ میں کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ لیکن رحمۃ للعالمین کی رحمت عامہ جوش میں آئی۔ جس نے جیالے اور بہادر ساتھیوں کا رخ یکدم موڑ دیا۔ آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ ٹھہر جاؤ۔ آج کا دن لڑائی اور جنگ کا دن نہیں۔ انتقام اور خون خرابے کا دن نہیں۔ بلکہ معافی اور بخشش کا دن ہے۔ اس لئے اعلان ہوا کہ الیوم یوم المرحمہ آج کا دن رحم وکرم کا اور امن وامان کا دن ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ آج ہر اس شخص کو امان ہے جو اللہ کے گھر میں داخل ہو جائے، خود اپنے ہی گھر میں چھپا رہے، یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے لے۔

آج کے دن رحمۃ للعالمین کی بخشش و جان نوازی کا مشاہدہ کیجئے۔ فراخ حوصلگی اور عظمت کا حال دیکھیے کہ اپنے سب سے بڑے دشمن، اور نبوت کے سب سے بڑے مخالف ابوسفیان کو بھی ایک لمحے میں اسلامی مملکت کا معزز شہری بنا دیا۔

۱۸۔ ھندہ کی معافی

۱۹۔ طائف کا حادثہ

۲۰۔ ثمامہ ابن اثال کا واقعہ

۲۱۔ آفاقی منشورِ اخلاق

۲۲۔ رحمت جامد نہیں، متحرک شے ہے۔

۲۳۔ انسانوں کے دکھوں کا مداوا

۲۴۔ عقوباتِ ثلاثہ سے نجات کی راہ

حضور نبی اکرم ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ:

كان النبي يبعث الى قومه خاصة وبعثت الى الناس كافة (۱)

مجھ سے پہلے نبی خاص اپنی قوم کے لے مبعوث ہوا کرتے تھے۔ جبکہ میں تمام نوعِ انسانی کی جانب نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

تو نہ صرف اپنی بعثت عامہ کا ذکر فرمایا۔ بلکہ اپنی ذات بابرکات میں موجود صفت رحمۃ للعالمین کا تذکرہ بھی فرمادیا۔ جس صفت میں آپ ﷺ یکتائے خلائق ہیں۔ ویسے تو آپ کی تمام خصوصیات اپنی جگہ مسلم اور پائیدار ہیں۔ اور آپ کی سیرت طیبہ کا ہر پہلو بے نظیر اور بے مثال ہے۔ لیکن صفتِ رحمت یقیناً اپنی مثال آپ ہے جس سے متصف ہو کر

آپ کی ذاتِ پاک سراپا رحمت اور مجسمہ شفقت و رافت ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین.

ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

لفظ رحمت سے مراد

رحم، رحمت اور مرحمت کے معنی ہیں۔ رحم کرنا، ترس کھانا اور کسی کے ساتھ ایسی خیر خواہی کرنا جس میں گدازِ قلب موجود ہو۔ جدید نفسیات کی رو سے یہ ایک ایسا فطری جذبہ ہے۔ جس میں مادری جبلت پائی جاتی ہے۔ اور جس کے تحت رحم کرنے والا ہر وقت دوسروں کی پرورش اور خبر گیری کیلئے بیتاب رہتا ہے۔

اسی وسطے رحم نسبی قرابت، رشتے داری اور رحم مادر کو بھی کہتے ہیں۔ جو ماں کی مامتا کا دوسرا نام ہے۔ اور انسانی سطح پر رقت و گداز کا ایسا مرکز اور محور کہ ہر آن عزیز و اقارب کے واسطے تڑپتا اور متحرک رہتا ہے۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ رحمت وہ رقت ہے جو رحم کے طالب کیلئے احسان اور نیکوکاری کا تقاضا کرتی ہے۔ کبھی مجرو رقت کو بھی رحمت کہتے ہیں۔ اور کبھی صرف احسان کو جو رقت کے بغیر ہو۔ جیسے رحم اللہ فلاناً اس واسطے جب اس کی نسبت مالک کی طرف ہوگی تو احسان مراد ہوگا۔ اور جب اسے بندے کی طرف منسوب کیا جائے گا تو رقت مراد ہوگی۔ (۳)

ابوالکلام آزاد الرحمٰن اور الرحیم کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ عربی میں رحمت عواطف کی ایسی رقت اور نرمی کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری ہستی کے لئے احسان اور شفقت کا ارادہ جوش میں آجائے۔ پس رحمت میں محبت، شفقت، فضل، احسان سب کا مفہوم داخل ہے۔ اور مجرد محبت لطف اور فضل سے یہ بات زیادہ وسیع اور جامع ہے۔ (۴)

صفتِ رحمت وسیع ہے

اس طرح صفت رحمت کے معنی میں اس قدر وسعت ہے کہ تمام تر پدرانہ، مادرانہ، معلمانہ اور مربیانہ محبتیں اور شفقتیں، ھمدردی وغم گساری، نیکی اور خیر خواہی کے ساتھ یکجا جمع ہو جاتی ہیں۔ لہذا فرمایا کہ

ورحمتی وسعت کل شیء (۵)

اور میری رحمت دنیا کی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

اور یہ امر واقعہ ہے کہ کائنات ہستی میں جو کچھ بھی خوبی وکمال ہے۔ اور زندگی میں جس قدر حسن وجمال اعتدال وتناسب کے ساتھ موجود ہے۔ یہ سب رب تعالیٰ کی رحمت ہے اور خالق کائنات کی رحیمیت کا پرتو ہے۔ اسواسطے صفتِ رحمت اتنی وسیع اور بے پایاں شے ہے کہ انسان ہو یا غیر انسان، مومن ہو یا کافر، فرماں بردار ہو کہ نافرمان، رحمت ہر چیز پر حاوی اور محیط ہے۔ اور اس کے افادہ وفیضان سے بیک وقت تمام مخلوق یکساں طور پر مستفید ہو رہی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ:

قل لمن ما فی السموت والارض قل للہ کتب علیٰ نفسہ الرحمۃ (۶)

آسمان وزمین میں جو کچھ ہے وہ کس کے لئے ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اپنے اوپر ضروری ٹھہرالیا ہے کہ اس کی رحمت عام ہو۔

اس طرح حق تعالیٰ شانہ نے مخلوق کے ساتھ اپنے فضل وکرم سے رحمت کا معاملہ کرنے کا ذمہ لے لیا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ایک نوشتہ اپنے ذمہ وعدہ کا تحریر فرمایا کہ جو کہ ایک کتاب میں جو عرش پر اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ:

ان رحمتی تغلب علی غضبی و انا ارحم الراحمین (۷)

میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔ اور میں رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں۔

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے توریت میں یہ لکھا دیکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین اور ان کی ساری مخلوقات کو پیدا فرمایا تو صفتِ رحمت کے سو حصے کر کے اس میں سے ایک حصہ ساری مخلوقات کو تقسیم کر دیا۔ اس واسطے انسانوں حیوانوں اور دوسری مخلوقات میں جہاں بھی رحمت کا کوئی اثر پایا جاتا ہے۔ وہ اسی تقسیم کا حصہ ہے۔ جو رب تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ رحمت کے باقی ننانوے حصے تو اللہ تعالیٰ نے خاص اپنے لئے رکھے ہیں۔

عالمین کا مفہوم

رحمۃ للعالمین کے خطاب عظیم میں دوسرا اہم لفظ عالمین کا ہے جو عالم کی جمع ہے۔ اور عالم سے مراد ہر وجود پذیر شے کا ایک طبقہ ہے۔ اس طرح کائنات میں کئی عالم ہیں جیسا کہ عالم جن، عالم ملائکہ، عالم انس وغیرہ اور عالمین سے مراد ہے۔ کائنات کی جملہ مخلوقات اور تمام وجود پذیر اشیاء کے سارے طبقات یعنی دنیا بھر کی تمام اجناس۔ انسان فرشتے۔ جنات۔ زمین و آسمان، چاند، سورج، ستارے، ہوا، فضا، برق، باراں غرضیکہ تمام مخلوقات حیوانات، نباتات، جمادات سب عالمین کے مفہوم میں شامل ہیں۔ اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ جیسا یہ ایک عالم ہے اسی جیسے اس سے باہر اور ہزاروں عالم خلاء میں موجود ہوں۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ اس عالم سے باہر ایک لامتناہی خلاء کا وجود دلائل عقلیہ سے ثابت ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔ اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ اس نے

اس لامتناہی خلاء میں ہمارے پیش نظر عالم کی طرح کے اور بھی ہزاروں لاکھوں عالم بنا رکھے ہوں (۹)

حضرت ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ عالم چالیس ہزار ہیں۔ اور دنیا مشرق سے مغرب تک ایک عالم ہے۔ باقی سب اس کے علاوہ ہیں۔

حضرت مقاتل امام تفسیر سے منقول ہے کہ عالم اَسی ہزار ہیں۔ (۱۰)

اس طرح عالمین سے مراد خالق کی ساری مخلوقات اور عرش سے فرش تک کون و مکاں پر مشتمل ساری کائنات ہوگی۔

رحمۃ للعالمین کا منصب جلیل

اس بنا پر رحمۃ للعالمین کے خطاب عظیم سے حضرت محمد ﷺ کو تمام جہانوں اور کل کائنات ہست و بود کے لئے فیضانِ رحمت کا ذریعہ بنا دیا۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ ہر طبقہ کے لئے رحمت ہیں اور آپ کو مخلوقات کی ہر شے سے ہمدردی اور شفقت کی بنا پر رحمت عامہ کی ایسی نشانی اور علامت بنایا کہ جہاں پر اس کائنات کا مالک رب العالمین ہے۔ وہاں آپ بھی رحمۃ للعالمین کے منصب جلیل پر فائز ہو کر تشریف لائے ہیں۔ اور اگر خالق کائنات رحمان و رحیم ہو کر اپنی بے پایاں رحمت کے ساتھ ساری مخلوقات پر حاوی ہے۔ تو آپ ﷺ بھی رؤف و رحیم ہو کر مالک کی وسیع و عریض رحمت کاملہ کے مظہر اتم ہو کر مبعوث ہوئے ہیں۔ کہ جس پر وہ سارے عالم میں رحمتوں اور شفقتوں کے زمزمے بہار ہے ہیں۔

قرآن کتابِ رحمت ہے

اس حقیقت کے پیش نظر آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب بھی منبع رشد و ہدایت

ہونے کیساتھ کتاب رحمت بھی ہے۔فرمایا کہ

هذا بصائر للناس هدٰی و رحمة لقوم یوقنون (۱۱)

یہ قرآن انسانیت کے لئے واضح دلائل کی روشنی ہے۔اور یقین رکھنے والوں کے واسطے ہدایت ورحمت ہے۔

ایک اور مقام پر قرآن حکیم کو ہدایت ورحمت اور مریضان نفوس کے لئے شفاء لما فی الصدور قرار دیا۔فرمایا:

یا یها الناس قد جاء تکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور وهدی و رحمة للمومنین (۱۲)

اے لوگوں!یقیناً یہ کتاب تمہارے رب کی جانب سے موعظت بن کر آگئی ہے کہ اس میں دلوں کی بیماریوں کے واسطے نسخہ شفا ہے۔اور ایمان والوں کے لئے ہدایت ورحمت کا سامان ہے۔

نیز یہ بھی فرمایا:

ان فی ذالک لرحمة و ذکریٰ لقوم یومنون (۱۳)

بلاشبہ یقین رکھنے والوں کے لئے اس کتاب میں سرتاسر رحمت وفہم وبصیرت ہے۔

شفقت ورحمت کی ترتیب

اس کتاب رحمت کے مطابق شفقت ورحمت کی ترتیب وتجسیم محض اس بات پر منحصر ہے کہ وہ دوسروں کے لئے کس حد تک نفع بخش اور افادۂ عام کا باعث بنتی ہے۔کیونکہ ہمدردی وغم گساری،محبت والفت اور فضل واحسان کے جذبات اسی وقت کار

گر ہوں گے جب وہ رحمت عامہ کے تحت افادہ و فیضان عام کو موجب ہوں۔ ورنہ صرف افکار و خیالات کی حد تک انہیں رحمت نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ رحمت کلی طور پر عملی شے ہے اور فیضان عام سے ہی اس کا ظہور ہو سکتا ہے۔

منفعت خلائق کی بنیاد

اسلام کے اسی فلسفہ کے تحت رحمت کو دنیا و آخرت میں افادہ عام اور منفعت خلائق کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی وہ حکمت لازوال ہے۔ جس پر نبی اکرم ﷺ زندگی بھر قائم رہے۔ اور انسان تو درکنار دیگر جانداروں اور حیوانوں کے ساتھ بھی رحمت و شفقت سے پیش آئے کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں۔ اس طرح رحمت عامہ کو پھیلا کر دنیا میں عام کرنے کی تلقین فرمائی۔ تاکہ انسان دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہو کر عذاب جہنم سے بچنے میں کامیاب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ اکثر دعا فرمایا کرتے تھے کہ

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الأخرة حسنة وقنا عذاب النار (۱۴)

اے رب ہمارے ہمیں دنیا اور آخرت ہر دو جہانوں میں بھلائی عطا فرما۔ اور آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔

یہ امت، اُمتِ رحمت ہے

رحمتِ عامہ اور افادہ عام کے اسی تصور کے تحت امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو بھی امت رحمت بنایا گیا تاکہ اس کے افراد حضور نبی اکرم ﷺ کے پیغام رحمت کو اکنافِ عالم تک پہنچائیں۔ اور آپ کے رحمۃ للعالمین ہونے کے عظیم منصب کو دنیا والوں کے سامنے عملی طور پر اس طرح پیش کر دیں کہ ہر کوئی مصیبت کا شکار اور

دکھی انسان نہ صرف دین اسلام کے سایہ عاطفت کو گوشۂ عافیت سمجھے بلکہ رحمۃ للعالمین کے پیغام رحمت کو قبول کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہو۔ اسی بنا پر اس امت کو بہترین امت قرار دیا۔ تاکہ اس کے افراد خاتم النبیین کے دین کو اپنی سعی و کوشش سے اور رحمت و شفقت کی اخلاقی قوت سے ادیانِ عالم پر غالب کر دیں۔ اس لئے فرمایا:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ (۱۵)

تم امتوں میں بہترین امت ہو جسے کل انسانیت کے لئے اس واسطے بھیجا گیا۔ کہ اچھے کاموں کا حکم دیتے رہو اور برے کاموں سے روکتے ہوئے اللہ پر اپنے یقین کامل کو عملاً ثابت کرو۔

اس واسطے اس امت کے بہترین امت ہونے اور اللہ پر اس کے یقین کامل کے ثبوت کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ یہ امت حضور اکرم ﷺ کے پیغام رحمت عامہ کو دنیا والوں پر اجاگر کر دے۔ تاکہ ہر زاویہ زندگی کے لئے دین اسلام کی افادیت اور پیغام رحمت کی منفعت جہانوں پر عام ہو۔

قوموں کے قیام و بقا کی بنیاد

اس بنا پر قرآن نے حق و باطل کی آویزش میں قوموں کے قیام و بقا کا جو اصل بیان فرمایا ہے وہ بقائے اصلح کے حیاتیاتی تصور سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ اور جامع ہے قرآن کے نزدیک قوموں کے قیام و بقا کی بنیاد یہ ہے کہ کوئی قوم کس حد تک منفعت عامہ کا باعث بنتی ہے۔ اس نے کائنات ہستی کے لئے رحمت عامہ کا یہ قانون ٹھہرا دیا ہے کہ یہاں وہی چیز باقی رہ سکتی ہے جس میں نفع ہو جو نفع بخش نہیں وہ ٹھہر ہی نہیں

سکتی۔ اسے نیست و نابود ہونا ہے اور مٹ جانا ہے۔ حق و باطل کے امتیاز کا معیار بھی یہی ہے۔ اور یہی راز رحمت عامہ کے پس منظر میں کارگر ہے۔ کہ حق وہ ہے جو نفع بخش ہے۔ اور جسے ثابت ہونا، ٹک جانا اور باقی رہنا ہے۔ عربی میں حقق کے معنی ہی قیام و ثبات کے ہیں۔ اور باطل وہ ہے جو نافع نہیں۔ اس لئے اس کا قدرتی خاصہ ہی یہ ہے کہ مٹ جائے محو ہو جائے اور ٹل جائے۔ فرمایا کہ

ان الباطل کان زھوقا (١٦)

واقعی باطل تو گئی گزری شے ہے۔

اس واسطے قرآن کے نزدیک صالح وہ ہے جو نافع ہے۔ اور نافع وہی ہے جو کائنات ہست و بود کے لئے فیضانِ فضل و رحمت بن کر جسم و روح کی کامیابیوں کا پیغام دے۔ اس بنا پر آج اس امت رحمت کا فریضہ اولین یہ ہے کہ یہ امت رحمۃ للعالمین کے پیغامِ رحمت کو عملی طور پر ثابت کر دے تا کہ سسکتی اور دم توڑتی انسانیت سکھ کا سانس لے سکے۔ اور جس طرح نبی اکرم ﷺ خود رحمت بن کر دوسروں کے لئے تڑپتے رہے۔ آج ان کے پیروکار بھی انسانیت کے لئے تڑپتے اور ہمدردی و غمگساری کے ساتھ انسانوں کے کام آنے کی روش اختیار کریں۔ تا کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ یہ امت ہی واحد امت ہے جو انسانیت کے عام دکھوں کا مداوائے کامل بن سکتی ہے۔ چنانچہ فی الوقت امت مسلمہ کے قیام و بقا کی صرف یہی ایک راہ ہے۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اقوامِ عالم منفعتِ عامہ پر مبنی اپنے کارناموں کے ذریعہ آگے بڑھیں۔ اور اس امت کو باطل بن کر مٹ جانے اور عالم سے محو ہو جانے پر مجبور کر دیا جائے۔ اس نازک حقیقت کو ذہن نشین کرانے کے لئے قرآن نے نہایت سادہ اور عام فہم مثال بیان فرمائی ہے، ارشاد ہے کہ

انزل من السماء ماءً فسالت اودية بقدر ها فاحتمل السيل زبداً رابیا و مما يوقدون عليه في النار ابتغاء حلية زبد مثله، كذالک يضرب الله الحق و الباطل. فاما الزبد فيذهب جفاءً و اما ما ينفع الناس فيمكث في الارض، كذالک يضرب الله الامثال (۱۷)

جب آسمان سے پانی برستا ہے اور زمین کے لئے سرسبزی وشادابی کا سامان مہیا ہوتا ہے۔تو آپ دیکھتے ہیں کہ تمام وادیاں نہروں کی صورت میں رواں ہو جاتی ہیں۔ اور جس وقت میل کچیل سے جھاگ بن بن کر پانی کی سطح پر اٹھتا ہے تو سیلاب کی لہریں اسے بہالے جاتی ہیں۔اسی طرح کا جھاگ اس وقت بھی اٹھتا ہے جب لوگ زیور یا کوئی اور چیز بنانے کے لئے دھاتوں کو آگ میں تپاتے ہیں۔تو اس طریقہ سے اللہ بیان کرتا ہے کہ حق باطل کی مثال بھی ایسے ہی ہے کہ اقوام عالم میں جو جھاگ ہوں اور کسی کے کام کے نہ رہیں۔ وہ تو میل کچیل کی صورت میں ختم ہو کر رہ جائیں اور جو کائنات انسانی کے لئے نفع بخش ہوں وہ زمین میں جم کر ٹھہر جائیں۔اور غیر نافع قوتوں پر غالب آ کر رہیں۔

اس بنا پر کارخانہ ہستی کی فطرت کا دستور العمل بھی یہی ہے کہ جہاں تعمیر و تشکیل ہے وہاں تکمیل بھی لازم ہے۔اور تکمیل اسی وقت ممکن ہوگی جب صرف نفع بخش قوتیں ہی باقی رہیں۔ جو غیر نافع ہوں انہیں چھانٹ کر ضائع کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی حقیقت کو قرآن نے بقائے انفع اور قضا بالحق سے تعبیر فرمایا ہے۔اور رحمت عامہ کے فیضان و فضل کا مقتضا بھی یہی ہے۔

رحمۃ للعالمین کا اسوہ حسنہ

حضور سرور کائنات ﷺ نے اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعہ رحمت عامہ کے فیضان و

فضل کے اسی تصور کو زندگی بھرا جاگر فرمایا۔ کہ آپ کی ہر کوشش دکھی انسانوں کے لئے ان کے درد کا مداوا اور سسکتے، دم توڑتے افراد کے واسطے علاج کامل ثابت ہوئی۔ اس لئے کہ آپ سب کی منفعت کے خواہاں ہیں۔ اور کسی کی مضرت نہیں چاہتے۔ فرمایا:

عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمومنین روف رحیم (۱۸)

کہ ان کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے۔ وہ تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند ہیں اور ایمانداروں کے واسطے بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ انسانیت کے ساتھ آپ ﷺ کی رحمت ورافت کا حال دیکھئے کہ آپ کو دوسروں کی منفعت کی فکر دامنگیر ہے۔ اور ہر بات جو مضرت کا باعث ہے آپ پر کس قدر بھاری اور گراں ہے۔ چنانچہ اس جذبہ کو آپ کی ذاتِ گرامی میں نفع بخش حد تک کمال حاصل ہے۔ جس کی بنا پر آپ نہ صرف ایمان والوں کے ساتھ شفیق اور مہربان ہیں بلکہ آپ کا یہ معاملہ ہر کس و ناکس کے ساتھ یکساں ہے۔ اور آپ رحمۃ للعالمین کے منصب جلیل پر فائز ہیں۔

چنانچہ حضرت خدیجہ الکبریٰؓ نے آپ ﷺ کی صفتِ رحمت عامہ کے فیضان و فضل کا ذکر جمیل بڑے حسین انداز میں اس وقت فرمایا جب آپ غارِ حرا سے نزول وحی کے پہلے تجربہ کے بعد گھر تشریف لائے۔ کہ آپ پر خوف طاری تھا۔ جیسے کوئی بڑا حادثہ ہوا ہے۔ تو ام المومنین نے عرض کیا کہ:

کلا واللہ ما یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم و تحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علیٰ نوائب الحق۔ (۱۹)

خدا کی قسم اللہ آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ آپ صلہ رحمی کرتے اور

نادار کا بوجھ اٹھاتے ہیں مسکین کو کھانا کھلاتے ہیں۔ مہمان کی عزت کرتے ہیں اور مصائب کے وقت لوگوں کی اعانت کرتے ہیں۔

گویا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کے اس ذکر جمیل کے ذریعہ ام المومنینؓ نے اسلام کے بقائے انفع کے تصور کو اس انداز میں پیش فرمایا کہ یہ ثابت کر دیا کہ دوسروں کے کام آنے والا بے کسوں کی خبر گیری کرنے والا بیمار اور نادار کا غم خوار کبھی مٹتا اور ذلیل وخوار نہیں ہوتا۔ بلکہ قائم و باقی رہ کر اس طرح ہر دلعزیز اور محبوب ہو جاتا ہے پھر دنیا والے اس کے پیروکار اور اطاعت گذار بننے میں انتہائی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور وہ اپنے حسن عمل اور اخلاق سے انسانوں کے دل جیت کر ان کی کایا پلٹ دیتا ہے حق تعالیٰ بھی عالم میں پنپنے اور غالب آنے کے لئے صرف ایسوں کو ہی موقع دیتے ہیں۔ جو زیادہ سے زیادہ دوسروں کے کام آئیں۔ اور دکھی انسانوں کے دکھ درد میں شریک ہو کر ہمدردی اور غم خواری کا عملی مظاہرہ کریں۔ چنانچہ دنیا والوں نے دیکھ لیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افادہ عام اور فیضانِ عالم پر مبنی رحمت عامہ کا سبق لے کر صحابہ کرام عرب کے سنگلاغ اور بے آب و گیاہ ریگستان سے اٹھے۔ اور چار دانگ عالم پر چھا گئے کہ قرآن نے ان کے غلبہ کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے کہ:

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله و کفیٰ بالله شهیدا محمد رسول الله والذین معه اشداء علی الکفار رحمآء بینهم (۲۰)

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے سیدھی راہ اور سچے دین کے ساتھ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا والوں کے پاس اس لئے بھیجا تا کہ وہ ادیانِ عالم پر اسے غالب کر دے۔ اور اللہ تو حق کو ثابت کرنے کے لئے اکیلا ہی کافی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ

کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھی ہیں وہ کافروں پر زور آور ہیں۔ اور آپس میں بڑے ہی رحم دل ہیں۔

رحماء بینہم کا خطاب عظیم

گویا کہ اس طریقہ سے رحمت عامہ کے فیضان و فضل کے کارکن رحماء بینہم کے خطاب عظیم کے ساتھ رحمۃ للعالمین کے دینِ رحمت کو لے کر یوں اٹھے کہ لیظھرہ علی الدین کلہ کی عملی تفسیر بن گئے پھر ان کے سامنے دنیا زیر ہو کر رہ گئی اور انہوں نے جس طرف بھی نگاہیں اٹھا دیں، کایا پلٹ گئی۔ جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

آیتِ رحمت کی تفسیر

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین کی آیت رحمت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ:

من آمن تمت لہ الرحمۃ فی الدنیا والأخرۃ ومن لم یومن عوفی مما کان یصیب الامم (السالفۃ) من عاجل الدنیا من العذاب (ای من عذاب العام) من المسخ والخسف والقذف (۲۱)

جو کوئی ایمان لے آیا دنیا و آخرت میں اس پر رحمتِ تام ہوئی۔ اور جو کوئی ایمان نہ لایا تو اسے بھی حضور سرور کائنات ﷺ کے سبب دنیا کے ان تمام فوری قسم کے عذابوں سے عافیت ملی جن کا پہلی امتیں شکار ہوتی رہیں۔ جیسا کہ چہروں کا مسخ ہونا۔ زمین میں دھنسایا جانا۔ اور پتھر برسایا جانا۔

ایسے ہی جس وقت ابو جہل نے کفر و انکار پر انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ بی

رحمتﷺ سے عذابِ الیم کا مطالبہ کیا تو حق تعالیٰ شانہ نے کافروں کو عذابِ الٰہی کا مستحق اور سزاوار ہونے کے باوجود عذاب سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اس لئے کہ سرور کائناتﷺ کا وجودِ رحمت اسی بات کا تقاضا کرتا ہے کہ رحمۃ للعالمین کی موجودگی میں بستی والوں پر عذاب نہ آئے چنانچہ اعلان ہوا کہ:

وما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم (۲۲)

اے پیارے رسولﷺ اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ اس حال میں کہ آپ تشریف فرما ہوں۔

آپ کی رافت و رحمت کی عظمت کا تقاضا ہے کہ اپنے تو در کنار کافر دشمن بھی آپﷺ کی شفقتوں سے بہرہ یاب ہوئے۔ اور اپنوں نے آپﷺ کی رہنمائی میں منفعت خلائق اور رحمت عامہ کا مشن جہانوں میں ایسا جاری فرما دیا کہ ہر کوئی دین اسلام کو جوق در جوق اپنانے لگا۔ ورنہ اگر آپﷺ اور آپ کے ساتھی تند خو اور سخت مزاج ہوتے تو ایسے حوصلہ افزا نتائج کا ظہور نہ ہوسکتا۔ چنانچہ فرمایا کہ

فبما رحمة من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضو من حولک (۲۳)

یہ سب اللہ کی جانب سے عطا کردہ آپ کی صفتِ رحمت عامہ کی وجہ سے ہے کہ آپ لوگوں کے ساتھ نرم ہوئے ورنہ اگر آپ سخت اور سنگدل ہوتے تو سب لوگ آپ کے ماحول سے فرار ہو جاتے۔

لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اتنا رحمدل بنایا کہ آپﷺ مومن و کافر، مشرک و منافق سب کیساتھ رحمت و شفقت سے پیش آتے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ:

كان رسول الله ﷺ نبي التوبة ونبي الرحمة (۲۴)

رسول اللہ ﷺ توبہ کے نبی اور رحمت کے نبی ہیں۔

چنانچہ جب آپ سے درخواست کی گئی کہ آپ مشرکین کے بارے میں بددعا فرمائیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

انی لم ابعث لعانا وانما بعثت رحمة (۲۵)

مجھے لعنت بھیجنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ مجھے تو سراپا رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔

ذبیحہ کے ساتھ احسان

اسی بنا پر انسان تو درکنار بے زبان جانوروں اور پرندوں پر بھی آپ ﷺ کی رحمت عام ہوئی۔ یہاں تک کہ ذبح ہونے والے جانوروں پر بھی جن کا ہم گوشت کھاتے ہیں۔

آپ ﷺ کی رحمت شامل حال رہی۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اذا ذبحتم فاحسنوا الذبحة وليرح ذبيحته (۲۶)

جب تم حلال جانور ذبح کرو تو اچھی طرح سے کیا کرو تا کہ ذبیحہ کو راحت ہو۔

یتیم پر شفقت

پھر حضور سرور کائنات ﷺ یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیر کر یوں فرماتے ہیں:

انا وكافل اليتيم كهاتين في الجنة ويشير (۲۷) بالسبابة والوسطىٰ

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والوں دونوں جنت میں ایسے ہوں گے۔ اور پھر اپنی دونوں انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرماتے۔

ننھے بچوں سے پیار

ننھے منھے بچوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے نہلاتے اور اپنے سینے سے لگاتے پھر چومتے اور پیار کرتے ہوئے فرماتے۔

من لا یرحم لا یُرحم

جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

پھر اعلان کرتے ہیں کہ:

الراحمون یرحمهم الرحمان

رحم کرنے والوں پر خود رحمان ہے جو رحم کرتا ہے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ بچوں کو پیار کر رہے تھے کہ ایک بدوی نے دیکھ کر کہا کہ تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو۔ میرے دس بچے ہیں مگر میں نے اب تک بچوں کو پیار نہیں کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

او املک لک ان نزع الله من قلبک الرحمة (۲۸)

تیرے لیے میرے بس میں کیا ہے؟ اگر اللہ نے تیرے دل سے رحمت چھین لی ہے۔

غلاموں سے حسن سلوک

حضور سرور کائنات ﷺ غلاموں اور زیر دستوں پر بھی خصوصی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے غلام کو برا بھلا کہا۔ جس نے حضور ﷺ سے اس بات کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کو ڈانٹا اور فرمایا کہ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ جو خود کھاؤ۔ انہیں بھی کھلاؤ۔ جو خود پہنو انہیں بھی پہناؤ۔ ان کو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ کر سکیں۔

فرمایا کہ ایک بے درد اور بے رحم عورت اس لئے جہنم میں چلی گئی کہ اس نے بلی کو باندھ کر بھوکا مار ڈالا۔ نہ تو اسے کچھ کھانے کو دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ زمین سے اپنی غذا حاصل کر سکے۔ نیز فرمایا کہ ایک شخص پیاسے کتے کو پانی پلانے پر بخش دیا گیا۔ اس پر یہ اصول بیان فرمایا:

فی کل ذات کبدٍ رطبة اجر

ہر زندہ اور تر جگر رکھنے والے جانور کی تکلیف دور کرنے میں ثواب ہے۔

غرضیکہ اگر آج بین الاقوامی سطح پر انسداد بے رحمی کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ تو نبی رحمت ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل رحمت و عاطفت کا اسوۂ حسنہ پیش فرما کر ایک مثال قائم کر دی۔ کہ جس کی آج تک نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

رافت و رحمت کا ظہور کامل

جس طرح میدان عرفات میں خطبہ حجۃ الوداع کے اعلامیہ سے خاتم النبیین ﷺ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس پر دین اسلام کی تکمیل کا اعلان ہوا۔ اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر **لا تثریب علیکم الیوم اذهبوا و انتم الطلقاء** کے اعلان عفو عام سے حضور اکرم ﷺ کی رافت و رحمت کا ظہور کامل ہوا اور ایسا بے مثال مظاہرہ کائناتِ ہست و بود میں دیکھنے میں آیا۔ جس کی نظیر نہیں۔ جبکہ جاں نثار ساتھی جوشِ انتقام سے سرشار ہو کر الیوم یوم الملحمہ کے نعرے لگا رہے تھے۔ اور سارا عالم دم بخود تھا۔ کہ ابھی آنِ واحد میں ضرور کچھ ہونے والا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی حشر بپا ہوگا۔ اور ظالموں کو ظلم و ستم ڈھانے کے بدلہ میں کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ لیکن رحمۃ للعالمین کی رحمت عامہ جوش میں آئی جس نے جیالے اور بہادر ساتھیوں کا رخ یکدم موڑ دیا۔ آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ ٹھہر جاؤ۔ آج کا دن لڑائی اور جنگ کا

دن نہیں۔ انتقام اور خون خرابے کا دن نہیں۔ بلکہ معافی اور بخشش کا دن ہے۔ اس لئے اعلان ہوا کہ الیوم یوم المرحمہ آج کا دن رحم و کرم کا اور امن و امان کا دن ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ آج ہر اس شخص کو امان ہے جو اللہ کے گھر میں داخل ہو جائے، خود اپنے ہی گھر میں چھپا رہے، یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے لے۔

آج کے دن رحمۃ للعالمین کی بخشش و جان نوازی کا مشاہدہ کیجئے۔ فراخ حوصلگی اور عظمت کا حال دیکھیے کہ اپنے سب سے بڑے دشمن، اور نبوت کے سب سے بڑے مخالف ابوسفیان کو بھی ایک لمحے میں اسلامی مملکت کا معزز شہری بنا دیا۔

معافی کا یہ عالم کہ آپ ﷺ نے ہبار جیسے شخص کو بھی معاف فرما دیا۔ جس نے بنتِ رسول کو ان کے مکہ سے مدینے کی جانب سفر کے دوران نیزہ مارا کہ آپ انتقال فرما گئیں۔

ھندہ کی معافی

ہندہ جو ابوسفیان کی بیوی تھی جس نے رسولِ اکرم ﷺ کے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کو قتل کرایا۔ اور سینہ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور کچا چبا گئی۔ پھر حضرت حمزہؓ کے ناک و کان کاٹے۔ دھاگے میں پروئے اور جوشِ انتقام میں گلے کا ہار بنایا۔ لیکن رحمت عالم ﷺ نے نہ صرف اسے معاف فرما دیا بلکہ چچا کے قاتل کو بھی اس کی درخواست پر حلقہ بگوشِ اسلام فرمایا۔ اور اعلان کیا کہ ہر کوئی جو ایمان لے آئے اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف ہو گئے۔ گویا کہ وہ ایسا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے آیا ہے۔

طائف کا حادثہ

اہل طائف نے آپ کو اینٹوں اور پتھروں سے لہولہان کر دیا۔ حضرت جبرائیل ملک الجبال کے ہمراہ تشریف لائے کہ اگر آپ ﷺ حکم دیں تو اس بستی کے رہنے والوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس ڈالیں، لیکن آپ نے فرمایا کہ میں رحمت بنا کر

بھیجا گیا ہوں اور یہ لوگ مجھے نہیں جانتے ۔ اے اللہ انہیں راہِ ہدایت دکھا اور توفیق دے کہ مجھے پہچانیں پھر اوطاس کے موقع پر تمام قیدیوں کو معاف فرما دیا۔ جن میں سے اکثر اہلِ طائف تھے ۔ اور رسول اکرمؐ پر سفر طائف کے وقت اینٹوں کی بارش کرنے والوں میں شامل تھے۔

ثمامہ ابن اثال کا واقعہ

ثمامہ ابن اثال جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا۔ گرفتار ہو کر ۵ ہجری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حال پوچھا۔ ثمامہ نے جواب دیا۔ اگر آپ میرے بارے میں قتل کا حکم دیں گے تو ایک خونی اس کا سزاوار ہے۔ بخش دیں گے تو شکر گذار ہوں گا۔ جرمانہ لینا چاہیں گے تو حاضر ہوں ۔ رقم کا تعین فرما دیجئے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باوجود اسے رہا کر دیا۔ ثمامہ رہا ہوتے ہی قریب کے باغ میں گیا وہاں غسل کیا اور آتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر قبول اسلام سے مشرف ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اعلان کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ میں کسی سے نفرت نہیں کرتا تھا۔ لیکن اب دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر محبوب میری نظر میں کوئی نہیں ہے۔

آفاقی منشورِ اخلاق

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ عالم میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی معافی اور بخشش رحمت و رافت ، رواداری اور وسعت قلبی کی مثال نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ آپ کی مقدس زندگی کائناتِ انسانی کے لئے نمونہ عمل ہے۔ آپ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے تعصّبات سے بالا ہو کر ایسا آفاقی منشور اخلاق پیش

فرمایا جو آج بھی انسانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ خاص طور پر آج کے دور میں جب بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ اور بیٹا باپ کی شفقت سے محروم ہے۔ اس بات کی اہمیت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ کہ ہم زندگیوں میں رحمت عامہ کے تصور کو عملی طور پر اپنائیں۔ اور اپنے اخلاقِ حسنہ سے دین اسلام کو ادیانِ عالم پر غالب کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوں۔

رحمت جامد نہیں، متحرک شے ہے

نیز چونکہ رحمت جامد نہیں۔ متحرک شے کا نام ہے۔ اور اس میں رقت گداز اور سوز کارگر ہوتا ہے۔ اس لئے رحمت وہ ہے جو حرکت کرے، چلے اور بہہ جائے۔ اگر رک جائے تو رحمت نہیں۔ رحمت اسی صورت میں ہے جب اس کا فیضان وفضل جاری و ساری رہے۔ رحمت میں حرکت ہوگی۔ تو خیر و برکت پر مبنی نتائج رونما ہوں گے۔ اور رحمت کا فیضِ عام برکات کے نزول کا باعث ہوگا۔ رحمت اپنے مصادر سے مصارف تک ہر ذرے کے لئے خیر و عافیت کا پیغام لائے گی۔ اور ہر ایک کو امن و امان اور طمانینت و احسان سے بہرہ یاب کرے گی۔

مسلمانوں نے جب سے رحمت عامہ کی حد بندی کر کے عنایتِ خداوندی کو عملاً جامد قرار دیا ہے۔ اور رحمت للعالمین کے فیضان وفضل کے خزانوں کو انسانیانِ عالم کے لئے عام کرنے کی بجائے انہیں محدود خیال کر کے اپنے آپ تک مرتکز کر دیا ہے تو خود مسلمان کی حیثیت خزانے پر بیٹھنے والے سانپ کی سی ہو کر رہ گئی ہے کہ جس کی بنا پر مسلمان قوم ہر لحاظ سے خائب و خاسر ہے۔ اور ذلت و خواری کا شکار ہو کر اقوام عالم کے روبرو زیردستی پر مجبور ہے۔ حالانکہ اگر ایمان والے اپنے اسلام کے بے پایاں کارناموں کی روشنی میں دعوتِ دین کو انسانیت کے لئے فیضِ عام اور منفعت خلائق کا ذریعہ بناتے

تو ہر کس و ناکس کے لئے دنیا و آخرت میں فوز و فلاح کا حصول آسان ہو جاتا۔

انسانوں کے دکھوں کا مداوا

آج دنیائے اسلام میں مادی اور معدنی دولت کی فراوانی کے ساتھ افرادی قوت بھی دوسروں سے کہیں زیادہ ہے۔ پورے عالم کا سب سے اہم خطہ ارضی انہی کے اثر میں ہے۔ اقوامِ متحدہ میں بھی مسلمانوں کے رکن ممالک کی تعداد ایک تہائی سے زیادہ ہے۔ مغرب کے بینکاران ہی کی دولت کے بل بوتے پر اپنے کاروبار چلا رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جب سے ایمان والوں نے اپنی عملی زندگی میں حضور سرورِ کائنات ﷺ کے پیغامِ رحمت کو عام کرنے اور انسانیانِ عالم میں آگے بڑھانے سے پہلو تہی کی راہ اختیار کی ہے۔ ذلیل و خوار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ مسلمان دنیا بھر کے انسانوں کے دکھوں کا مداوا بن کر اٹھیں۔ اور جہانوں میں رحمۃ للعالمین کی رحمت کو عام کر کے دم لیں۔

عقوباتِ ثلاثہ سے نجات کی راہ

آج دنیا افلاس جہالت اور مرض کی عقوباتِ ثلاثہ میں مبتلا ہے۔ امتِ مسلمہ کا آج کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ اس کا ہر فرد نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ رحمت کو مشعلِ راہ بنا کر اٹھے، اور کائنات انسانی کو ان عقوبات ثلاثہ سے نجات کی راہ دکھائے۔ دنیا اس بات کی منتظر ہے اور امید کی نظریں اسلامیانِ عالم پر ہیں کہ دین اسلام کا داعی کب اور کس وقت اپنے نبی ﷺ کی رحمت عامہ کے عظیم مشن کو لے کر اٹھتا ہے اور کمال رافت و رحمت پر مبنی اصول و ضوابط کو عالم پر نافذ کرتا ہے۔

آج اس بات کی ضرورت ہے کہ مسلمان اپنے تمام تر قدرتی وسائل اور مالی ذرائع دل کھول کر جہانیانِ عالم پر خرچ کرنے کا بیڑہ اٹھائیں اور اپنے طور پر جدید

طرز کے ہسپتالوں، تعلیمی اور تحقیقی اداروں، سائنسی اور فلاحی مرکزوں کا قیام عمل میں لا کر حضور سرور کائنات ﷺ کے رحمت عامہ اور فیضانِ عالم کے تصور کی حقیقت جہانوں پر اجاگر کر دیں۔ پھر یہ کام نہ صرف عالمی سطح پر مسلمان حکومتیں باہمی اشتراک وتعاون سے سرانجام دیں۔ بلکہ ہر مخیّر اور صاحب حیثیت مسلمان فرد بھی اس کارِ خیر میں بھر پور حصہ لے۔ تا کہ اقوام عالم کے درمیان قیام و بقا کی حالیہ دوڑ میں امت مسلمہ کامیابی کے ساتھ اپنی منزل کو حاصل کر سکے۔

پھر اس طرح انسانیت کی بھر پور تائید وحمایت کے بعد اقوامِ عالم پر نہ صرف اس امت کی اخلاقی ہیبت جم جائے گی، بلکہ معاشی اور سیاسی اعتبار سے بھی اغیار کا مرہونِ منت رہنے کی بجائے سعی پیہم اور توکل علی اللہ کی بنیاد پر خود اعتمادی اور خود انحصاری عالم اسلام کا مقدر بن جائے گی۔

مراجع ومصادر

۱۔ صحیح بخاری کتاب الصلوۃ
صحیح مسلم کتاب الایمان
۲۔ سورۃ الانبیاء : ۱۰۷
۳۔ مفرداتِ قرآن
۴۔ ترجمان القرآن ابوالکلام آزاد
۵۔ سورۃ الاعراف : ۱۵۶
۶۔ سورۃ الانعام : ۱۲
۷۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم
۸۔ مصنف عبدالرزاق
۹۔ معارف القرآن مفتی محمد شفیع
۱۰۔ تفسیر قرطبی
۱۱۔ سورۃ الجاثیہ : ۲۰
۱۲۔ سورۃ یونس : ۵۷
۱۳۔ سورۃ العنکبوت : ۵۱
۱۴۔ سورۃ البقرہ : ۲۰۱
۱۵۔ سورۃ آلِ عمران : ۱۱۰
۱۶۔ سورۃ بنی اسرائیل : ۸۱
۱۷۔ سورۃ الرعد : ۱۷
۱۸۔ سورۃ التوبہ : ۱۲۸
۱۹۔ صحیح بخاری
۲۰۔ سورۃ الفتح : ۲۸، ۲۹
۲۱۔ الطبرانی فی المعجم والبیہقی فی الدلائل
۲۲۔ سورۃ الانفال : ۳۳
۲۳۔ سورۃ آل عمران : ۱۵۹
۲۴۔ صحیح مسلم
۲۵۔ صحیح مسلم
۲۶۔ صحیح مسلم
۲۷۔ صحیح مسلم
۲۸۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا

ہم نے اپنے رسول نشانیاں دے کر بھیجے اور ان کے ساتھ

معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس

کتاب اور میزان اتارا تا کہ لوگ انصاف پر سید ھے رہیں

بالقسط وانزلنا الحديد فيه باس شديد

اور ساتھ ہی ہم نے لوہا بھی اتارا کہ جس میں بڑا رعب ہے

منافع للناس

اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں

کمال حکمت صلاح و فلاح

اس طرح سرور کائنات ﷺ نے عربوں کی کایا پلٹ دی۔ اور ایک اکھڑ اور جاہل قوم کو اپنے حسن تدبر سے ایسا تہذیب یافتہ اور متمدن بنا دیا کہ جس کی مثال نہیں۔ جاہلیت کی گود میں پلنے والے وہ افراد جو انسانوں کو فقر وغنا کے ظاہری مادی پیمانوں سے ماپتے تھے۔ جن کے ہاں غلام اور آزاد، تنگدست اور تونگر، گورے اور کالے، عربی اور عجمی کی ایسی تفریقات رائج تھیں۔ کہ کوئی گھٹیا درجے کا انسان کسی اعلیٰ پایہ کے رئیس کے ہم پلہ اس کے پہلو میں بیٹھنے کی بھی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔ اور جن کے ہاں شرافتوں اور عزتوں کا انحصار مادی وسائل پر تھا۔ اسوۂ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہو کر وہ آپس میں شیر وشکر ہو گئے۔ ان کی عداوتیں محبتوں میں بدل گئیں۔ اور اب ان کے ہاں شرافت، کرامت اور عزت کا معیار تقویٰ اور خدا کے خوف پر مبنی ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ زندگی میں ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنے لگے، مبادا ہمارا رب ناراض ہو جائے اور اس لئے بھی کہ اللہ کے ہاں عزت والا وہ ہے جو اس کی ذات سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ یہ اسوۂ رسول ﷺ کا ابدی کرشمہ ہے۔ کہ آپ کی بعثت سے پہلے وہ لوگ جو آپس میں جانی دشمن تھے۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد ایک دوسرے کے گہرے ہمدرد، غم خوار، اور دلدار ہوئے۔ اور سابقہ ساری تفریقات مٹا کر وہ راہِ حق میں یکجان ہو کر دشمنانِ اسلام کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔

قوموں کی تاریخ کا فلسفہ

قرآن نے قوموں کی تاریخ کا جو فلسفہ بیان فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر دور میں انسان نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے معاشرتی امن وسلامتی کو خود اپنے، ہاتھوں سے برباد کرتا رہا ہے۔ اور پھر برے اعمال کی پاداش میں مصائب وآلام کو دعوت دے کر معاشرتی زندگی کو عذاب بناتا رہا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ:

ظهر الفساد فی البرّ و البحر بما کسبت ایدی النّاس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلّهم یرجعون (الروم:۴۱)

لوگوں کے اعمال اور اُن کے اپنے ہاتھوں کے کیے سے خشکی اور سمندروں میں

ہر جگہ فساد برپا ہے۔ تاکہ وہ اپنے بعض عملوں کی پاداش میں مزہ چکھیں پھر اس طرح ممکن ہے کہ وہ سیدھے رستے کی طرف پلٹ آئیں۔

ظاہر ہے کہ فساد اور خرابی کا پودا از خود نہیں اگتا، تا آنکہ ایدی النّاس سے اس کی آبیاری نہ کی جائے۔ اسی بنا پر مکافاتِ عمل کا قانون بھی اس کارخانہ ہستی میں مالک کے حکم سے ایک ساتھ حرکت میں آجاتا ہے۔ تاکہ پاداش عمل کے بعد اگر کوئی اصلاح چاہتا ہے تو اس کے لئے کوئی مشکل نہ ہو۔ وہ پلٹ کر راہ راست پر آسکے۔

جامع دستورِ اصلاح

انسانوں میں شر وفساد کے اسی طبعی رجحان کے پیش نظر ہر زمانے میں اصلاح احوال کی ضرورت رہی۔ اور ہر امت اور ہر قوم میں مصلحین آتے رہے۔ تاکہ آنکہ آمد کا سلسلہ مظہرِ تکمیل نبوت و رسالت ﷺ کی تشریف آوری پر پایہ تکمیل کو پہنچا۔ آپ تشریف لائے کہ آپ اپنی بے مثال حکمتِ اصلاح سے پورے عالم کو ایک جامع دستور اصلاح معاشرت عطا فرما دیں۔ تاکہ دنیا اس پر عمل پیرا ہو کر سسکتی اور دم توڑتی انسانیت کو صلاح و فلاح کے گوہر نایاب سے بہرہ ور کر سکے۔

اسلامی معاشرے کی بنیاد

رسول کریم ﷺ کی اس حکمت اصلاح میں اسلام کا معاشرہ خدا پرستی کے ازلی اور ابدی اصولوں پر مبنی ہوتا ہے۔ کہ جہاں پر سیکولر اور لادینی نظریات کا کوئی گذر نہیں۔ اور جس کے افراد جسد واحد کے اعضاء کی طرح ہیت اجتماعی کے مستقل اور باقاعدہ رکن بن کر کام کرتے ہین کہ جب بھی جسم کے کسی حصے کو کوئی بھی شکایت لاحق ہو تو سارا جسم اس کی تکلیف کو یکساں محسوس کرتا ہے۔ پھر اسلامی معاشرے کی مثال ایک کنبے اور خاندان کی سی ہے جس کا ہر فرد آپس میں اسلامی اخوت اور بھائی چارے کے رشتے

میں اس طرح بندھا ہے کہ خاندان کا ہر رکن پورے کنبے کی امن و سلامتی کا ضامن ہے۔اور یہ رشتہ خون کے رشتے سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

مغربی معاشرہ

اس کے برخلاف مغربی معاشرہ ایسے افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔جو باہم مل جُل کر اس لئے رہتے ہیں کہ زندگی کے مادّی وسائل کو جمع کریں۔کیونکہ اُن کے مفادات،اُن کی زبان،رنگ،نسل،علاقہ یا قومیّت کی بنیاد پر مشترک ہیں۔جیسا کہ مشہور مفکّر ولسن کا خیال ہے کہ معاشرہ یا ریاست وہ تنظیم ہے جو ایک قوم میں معین قطعہ ارضی پر قانون کی غرض سے معرضِ وجُود میں آئے۔معاشرے کا یہ تصور سراسر مادّی عوامل پر مبنی ہونے کی وجہ سے ناپائیدار اور عارضی ہے۔کیونکہ اس کے مقاصد صرف دنیا کے مادّی تقاضوں تک محدُود ہیں۔اور رُوح جیسی ازلی اور ابدی حقیقت اور اس کے تمام تر تقاضوں سے یہ معاشرہ قطعاً نا آشنا ہے۔

اسلامی معاشرے کے بنیادی عوامل

لیکن اس کے برخلاف اسلامی تصور معاشرت انسان کے روحانی اور جسمانی ہر طرح کے تقاضوں اور ضروریات کی تکمیل کا نام ہے کہ جس کے پس منظر میں خالقِ کائنات کی ہستی کارفرما ہے۔جو انسان کا خالق بھی ہے اور جس نے خود حضرت انسان کو لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (۲) کے اعلان کے تحت اشرف المخلوقات بنا کر پیدا فرمایا ہے۔اس لئے وہی مالک و خالق ہی خوب جانتا ہے کہ انسانوں کے لئے حسنِ معاشرت کا آئین کیا ہے۔اس لئے وہی ذات اقدارِ انسانی کی ترتیب و تجسیم کے لائق ہے اور اشرف المخلوقات کے لئے بہترین ضابطہ معاشرت کا نفاذ اُسی کے ذمہ ہے۔چنانچہ اسلامی معاشرہ مندرجہ ذیل نبیادی عوامل پر معرضِ

وجود میں آتا ہے۔

ا۔توحید:۔معاشرے کے ہر فرد کے لئے لازم ہے کہ وہ ہر دم اس بات پر پختہ یقین رکھے کہ اس کائنات کا خالق، مالک، ربّ اور معبود وہی ایک اللہ ہے جس کا کوئی ہمسر اور شریک نہیں جو سارے جہانوں کا مقتدر اعلیٰ اور مختار ہے۔سارے اُس کے دست نگر اور محتاج ہیں۔اس کے بنانے سے ہر بات بنے۔وہ نہ چاہے تو کچھ نہ بنے۔چنانچہ اس یقین کے ساتھ توحید کا رنگ دلوں پر جس قدر چڑھا ہوگا، دل اُسی قدر کھوٹ، خیانت، خود غرضی اور نفاق سے پاک ہوں گے۔اور وہ دل جوان رزائل سے پاک ہوں گے۔بے تکلف ایک ایسے متحدہ معاشرے کی شکل اختیار کر لیں گے۔جس کا ہر فرد وحدت فکر و عمل سے مرصع ہوگا۔وہ مل کا ایک ایسی اکائی کی صورت بنائیں گے، جس میں پھر کبھی دوئی پیدا نہ ہو سکے گی۔ان کے افکار، اور ان کی عملی زندگی ہر قسم کے افتراق و انتشار سے پاک ہوگی۔

۲۔ اتباع رسول: توحید کی اس لازوال قوت کے ساتھ جب تک محبت رسول ﷺ کی بنیاد پر اتباعِ رسول ﷺ کا مکمل اہتمام نہ ہوگا۔اس وقت تک معاشرتی اقدار کی تکمیل نا ممکن ہوگی۔اس لئے توحید باری تعالیٰ کے ساتھ اتباع رسول ﷺ بھی معاشرے کے افراد کے لئے لازمی ہوگا۔جیسا کہ فرمایا:

ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله(۳)

اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔جس کا اثر یہ ہوگا۔کہ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

لہذا توحید کا رنگ صحیح معنوں میں دلوں پر صرف اسی وقت چڑھ سکے گا۔جب ہر فرد اتباعِ رسول ﷺ کا عملی پیکر بن کر معاشرے کی تعمیر کا کام سرانجام دے۔اور اتباع

رسول ﷺ کو ہی زندگی کا نصب العین بنائے۔ نیز اگر وہ یہ چاہتا ہے کہ اللہ اس سے محبت فرمائیں تو اس کو چاہیے کہ سنت رسول ﷺ کو اپنی زندگی کا محور بنالے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر کام میں سنت کے اتباع کا التزام کرے تو اللہ کا وعدہ پورا ہوگا۔ کہ وہ اس سے محبت فرمائیں گے۔

۳۔ فکر آخرت:۔ توحید و رسالت کے بعد تیسرا سب سے بڑا معاشرتی عامل عقیدہ آخرت ہے۔ جس کی وجہ سے جزاء و سزا پر کامل یقین ہر وقت انسان کو ہوشیار رکھتا ہے۔ اور انسان محاسبے اور مسئولیت کے خوف سے ہر دم ڈرتا رہتا ہے۔ اور جرم و گناہ یا شر و فساد کی جانب مائل ہونے نہیں پاتا۔ بلکہ رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر برائیوں سے بچنا ہی اس کے لئے خیر و فلاح کا باعث ہوتا ہے۔ فکر آخرت کے اس صاف ستھرے اور حسین انداز سے خود احتسابی اور مسئولیت کا ایک ایسا خود کار اور مؤثر تازیانہ انسان کے ہاتھ آتا ہے کہ جس کے سامنے پورے عالم کے نفاذِ قانون کے بڑے بڑے ادارے بھی ہیچ ہیں اور جس کی بنا پر ہر لمحہ اور ہر آن معاشرے کا ہر فرد فتنہ و فساد اور شرارت کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن کر معاشرے کے تمام افراد کے لئے حسن سلوک، ہمدردی اور بھلائی کا پیکر بن جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی حکمتِ اصلاح پر مبنی اسلامی معاشرہ تقویٰ و خداخوفی، عدل و احسان، حریت فکر، احساس ذمہ داری، حقوق و فرائض کی پاسداری اور مواخات و مواسات کے زریں اصولوں پر مبنی ایک ہمہ صفت صالح اور خوبصورت معاشرہ ہوتا ہے۔

اسلامی معاشرے کے مختلف درجات

طبقاتی منافرت اور گروہی عصبیت کی بنیاد پر معاشرے کی تقسیم کر کے جنگ و

جدل اور فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے کی بجائے اسلام نے حفظِ مراتب، دوسروں کیلئے نفع بخش قوتوں، انفرادی صلاحیتوں اور الاقرب فالا قرب کے فطری معیار پر معاشرے کے لئے مختلف درجات متعین فرمائے ہیں کہ جس کی بنا پر ہر فرد دوسرے کے لئے کارآمد کارآفرین اور منفعت کیش بن کر اس کا مددگار، معاون اور رفیق کار رہوتا ہے۔ اور معاشرے کی تعمیر وترقی میں حصہ لیتا ہے جس کی وجہ سے حسن معاشرت کے ساتھ اجتماعی عدل وانصاف کا قیام بھی عمل میں آتا ہے۔ آیتِ ذیل میں ان درجات کی فہرست درج ہے فرمایا:

واعبدو الله ولا تشركوا به شيئا وبالوالدين احسانا وبذى القربى واليتمى والمساكين والجار ذى القربى والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبيل وما ملكت ايمانكم

یعنی اللہ کی بندگی اور اس کی توحید کے بیان کے بعد ہر کسی سے بھلائی کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے۔ اس کے تحت معاشرے کے درجات اس طرح ہیں۔

۱۔ والدین ۲۔ رشتہ دار الاقرب فالاقرب کے ضابطے پر جو جتنا قریب ہے ۳۔ یتیم ۴۔ مسکین ۵۔ قریب کے ہمسائے ۶۔ دور کے ہمسائے ۷۔ ہم مجلس افراد (دوست احباب) ۸۔ راہ گیر (مسافر) ۹۔ نوکر چاکر (لونڈی غلام)

اس طرح معاشرے کے تمام افراد ادنیٰ سے اعلیٰ تک حسن سلوک اور حسن معاشرت کے اس حکم میں برابر کے شریک ہیں۔ اور کوئی بھی بھلائی کے اصول سے مستثنیٰ نہیں۔ اسی وجہ سے ان سب درجات میں باہمی رواداری، صلہ رحمی، حقوق کی ادائیگی اور معاشرتی عدل کا ایک کلیہ حسن سلوک کو قرار دے کر فرمایا کہ:

واحسن كما احسن الله اليك ولا تبغ الفساد فى الارض (۵)

جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی بندوں کے ساتھ، احسان کر۔ اور دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو۔

دین خیر خواہی کا نام ہے

نیز اس حسن عمل اور احسان کاری کی بنیاد تعاون علی البر والتقویٰ پر رکھتے ہوئے ایک دوسرے کی خیر خواہی اور فلاح جوئی کو اصل دین قرار دیا۔ تا کہ اس طریقہ سے انسانوں پر دوسرے انسانوں کے ساتھ ہمدردی، غمخواری اور خیر طلبی کی اہمیت کھل کر واضح ہو جائے۔ اس لئے فرمایا کہ

الدين النصيحة (٦)

دین تو بس خیر خواہی کا نام ہے۔

اس طرح نصیحت کا لفظ معاشرتی خیر وفلاح کا ایک ایسا سرچشمہ ہے کہ جس سے لاتعداد بھلائیاں اور خیر خواہیاں جنم لیتی ہیں۔ اور شر وفساد اور برائیوں کے سوتے ہمیشہ کیلئے بند ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ

راس العقل بعد الایمان بالله مداراة الناس (٧)

اللہ پر ایمان لانے کے بعد سب سے بڑا دانشمندانہ کام لوگوں کی دلداری کرنا ہے۔

اپنی حیات پاک میں حضور اکرم ﷺ نے خیر وفلاح اور دلداری کا جو عملی مظاہرہ پیش فرمایا ہے۔ اس کی مثال نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ ایک روز بیت اللہ کی دہلیز پکڑ کر فرمایا کہ اے بیت اللہ تو مجھے بڑا محبوب ہے۔ اس لئے کہ تو اللہ کا گھر ہے۔ لیکن یاد رکھ تجھ سے کہیں زیادہ عزیز مجھے وہ دل ہے جس میں ایمان بستا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

معاشرے میں دلداری کی اسی عظیم قوت کو پیدا کرنے اور اسے رواج دینے کے لئے سرور کائنات ﷺ نے چار باتوں کی تلقین فرمائی تا کہ معاشرہ محبت و اخوت کا گہوارہ بن جائے۔ اور اس کا ہر فرد مالک سے جنت الفردوس کی صورت میں انعامات کا طالب ہو۔ فرمایا کہ:

افشو السلام وصلو الارحام واطعمو الطعام وصلو ا بالليل و الناس ينام تدخلو الجنة بسلام. (۹)

اپنے درمیان اسلام علیکم کو عام کر دو، خون کے رشتہ داروں کو ملاؤ۔ دوسروں کو کھلاؤ۔ اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں، اٹھ کر نماز پڑھو تو تم سلامتی اور خیر کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

مومنین کی خصوصیت

واقعہ یہ ہے کہ ان چاروں باتوں سے مومن کا دل شفقت و رحمت کا محور ہوگا۔ اور وہ ہر صورت حال میں دوسروں سے نرم دلی سے پیش آئے گا۔ جیسے کہ مومن کی صفات بیان کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا

اشداء على الكفار رحماء بينهم (۱۰)

کہ مسلمان قوم ایک ایسی قوم ہے کہ جس کی محبت و عداوت اور دوستی و دشمنی، اپنی ذات اور ذاتی حقوق و معاملات کی بجائے صرف اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دین کی خاطر ہوتی ہے۔ اور ان کی لڑائی کا رخ، معاشرے کے امن پسند شہریوں اور اللہ کے فرمانبردار بندوں کی طرف نہیں بلکہ اس کے دشمنوں، شرپسندوں، تخریب کاروں اور نافرمانوں کی طرف ہوتا ہے۔ اپنوں کے ساتھ تو وہ اذلة على المومنين (۱۱) انتہائی شفیق اور مہربان ہوتے ہیں۔

شاعرِ مشرق نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن (۱۲)

صلاح وفلاح کیخاطر نو باتوں کی تلقین

باہمی خیر وفلاح کے اسی اعلیٰ مقصد کے حصول کی خاطر رب تعالیٰ نے نو باتوں پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

امر نی ربی بتسع خشية الله فی السر والعلانية و كلمة العدل فی الغضب والرضاء والقصد فی الفقر والغنیٰ وان اصل من قطعنی واعطی من حرمنی و اعفو عن من ظلمنی وان يكون صمتی فكرا ونطقی ذكرا ونظری عبرة (۱۳)

میرے رب نے مجھے نو باتوں کی تاکید فرمائی، یہ کہ میں چھپ کر اور کھلے بندوں ہر حال میں اللہ سے ڈروں۔ غصہ میں ہونے کی اور راضی ہونے کی، دونوں حالتوں میں عدل وانصاف سے کام لوں۔ فقیری اور امیری دونوں میں میانہ روی اور اعتدال کو اپناؤں۔ جو مجھ سے رشتہ توڑے میں اس سے جوڑوں، جو مجھ سے چھینے میں اس کو عطا کروں جو مجھ پر ظلم کرے میں اس کو معاف کروں۔ اور یہ کہ میری خاموشی غور وفکر کے لئے ہو۔ میرا بولنا اللہ کے ذکر کے لئے ہو اور میرا دیکھنا درس عبرت کی خاطر۔

یقین مانیئے یہ نو باتیں مدنیت کے قرینہ کی جان ہیں۔ اس لئے خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کی حکمتِ اصلاح معاشرہ ان ہی پر منحصر ہے۔ کیونکہ نیک نیتی اور اخلاص عدل وانصاف میانہ روی اور اعتدال، عفو ودرگذر، جود وسخا، صلہ رحمی اور حسن

تعلق، تفکر و تعبر، حمد و ذکر اور نصیحت و عبرت کے سنہری اصولوں سے ہی اجتماعی اور معاشرتی زندگی میں وہ استحکام پیدا کیا جا سکتا ہے۔ جس کی وضاحت زبانِ رسالت مآب ﷺ سے اس طرح فرمائی گئی ہے کہ:

ترى المومنين في تراحمهم وتوادهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى (١٤)

اے مخاطب باہمی رحمدلی اور آپس کی محبت اور دوستی میں تو ایمان والوں کو ایک انسانی جسم کی مانند پائے گا کہ جب جسم کے کسی ایک عضو کو کوئی شکایت لاحق ہوتی ہے۔ تو اس کی وجہ سے سارا جسم درد و کرب بیداری اور بخار میں چلا اٹھتا ہے۔

آداب مدنیت کے اسی عملی نمونہ کا اثر تھا کہ سرور کائنات ﷺ نے عربوں جیسی اکھڑ قوم کو جن کے بارے میں زبان زد عام یہ حقیقت تھی کہ الاعراب اشد کفرا عرب اپنے کفر میں سب سے زیادہ سخت ہیں۔ اس طرح نرم اور رحیم بنا دیا کہ تقوی، راست بازی، خدا پرستی، انسان دوستی اور شفقت و محبت پر مبنی تمام تر فضائلِ اخلاق ان کے اندر پیدا ہو گئے۔

ان فضائل اخلاق کو عملی زندگی میں اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر مہذب اور بدوی قوم کے افراد نے ایک ایسا تہذیب یافتہ پرامن اور متوازن نظام معاشرت دنیا والوں کو قائم کر کے دکھا دیا جو حقیقت میں امن و عافیت اور سکون و اطمینان کا اولین مرکز تھا۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ زیورات سے لدی ایک نوجوان عورت تن تنہا حضر موت سے یمن تک سفر کرتی ہے۔ اور کوئی برے ارادے سے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے والا بھی نہیں ہوتا۔

لوہے کو بھی نازل فرمایا

لیکن جہاں پر نبیوں کی بعثت اور کتبِ سماوی کے نزول کا مقصد یہ تھا کہ انسانیت کو توازن واعتدال اور عدل وانصاف پر مبنی اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دی جائے۔ وہاں پر رب تعالیٰ نے لوہا بھی نازل فرمایا تا کہ شر پسندوں کو اس کی قوت کے استعمال سے راہ راست پر لایا اور ادب سکھایا جائے اور حدود وتعزیزات کے نفاذ کی صورت میں سخت ترین قوانین نافذ کر کے نافرمان اور قانون شکن افراد کی سرکوبی کی جا سکے۔ لہٰذا فرمایا کہ:

ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیه باس شدید ومنافع للناس (۱۵)

ہم نے اپنے رسول نشانیاں دے کر بھیجے۔ اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو اتارا تا کہ لوگ انصاف پر سیدھے رہیں۔ اور ساتھ ہی ہم نے لوہا بھی اتار کہ جس میں بڑا رعب ہے۔ اور لوگوں کے لئے فائدے بھی بہت ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہی کتاب ومیزان اور ان کے احکام اور عدل وانصاف کے قوانین جن کے پس منظر میں لوہے کی طاقت اور اقتدار اور اختیار کی قوت ہو معاشرے کے افراد کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو مثالی بنا دیتے ہیں۔ اسواسطے معاشرتی عدل کے قیام کیلئے آداب مدنیت کی تعلیم وتادیب کے ساتھ ساتھ اقتدار و اختیار کی قوت اور حکومت کی طاقت بھی لابدی ہے۔ تا کہ تخریب کاروں اور فسادیوں سے موثر طور پر نمٹا جا سکے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حکمت اصلاح کے تحت ایک طرف حسن اخلاق کی تربیت دی اور دوسری طرف معاشرے کے امن وعافیت اور سکون کو تہہ وبالا کرنے

والے مجرموں کے خلاف سخت ترین شرعی سزائیں نافذ فرمائیں۔ پھر ان سزاؤں کے نفاذ میں عدل وانصاف کے تمام تر تقاضوں کی تکمیل کے بعد قانون نافذ کرنے والے اداروں کو متنبہ فرمادیا کہ

لا تاخذ کم بھما رافة فی دین الله(١٦)

خبردار اے ارباب اقتدار سن لو اللہ کے دین کو نافذ کرنے میں تم کسی قسم کا ترس نہیں کھاؤ گے بلکہ ثبوت جرم کے بعد مجرم پر سزا پوری پوری عائد کرو گے۔ کیونکہ یہ سزا معاشرے کا اجتماعی حق ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی نرمی کی اجازت نہیں۔

عربوں کی کایا پلٹ دی

اس طرح سرور کائنات ﷺ نے عربوں کی کایا پلٹ دی اور ایک اکھڑ اور جاہل قوم کو اپنے حسن تدبر سے ایسا تہذیب یافتہ اور متمدن بنادیا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ جاہلیت کی گود میں پلنے والے وہ افراد جو انسانوں کو فقر و غنا کے ظاہری مادی پیمانوں سے ماپتے تھے۔ جن کے ہاں غلام اور آزاد، تنگدست اور تونگر، کالے اور گورے، عربی اور عجمی کی ایسی تفریقات رائج تھیں کہ کوئی گھٹیا درجے کا انسان کسی اعلیٰ پایہ کے رئیس کے ہم پلہ اس کے پہلو میں بیٹھنے کی بھی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔ اور جن کے ہاں شرافتوں اور عزتوں کا انحصار مادی وسائل پر تھا۔ اسوۂ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہو کر وہ آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ ان کی عداوتیں محبتوں میں بدل گئیں۔ اور اب ان کے ہاں شرافت، کرامت اور عزت کا معیار تقویٰ اور خدا کے خوف پر مبنی ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ زندگی میں ہر قدم، پھونک پھونک کر رکھنے لگے۔ مبادا ہمارا رب ناراض ہو جائے۔ اور اس لئے بھی کہ اللہ کے ہاں عزت والا وہ ہے جو اس کی ذات سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ یہ اسوۂ رسول ﷺ کا ابدی کرشمہ ہے کہ آپ کی بعثت سے

پہلے وہ لوگ جو آپس میں جانی دشمن تھے۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد ایک دوسرے کے گہرے ہمدرد، غم خوار اور دلدار بن گئے۔ اور سابقہ ساری تفریقات مٹا کر وہ راہ حق میں یک جان ہو کر دشمنانِ اسلام کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔ جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے کہ

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص (۱۷)

یقیناً اللہ ان لوگوں کو چاہتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح قطار باندھ کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

مضبوط اور منظّم ہئیت اجتماعی

غرضیکہ حضور اکرم ﷺ کی حکمتِ اصلاح معاشرہ اجتماعی زندگی میں انسانوں کو وہ استقلال اور استحکام عطا کرتی ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو ایک مضبوط اور منظّم ہئیت اجتماعی کا قیام عمل میں آتا ہے۔ کہ جس کا ہر حصہ اور جز آپس میں اس طرح مربوط اور منسلک ہوتا ہے۔ جیسے ایک دیوار کے داڑھے آپس میں ملے ہوتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا ثم شبک بین اصابعہ (۱۸)

ایک مومن دوسرے مومن کے لے ایک ایسی دیوار کی مانند ہے۔ جس کا ایک حصہ دوسرے کو باندھتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں سے انہیں ایک دوسرے میں ڈال کر جالی بنائی (اور بتایا کہ مسلمان جالی کی تاروں کی طرح آپس میں پیوستہ ہوتے ہیں)

اس پر بس نہیں سرور کائنات ﷺ کی معاشرتی حکمت عملی کے اس قدر گہرے اور دور رس نتائج رونما ہوتے ہیں کہ نہ صرف معاشرے سے طبقاتی منافرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ ہر فرد شریعت و قانون کی پابندی اپنے گھروں کے بند کمروں میں اور

تاریک رات کی پہنائیوں میں اس طرح کرنے لگتا ہے کہ کسی قانون نافذ کرنے والے ادارے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ اس کا اپنا ضمیر اس کے لئے محافظ اور پولیس مین کا کردار ادا کرتا ہے۔

خوفِ خدا کی برتری اور کامیابی

پھر ہوتا ہے کہ ولمن خاف مقام ربہ جنتان (۱۹)

کے خدائی اعلامیہ کے مطابق خدا کے خوف اور مالک حقیقی کے ڈر کی بنا پر ہر مجرم ارتکاب جرم کے بعد اقبال جرم کے لئے ہمہ تن مستعد ہو جاتا ہے۔ اس خدشہ سے کہ مبادا میرا یہ جرم مرنے کے بعد بھی میرے ساتھ ہی چمٹا رہے، بہتر ہے کہ قاضی اس کی پاداش میں مجھ پر سزا نافذ کر لے۔ اور مجھے میرے گناہ سے دنیا ہی میں پاک کر دے۔ چاہے کیفر کردار تک پہنچتے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

چنانچہ عہد نبوی ﷺ میں حضرت ماعز بن مالک کا واقعہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ کس طرح بے تابی سے حضور رسالت مآب ﷺ کے پاس پہنچے اور اپنے آپ کو انہوں نے کس طرح کھلے اقبال جرم کے بعد مردانہ وار سزا کے واسطے پیش فرمایا، کیسا دل ہلا دینے والا منظر ہوگا۔ کہ جوں جوں۔ سنگ باری شدید ہوئی حضرت ماعز توں توں زیادہ مطمئن اور زیادہ خوش نظر آتے گئے تا کہ دنیا کے سارے گناہوں کا بوجھ دنیا ہی میں اتار کر ہلکے پھلکے پاک صاف ہو کے اللہ کے حضور سرخروئی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

یہ وہی مقام ہے جس پر زبان رسالت مآب ﷺ سے یہ سرٹیفکیٹ جاری ہوتا ہے کہ ماعز نے ایسی توبہ کی ہے۔ کہ اگر اس توبہ کو مدینہ کے ستر گنہگاروں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب معاف کر دیئے جائیں۔ ریاست مدینہ کے علاوہ کسی اور مقام پر اصلاح

احوال کا اس سے زیادہ خالص اور بے داغ منظر کیونکر دیکھنے میں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ دور نبوت میں عدل واحسان اور امن وامان کا وہ حقیقی نظام قائم ہوا کہ جس میں شیر اور بکری کا ایک گھاٹ پر پانی پینے کی مثال ایک کھلی حقیقت بن کر لوگوں کے سامنے آ گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس منظر میں اللہ سے ڈرنے والے کے لئے آخرت کی جنت سے پہلے یہ دنیا نقد جنتِ ارضی کی صورت میں نیک اعمال کا بدلہ بن کر آن موجود ہوئی۔ اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی کہ جو اعلامیہ خوفِ خدا کی برتری اور کامیابی کیلئے قرآن نے جاری کیا ہے۔ وہ عین حق ہے۔

صلاح وفلاح کا اسلامی تصور

قرآن کے نزدیک صالح وہ ہے جو صرف ایک اللہ کی ربوبیت پر اعتقاد جما کر اپنی استقامت کا عملی ثبوت دے یعنی وہ خود اللہ کا ہو کر اسی کی حکمبر داری کا اعلان کرے۔ خود اسی کی پسندیدہ روش پر چلے۔ اور دنیا والوں کو بھی اسی کی طرف آنے کی دعوت دے اس کا قول و فعل بندوں کو خدا کی طرف لانے میں مئوثر ہو اور وہ خدا کی بندگی اور فرمانبرداری کا اعلان کرنے سے کسی موقع پر اور کسی حال میں بھی نہ شرمائے۔ اور اسی اعلیٰ مقام کی طرف لوگوں کو بلائے جس کی دعوت دینے کے لئے رسول کریم ﷺ کھڑے ہو گئے تھے نیز جس نیکی کی طرف لوگوں کو بلائے، بذاتِ خود اس پر عامل بھی ہو جیسا کہ ارشاد ہے۔

ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین (۳۰)

اس سے بہتر کس کی بات ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک کام کیئے اور کہا کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

صالح کیلئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ مخلوق کے ساتھ اپنے تعلق کو درست رکھے اور حقوق العباد کی پاسداری میں بھی کسی طور کوتاہی نہ کرے۔ورنہ جزوی درستگی سے صالحیت متاثر ہوگی۔لہذا ایک سچے مومن اور اسلامی معاشرے کے مخلص رکن ہونے کی حیثیت سے صالح کے لئے لازم ہے کہ حسن اخلاق کو اپنائے اور کسی کو برائی کا جواب برائی سے نہ دے۔بلکہ جہاں تک ممکن ہو برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے۔غصہ کے جواب میں بردباری، گالی گوچ کے جواب میں تہذیب وشائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا۔اور بداخلاقی کرنے والا بھی خوش خلقی کے ضابطے اپنانے لگے گا۔

مصلح کا مقام

اس نقطہ نظر سے مصلح کا مقام صالح سے کہیں زیادہ ہوگا۔اور اس کا ضابطہ اخلاق بھی صالح سے وسیع تر اور زیادہ ذمہ دارانہ ہوگا۔اس لئے کہ دعوت و اصلاح کے منصب پر فائز ہونے والوں کو بہت زیادہ صبر واستقلال اور حسن خلق کی ضرورت ہوتی ہے۔اور حسنِ تدبر سے کام لینا پڑتا ہے۔

صالحیت کی بنیاد فطرتِ سلیمہ پر

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ رب تعالیٰ نے انسان کو فطرتاً نیک اور صالح پیدا فرمایا ہے۔صالح معاشرہ میں صالح فرد کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا دراصل مومن کی وہ ذمہ داری ہے جس کے تحت وہ اپنی فطرت صالح کو برے ماحول اور دست برد زمانہ سے محفوظ رکھنے اور فطرت سلیمہ پر قائم رہنے کی سعی کرتا ہے۔اسی سعی وکوشش اور جدوجہد کا نام دین قیم ہے جو تخلیق انسانیت کی حقیقتوں پر مبنی صلاح وفلاح کا بہترین طریقہ ہے اور

ایک اصلی، قطعی اور دائمی شے ہے کہ ازل سے ابد تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں جیسا کہ:

مامن مولود الایولد علی الفطرۃ فابواہ یھود انہ او ینصرانہ او یمجسانہ ثم یقول فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم (۲۱)

کوئی پیدا ہونے والا نہیں پیدا ہوتا، مگر فطرتِ سلیمہ پر یہ تو اس کے والدین ہیں جو اسے یہودی بنا لیتے ہیں۔ یا اسے عیسائی بنا لیتے ہیں۔ یا اسے مجوسی بنا لیتے ہیں۔ یہ فرما کر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اللہ کی فطرت صالحہ پر قائم رہو۔ جس پر اس نے سب کو پیدا فرمایا۔ اس لئے کہ اللہ کے بنائے ہوئے میں کوئی تبدیلی نہیں اور یہی دین برحق ہے۔

بتانا یہ چاہتے ہیں کہ ہر بچہ پیدائشی طور پر قبولیت حق کی استعداد لے کر فطری صلاحیتوں کے ساتھ صحیح سالم اور صالح پیدا ہوتا ہے۔ گویا وہ حق پر جنم لے رہا ہے۔ جس کے بعد اس کے والدین اپنے ماحول اور اپنے طریقے پر اسے دین کے اصلی رستہ سے ہٹا کر غلط راہ پر ڈال لیتے ہیں۔ اور اصلی کھرے اور سچے دین فطرت کی بجائے گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔

اس واسطے اسلامی معاشرے کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ وہ ہر نومولود کو ایسا ماحول مہیا کرے جس میں وہ اپنی فطرت صالحہ کا بجا طور پر تحفظ کر سکے۔ اور وہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے اسے صالح معاشرہ میں صالح افراد پر مشتمل خیر و فلاح کا ماحول عطا کیا جائے جس میں صالحانہ بے داغ زندگی گزارنے کے قابل ہو سکے۔

اصلاح اور اِفساد کے دو متضاد نظریات

قرآن کے نزدیک صالح معاشرہ کے امن پسند اور امن آفرین شہری کو جو اللہ

اور اس کے رسول اور آخرت پر سچا ایمان رکھتا ہے اور زادیہ عمل میں توکل علی اللہ سے کام لیتا ہے۔مومن کہتے ہیں۔اس کا ضمیر روشن ہوتا ہے اور وہ حق و باطل کی ملاوٹ اور ہدایت وضلالت میں مفاہمت کا قائل نہیں ہوتا۔جس پر اسے رب تعالیٰ کی جانب سے ایمان کا صلہ امن ہی کی صورت میں ملتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

الذین امنو ا ولم یلبسو ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون (۲۲)

کہ وہ ایمان والے جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔انہیں کے لئے حقیقی امن ہے۔اور وہی راہ راست پر ہیں۔

امن وسلامتی کے ضامن

چنانچہ حقیقی معنوں میں معاشرے کی صلاح وفلاح اور امن وسلامتی کے ضامن یہی لوگ ہیں۔جو اصلاحِ احوال کے لئے کوشاں ہیں اور جن کے سہارے معاشرہ قائم ہے۔اس کے برخلاف وہ لوگ جو شر وفساد برپا کرنے کے درپے ہیں اور اصلاح کی بجائے افساد کے خواہاں ہیں وہ قرآن کے نزدیک مفسد اور منافق کہلاتے ہیں۔ان کا طرز عمل یہ ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو وہ کہہ اٹھتے ہیں۔

انما نحن مصلحون (۲۳)

کہ ہم تو اصلاح چاہنے والوں میں سے ہیں۔

جب کہ قرآن ان کے جواب میں تاکیداً اعلان کرتا ہے کہ

الا انھم ھم المفسدون (۲۴)

ہرگز نہیں بلکہ مفسد یہی لوگ ہیں۔

دراصل بات یہ ہے کہ فتنہ وفساد جن چیزوں سے پھیلتا ہے۔ان میں سے کچھ

ایسی ہیں جنہیں ہر شخص کھلے طور پر فتنہ وفساد ہی خیال کرتا ہے۔ جیسے قتل و غارت گری، غنڈہ گردی، ڈاکہ زنی، اغواء، بدکاری، چوری، دھوکہ، فریب وغیرہ اور کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ ظاہراً فتنہ وفساد معلوم نہیں ہوتیں۔ مگران کی وجہ سے بڑے بڑے فتنے اور فساد جنم لیتے ہیں۔

نفاق، کینہ وحسد، بغض وعداوت، لالچ وحرص، ملک وقوم سے بے وفائی اور اندر ہی اندر دشمنوں سے سازشیں یہ چیزیں ایسی ہیں۔ جو انسان کے اخلاق پر اثر انداز ہوکر اسے اخلاقی طور پر درندہ، چوپایہ اور حیوان بنادیتی ہیں جس کی بنا پر انسان شرم وحیا سے عاری ہوکر فتنہ وفساد کو ہوا دیتا ہے۔ اور اپنے طور پر خود کو مصلح اور امن پسند قرار دے کر جرم وگناہ کے شجر ممنوعہ کی آبیاری کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں فتنہ وفساد ملک کا آئین قرار پاتا ہے۔ اور جرائم کی شدت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ پھر قانون شکنی کو قانون سازی، لاقانونیت کو قانون اور شر وفساد کو اصلاح کہتے ہیں۔ پھر ایسی سنگین صورت حال میں نفاذ قانون کے تمام ادارے اور نظم وضبط کے سارے محافظ بے بس ہوکر رہ جاتے ہیں۔ نہ کوئی پولیس ایکشن کامیاب ہوتا ہے اور نہ ہی فوج کا کوئی آپریشن نتیجہ خیز ہوسکتا ہے۔

محسن انسانیت کی حکمتِ اصلاح

اس قسم کی انتہائی خطرناک صورت حال میں صرف محسن انسانیت نبی کریم ﷺ کی جانب سے عطا کردہ بے مثال حکمت اصلاح ہی کارگر ہوسکتی ہے کہ جس کے بارے میں یقین سے کہا جاسکتا ہے وہ حکمتِ عملی صحیح معنوں میں انسانوں کو انسانیت سکھانے کے کام آتی ہے۔ اور انسان نما حیوانوں، درندوں اور چوپایوں کو (جن کے بارے میں قرآن کا یہ فیصلہ ہے کہ اولـئـک کـالانعام بل هم اضل (۲۵) وہ

چوپایوں کی مانند ہیں نہیں بلکہ وہ ان سے بھی کہیں زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ حقیقی اور معیاری انسان بننے کا رستہ دکھاتی ہے۔

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ جب تک دنیا میں آپ کی حکمت اصلاح پر عمل ہوتا رہا دنیا والوں نے اس کے کرشمے دیکھے اور ایسا امن و امان قائم ہوا کہ جس کی نظیر نہ پہلے کبھی دیکھنے میں آئی اور نہ ہی آپ کی تعلیمات کو چھوڑنے کے بعد دیکھی جا سکی۔

حکمت اصلاح کی روح

اس طرح نبی کریم ﷺ کی حکمتِ اصلاح کی روح یہ ہے کہ دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور قیامت کے حساب و کتاب کی فکر پیدا کی جائے کہ جس کے بغیر کوئی قانون اور کوئی ضابطہ بھی انسان کو جرائم سے باز نہیں رکھ سکتا۔ آج کی دنیا میں حکومتوں کے اربابِ اختیار انسدادِ جرائم کے لئے نت نیا قانون بناتے ہیں۔ اور نئے نئے انتظامات سوچتے ہیں۔ مگر اس روح انتظام یعنی خوفِ خدا کی طرف کوئی نہیں آتا جو کہ تمام معاشرتی بیماریوں کا مکمل علاج ہے۔

اگر چہ کچھ لوگ اصلاح کے نام سے دلچسپ اور دلفریب انداز میں فساد کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اور ذاتی اغراضِ فاسدہ کی تکمیل کو **انمانحن مصلحون** کہہ کر صلاح و فلاح کا رنگ دیتے ہیں تاہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھی مفسدوں کو شر و فساد سے روکتے ہوئے فرمایا کہ **واللہ یعلم المفسد من المصلح.**

اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ فساد کرنے والا کون ہے اور اصلاح چاہنے والا کون؟

صلاح وفلاح کی آخری امید

الغرض رسول کریم ﷺ کی حکمت اصلاح کا تقاضا یہ ہے کہ مومن اسلامی

معاشرے کا فرد کامل اور مصلح ہونے کی حیثیت سے اپنے طرزِ عمل سے کائنات انسانی کو ایسی اثر انگیز فضا مہیا کرے کہ جس کے تحت یہ دنیا الفتوں اور محبتوں کا گہوارہ بن جائے۔ اور مومن خود صلاح و فلاح کا عملی نمونہ پیش کر کے محبت و الفت، حسنِ اخلاق غم خواری و مواسات، رواداری و مدارات اور صدق و وفا کا پیکر ہو۔ اس لئے مومن کی شخصیت ایک شجر سایہ دار کی سی ہے جس کی گھنی چھاؤں میں ہر محروم و مظلوم کو پناہ ملتی ہے۔ اور بیمار انسانیت شفایابی کے لئے اس کی سعی اصلاح کی راہ دیکھتی ہے۔ تخریب کاری کا شکار ہونے والی سرزمین تعمیر نو کی خاطر اسی کے مجاہدانہ دست و بازو کو صلاح و فلاح کی آخری امید خیال کرتی ہے۔ اور یہی وہ حکمت لازوال ہے جس کا سبق سرور کائنات ﷺ نے اپنی تعلیمات میں دنیا والوں کو دیا۔

مراجع ومصادر

۱۔ سورۂ روم : ۴۱
۲۔ سورۂ التین : ۴
۳۔ سورۂ آل عمران : ۳۱
۴۔ سورۂ النساء : ۳۶
۵۔ سورۂ القصص : ۷۷
۶۔ صحیح مسلم
۷۔ تالیف قلوب
۸۔ گلستانِ سعدیؒ
۹۔ مشکوٰۃ المصابیح
۱۰۔ سورۂ الفتح : ۲۹
۱۱۔ سورۂ المائدہ : ۵۴
۱۲۔ ضربِ کلیم علامہ اقبالؒ
۱۳۔ مشکوٰۃ المصابیح
۱۴۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم
۱۵۔ سورۂ الحدید : ۲۵
۱۶۔ سورۂ النور : ۲
۱۷۔ سورۂ الصف : ۴
۱۸۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم
۱۹۔ سورۂ الرحمٰن : ۴۶
۲۰۔ سورۂ حم السجدہ : ۲۳
۲۱۔ صحیح بخاری
۲۲۔ سورۂ الانعام : ۸۲
۲۳۔ سورۂ البقرہ : ۱۱
۲۴۔ سورۂ البقرہ : ۱۲
۲۵۔ سورۂ الاعراف : ۱۷۹
۲۶۔ سورۂ البقرہ : ۲۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

وہ ذات گرامی جس نے بھیجا امیوں میں رسول ان ہی میں سے

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ

جو اسکی آیات تلاوت کرتا ہے انہیں پاک کرتا ہے اور

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

اللہ کی کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے

(الجمعہ ۲)

کمالِ نظام تعلیم

اس بنا پر آج کے دور میں بھی خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے ارشادات آخریں ہمیں ان حقیقتوں کا علم بخشتے ہیں جو اپنی جگہ تغیرات سے آزاد ہیں اور ان پر مبنی تعلیمات کے بغیر آج کا انسان حقیقی طور پر اطمینان اور سکون حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس بنا پر آپ ﷺ کے ارشادات کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ انسان خواہشات کو آپ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کے ایسا تابع کردے کہ پھر گناہوں سے حذر محض عذاب وسزا کے خوف سے نہ ہو بلکہ حق وصداقت کی محبت خود اس کے لئے گناہوں سے بچنے کا باعث بنے اس واسطے آج پورے عالم کے لئے صادق اور امین کی تعلیمات سرچشمہ حق وصداقت ہیں کہ جن کی پیروی میں ہی انسانیت کی فلاح ونجات کا سامان ہے۔

☆ ایک نمایاں حقیقت

☆ حقیقت کا علم

☆ سرچشمہ حق وصداقت

☆ اکرام مسلم اور احترام آدمیت

☆ متوازن عمرانی نظام

☆ تعلیمات نبوی کا منتہائے مقصود

☆ اخلاص اور فکر صحیح

☆ عدل کی عملداری

☆ زندگی کی اعلیٰ اقدار

☆ تقویٰ کا جوہر بے پایاں

☆ نبوت ورسالت کی تکمیل

☆ کارخانہ تعلیم کا عمل پیدائش

☆ تزکیہء نفس وتربیت اخلاق

☆ انسانی ارتقاء کی معراج

☆ مطلوبہ معیاری انسان

☆ تخلیق کائنات پر تفکر

☆ وقت کی اہم ترین ضرورت

ایک نمایاں حقیقت

یہ ایک نمایاں حقیقت ہے کہ ختم نبوت ورسالت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہو کر جہاں نبی کریم ﷺ نے انسانوں کو خالق کائنات کا آخری پیغام دیا وہاں پر علم وحکمت اور دانش وبینش پر مبنی تعلیمات کے ذریعہ زندگی کے ایسے رہنما اصول بھی عطا فرمائے جو انسانیت کے لئے جوھر حیات اور سرمایہ نجات ہیں۔ آپ نے جن نبوی ضابطوں کی تعلیم دی ہے وہ ہر لحاظ سے جامع اور کامل ہیں وہ نہ صرف ہر طرح کے نقائص سے مبرا اور ممتاز ہیں بلکہ اپنی جگہ دین کامل کی تکمیلی خصوصیات کا مظہر بھی ہیں۔

حقیقت کا علم

اس حقیقت کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جہاں پر حقائق کی تلاش میں ہر عصر اور ہر زمانہ میں مفکر اور دانشور سرگرداں رہے اور فلسفیوں نے تحقیق و تجسس کے گھوڑے دوڑائے، وہاں پر امر واقع یہ ہے کہ صداقت کی جانب رہنمائی صرف ان برگزیدہ ہستیوں کے فیض عام سے ہی ممکن ہو سکی جنہیں نبوت و رسالت کے عہدہ پر فائز کر کے خالق حقیقی نے خصوصی مشاہدات کرائے اور وحی کے ذریعہ علم و بصیرت کی روشنی عطا فرما کر یقین محکم اور عزم مصمم کی ایسی دولت سے نوازا جوان کے علاوہ کہیں اور دستیاب نہ ہو سکی یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کے تمام تر ارشادات علم الیقین کے واسطہ سے تھے نہ کہ ظن و تخمین کی سطح پر اور نہ ہی ان کو اس بات کی ضرورت ہوئی کہ وہ قیاس و عقل کا سہارا لے کر اپنے خیالات کو ترتیب دیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کا معلم بن کر خود ان کی علمی آبیاری فرمائی اور ان کا استاد ہونے کی حیثیت سے وحی کے اعلیٰ ترین ذریعہ علمی سے ان کو تعلیم دی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں انبیاء نے جو راستہ دنیا والوں کو دکھایا وہی زندگی کی فطری راہ ہے اور جس علم کے ساتھ وہ دنیا میں مبعوث ہوئے وہی حقیقت کا علم ہے۔ علمی ارتقاء کے اس سلسلہ کا آغاز **علم آدم الاسماء کلھا** کے تناظر سے ہوا جبکہ اس کی تکمیل **الیوم اکملت لکم دینکم** کے اعلان سے میدان عرفات کے تاریخی خطبہ میں کی گئی۔

سرچشمہ حق و صداقت

اس بنا پر آج کے دور میں بھی خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کے ارشادات آخریں ہمیں ان حقیقتوں کا علم بخشتے ہیں جو اپنی جگہ تغیرات سے آزاد ہیں اور ان پر مبنی تعلیمات کے بغیر آج کا انسان حقیقی طور پر اطمینان اور سکون حاصل کرنے میں کامیاب نہیں

ہوسکتا۔ اس بنا پر آپ ﷺ کے ارشادات کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ انسان خواہشات کو آپ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کے ایسا تابع کر دے کہ پھر گناہوں سے حذر محض عذاب وسزا کے خوف سے نہ ہو بلکہ حق وصدات کی محبت خود اس کے لئے گناہوں سے بچنے کا باعث بنے اس واسطے آج پورے عالم کے لئے صادق اور امین کی تعلیمات سرچشمہ حق وصداقت ہیں کہ جن کی پیروی میں ہی انسانیت کی فلاح ونجات کا سامان ہے۔

اکرام مسلم واحترام آدمیت

اس واسطے اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں یہ شرف حاصل ہوا کہ ہم مسلمان ہیں۔ نبی آخر الزمان ﷺ کی امت میں پیدا ہوئے ہیں اور ہمارا دین اسلام ہے جس کی بنا پر ہمارا فلسفہ زندگی وہ تعلیمات ہیں جنہیں قرآن وسنت کی روشنی میں حضرت محمد ﷺ نے دنیا والوں کے سامنے پیش فرمایا ہے ان تعلیمات کے تحت خالق کائنات نے توحید و رسالت کے دو اہم اصول ایمان والوں کو عطا فرمائے کلمہ طیبہ کا ترانہ حق ان دونوں سے عبارت ہے۔ توحید جہاں پر بندے کا رشتہ خدا سے جوڑتی ہے وہاں پر رسالت بندوں کے باہمی تعلقات کو استوار کرتی ہے۔ توحید اسلام کی عمودی جہت کی نشان دہی کر رہی ہے تو رسالت اس کی افقی جہت کی علامت ہے یہ دونوں جہتیں ایک دوسرے کی ضد اور مخالف نہیں بلکہ ایک دوسرے کی معاون اور مددگار ہیں۔ کہ ہر دو سے مومن کے ایمان ویقین کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا سے غافل ہو کر بندوں کے حقوق ادا نہیں کیے جاسکتے اور نہ ہی بندوں کی حق تلفی سے خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ممکن ہے۔ اس واسطے توحید و رسالت دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں توحید کی غایت تقویٰ اور خوف خدا ہے جبکہ رسالت سے تزکیہ وتربیت کے ذریعہ اکرام مسلم اور احترام آدمیت کی قدر ومنزلت آشکار ہوتی ہے۔

متوازن عمرانی نظام

تقویٰ عفو درگزر رحمدلی اور انکساری کا مصدر ہے جبکہ اکرام مسلم اور احترام آدمیت سے انسانوں کو معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں توازن و اعتدال اور عدل و احسان کا ثمر ملتا ہے۔ بندوں کا بندوں سے رشتہ جوڑنے کے لئے ضروری ہے کہ تقویٰ اور احترام آدمیت کی جملہ اقدار کو معاشرے میں اس طرح نافذ کر دیا جائے کہ ایک مربوط اور متوازن عمرانی نظام معرض وجود میں آجائے۔ جسکی خصوصیات خود نبی اکرم ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں اس طرح بیان فرمائیں ارشاد ہے:

انما دمائكم و اموالكم وا عراضكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا في بلدكم هذا. (۲)

قریش کے لوگو تمہارے خون مال اور عزتیں ایک دورے پر ہمیشہ کے لئے اس طرح حرام ہیں جیسے کہ آج کا عزت والا دن تمہارے اس عزت والے مہینے میں اور تمہارے اس عزت والے شہر میں پھر فرمایا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں اسلئے بانٹ دیا تا کہ تم پہچانے جاسکو خدا کی نظروں میں تم میں سب سے زیادہ بزرگی والا اور عزت والا وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ اس واسطے نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے اور نہ ہی عجمی کو عربی پر نہ کالا گورے سے افضل ہے اور نہ ہی گورا کالے سے، ہاں عزت اور فضیلت کا اگر کوئی معیار ہے تو وہ صرف تقویٰ ہے۔

تعلیمات نبوی کا منتہائے مقصود

اس بنا پر تعلیمات نبوی کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ اسی فلسفہ حیات کو انسانوں میں اجاگر کیا جائے جو حضور ﷺ کے بتلائے ہوئے ابدی منشور کے عین مطابق ہو اور اسی

دستورِ زندگی کو نافذ کرنے کی سعی کی جائے جس کے نتیجے میں خود ارادیت عدل اجتماعی اور اخوت کے تین بنیادی اصول معاشرے میں کارگر ہو سکیں۔

اخلاص وفکرِ صحیح

خود ارادیت یا نیت، عمل انسان کی تمام تر معاشرتی اخلاقی اور دینی اقدار کی اساس ہے۔ لاا کراہ فی الدین (۳) اور افانت تکرہ الناس حتی یکونو مومنین (۴) کے ضابطہ کار کے تحت انسانوں کو خود مختار رائے کی اہمیت واضح کی گئی تاکہ الاعمال بالنیّات کی بنیاد پر انسان کو حیوانات سے مبرا و ممتاز کر کے اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے اس کے بغیر نہ تو اخلاقی جدوجہد کا تصور بروئے کار آ سکتا ہے اور نہ ہی نیکی بدی سزا جزا اور جنت و دوزخ کے نظریات عملی زندگی میں کارفرما ہو سکتے ہیں اس واسطے فرمایا کہ وھدیناہ السبیل اما شاکراً و اما کفورا (۵) کہ ہم نے شکر اور کفر کے دو رستے بتا دیئے ہیں تاکہ انسان دونوں میں سے جونسا راستہ چاہے، اپنی نیت اور ارادے سے اختیار کر لے۔ اس لئے اختیار رائے اور خود ارادیت سے مراد اسلام میں ہر قسم کی غلامی سے نجات ہے چاہے افراد کی غلامی ہو جماعت کی یا خود اپنی اغراض و خواہشات کی۔ اسلام میں اسی کا نام اخلاص اور فکر صحیح ہے۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ ہر اس غلامی سے نجات حاصل کی جائے جو خدا کی اطاعت، شریعت کی پابندی، اسوہ حسنہ کی پیروی اور ضبط نفس کی راہ میں حائل ہو کیونکہ اعلیٰ سیرت اور بلند کردار کے حامل افراد فکر صحیح پر مبنی ہر طرح کی غلامی سے آزاد فضا میں ہی جنم لے سکتے ہیں۔

عدل کی عملداری

پھر خود ارادیت اور عدل اجتماعی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ انہیں ایک

دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حقوق و فرائض کا توازن ان کے بغیر ممکن نہیں۔ جب تک ملت کے تمام افراد کو منصفانہ طریقہ سے بلا امتیاز رنگ و نسل یکساں مواقع حاصل نہ ہوں وہ صحیح معنوں میں اپنی معاشرتی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے اس واسطے خودارادیت کا دوسرا اہم پہلو اجتماعی زندگی میں عدل کی عملداری ہے اسلام Rule of Justice کا حامی ہے شریعت اسلامی میں شاہ و گدا سب برابر ہیں امیر و غریب حاکم و رعایا سب کے لئے ایک ہی ضابطہ ہے۔ پھر عدل اجتماعی کی بنیاد انسان کے مادی احوال پر نہیں بلکہ روحانی تمول یعنی تقویٰ کے میرٹ پر رکھی گئی ہے۔ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم کے تحت اسی روحانی تمول اور میرٹ یعنی تقویٰ کی اہمیت بیان کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ مسجد ہو یا خلیفہ وقت کا دربار یا عید کا تہوار امیر و غریب دونوں شانے سے شانہ ملائے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں مصافحہ کرتے ہیں اور گرمجوشی سے بغل گیر ہوتے ہیں کیونکہ ان میں عزت و تکریم کا معیار مادی دولت گروہی تعصب یا نسلی امتیاز نہیں ہے بلکہ معیار صرف یہ ہے کہ ان کے دل کس قدر خدا کے خوف اور ڈر سے معمور ہیں اور ان کے ذہن و دماغ میں حسن نیت اور فکر صحیح کی کتنی روشنی موجود ہے۔ پھر معاشرتی زندگی میں حسن نیت اور خودارادیت کے ساتھ ساتھ اخوت اور بھائی چارے کا جذبہ پیدا کرنا بھی از بس ضروری ہے کیونکہ یہ جذبہ قومی وحدت و یگانگت کی دلیل ہے اور اسی سے ملت کی ھئیت اجتماعی کی تشکیل ہوتی ہے اور قوم کے افراد یہ محسوس کرتے ہیں کہ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک دوسرے کے بہی خواہ اور غم خوار اسی لئے فرمایا کہ الدین النصیحۃ دین خیر خواہی کا نام ہے۔ یہ ہے وہ فلسفہ حیات جسے اسلام عملی زندگی میں نافذ کرنا چاہتا ہے۔ اور یعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم (٦)

کے ارشاد بلیغ کے ذریعہ اسی کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

زندگی کی اعلیٰ اقدار

اس واسطے اسلام میں تعلیم کی غایت صرف معاشرے میں اچھے شہری بنانا ہی نہیں بلکہ تقویٰ پر مبنی زندگی کی اعلیٰ اقدار کو نافذ کرنا بھی مقصود ہے۔ جس سے ایک طرف انسان میں انسانیت نکھرتی ہے اور دوسری طرف وہ یاس وحزن اور خوف کی آلائشوں سے نجات حاصل کرتا ہے جس کے بعد اجتماعی زندگی میں زبان رنگ نسل کے سارے افتراقات مٹ جاتے ہیں اور فکر صحیح عدل وانصاف اور اخوت محبت کا بول بالا ہوتا ہے۔ اور پھر ایسا مثالی معاشرہ معرض وجود میں آتا ہے۔ جس میں حقوق الحق، حقوق العباد اور حقوق النفس کے تحفظ کی ضمانت دی جاتی ہے۔ جسکے بعد انسان کے روپ میں کوئی خونخوار بھیڑیا بھی حقوق انسانی کا خون کر کے انسانیت کو پامال نہیں کرسکتا اور معاشرہ صحیح معنوں میں امن وسلامتی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

تقویٰ کا جوہرِ بے پایاں

مسجد نبوی کے پہلو میں صفہ کے چبوترے پر قائم ہونے والی سب سے پہلی بین الاقوامی اسلامی یونورسٹی کا نصب العین یہی تھا کہ تعلیمات نبوی کے تحت تہذیب الاخلاق اور تربیت وتزکیہ کا ایسا نظام تعلیم نافذ کیا جائے جسکے ذریعہ سے انسانی اقدار کی شعائیں پورے عالم کو منور کردیں کیونکہ انسان کا صرف جسمانی طور پر معرض وجود میں آنا ہی کافی نہیں جب تک کہ انسان کو انسان نہ بنادیا جائے اور تقویٰ کے جوہر بے پایاں کے ذریعہ اسے نکھرتی ہوئی انسانیت سے معمور نہ کردیا جائے۔

نبوت ورسالت کی تکمیل

اس بنا پر جسمانی پیدائش اور نشو ونما کے ساتھ انسان کا روحانی اور اخلاقی طور پر جنم لینا بھی انتہائی ناگزیر ہے۔ایک منظّم ادارے کی حیثیت سے یہ فرض صرف مدرسہ ہی انجام دے سکتا ہے اور عالم دانشور اور استاد ہی اس فرض منصبی سے عہدہ برآ ہونے کے اہل ہیں۔یہی وجہ ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے جو اسلام کی پہلی درسگارہ کے پہلے معلم اور پہلی یونیورسٹی کے پہلے ریکٹر اور منتظم تھے ارشاد فرمایا کہ انما بعثت معلماً (۷) مجھے معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہے جس سے واضح ہوا ہے کہ معلّمی پیشہ نہیں بلکہ ایک منصب اور مقام ہے جس پر ایک استاد کو ہی فائز کیا جاتا ہے نیز ارشاد فرمایا کہ العلماء ورثة الانبیاء (۸) علماء انبیاء کے وارث ہیں یعنی جو مقام ومرتبہ انبیاء کو اپنے اپنے دور میں ملا وہی منصب ومقام اب نبوت ورسالت کی تکمیل کے بعد نبوت کے وارثوں یعنی علماء اساتذہ اور معلمین کو حاصل ہو رہا ہے۔

کارخانہ تعلیم کا عمل پیدائش

اس منصب کا تقاضا یہ ہے کہ استاد اپنے شاگردوں کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں اپنے آپ کو ہمہ تن منہمک کر دے تا کہ وہ جوہر جو تلامذہ کے اندر بالقوہ موجود ہے زیور تعلیم سے آراستہ ہو کر بالفعل ظہور میں آجائے شاگرد جو کچھ بن سکتا ہے اس کی صلاحیت اصلاً اس کے اندر موجود ہوتی ہے۔معلم کا کام یہ ہے کہ وہ اسے قوت سے فعل میں لے آئے جو چیز پوشیدہ ہے اسے ظاہر کر دے۔شاگرد استاد کے واسطے عمل کی آماجگاہ ہے۔استاد تعلیم کے عمل سے شاگرد میں ایسی تبدیلیاں لاتا ہے کہ جس سے شاگرد ایک جوہر کامل بن کر ابھرتا ہے اور استاد کی کاریگری کا نمونہ ہوتا ہے۔اور اس

کے کارخانہ تعلیم کا عمل پیدائش۔

تزکیہ نفس وتربیت اخلاق

پھر تعلیم سے اسلام کا مقصود تزکیہ نفس اور تربیت اخلاق ہے جس کی غایت یہ ہے کہ نفس انسانی کی صحیح خطوط پر نشو ونما کی جائے جبکہ نفس کی نشو ونما خود شناسی پر مبنی ہے اور خدا شناسی کی طرف جانے کا ذریعہ ہے۔ اس واسطے فرمایا کہ **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** (۹) جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے گویا اپنے رب کو پہچان لیا اس معرفت کے تین مراحل ہیں نفس امارہ نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ انسان کا کام یہ ہے کہ جس قدر جلدی ممکن ہو وہ نفس مطمئنہ کی منزل کو پالے ورنہ وہ ہمیشہ کے لئے نفس امارہ کی دلدل میں پھنسا رہ جائیگا۔ اور **اولئک کالا نعام بل ھم اضل** (۱۰) کے مصداق انسانیت کے مرتبہ ومقام سے گر کر حیوانیت کے تاریک غار میں پھنس کر رہ جائے گا۔ اس کا نفس جسمانی احتیاجات اور خواہشات کا مرقع ہوگا۔ اور وہ بدنی لذت کو ہی اپنا منتہائے مقصود بنا لے گا۔

انسانی ارتقاء کی معراج

نفس کی اس بدترین حالت کے بارے میں فرمایا کہ **ان النفس لامارۃ بالسوء** (۱۱) اس واسطے اسلام نے تزکیہ نفس اور اخلاقی تربیت کا اہتمام فرمایا تا کہ نفس لوامہ کو حرکت میں لاکر بندہ روح کی نشو ونما کا آغاز کر سکے۔ جیسے ہی تزکیہ و تربیت کے بعد روح کو اپنی ذات کا شعور ہونے لگتا ہے وہ نفس کو جسمانی لذات کی طمع پر سرزنش کرنا شروع کر دیتی ہے اسے نفس لوامہ کہتے ہیں جس کے ذریعہ بندہ اپنے اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ اب نفس کی اصلاح اور روح کی نشو ونما کا

تیسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے جو کہ انسانی ارتقاء کی معراج ہے۔ اس مرحلہ پر روح رفتہ رفتہ جسم کو اپنا تابع بنا لیتی ہے۔ یہاں تک کہ نفس وہی کچھ کرنے لگتا ہے جو روح چاہتی ہے یہی خدا کی خوشنودی اسکی رضا کے حصول کی منزل ہے جہاں پر بندہ رب سے راضی ہوتا ہے اور رب بندے سے۔ یہ خدا شناسی اور اسکے تقرب کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔ قرآن نے **یاایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربک راضیہ مرضیہ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی** (۱۲) کے خطاب عظیم سے اسی معرفت اور تقرب کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے جو کہ انسان کے کمال کی معراج ہے اور ابدی خوشی اور اطمینان کی دلیل۔

مطلوبہ معیاری انسان

چنانچہ اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی زندگی میں بندوں کے لئے اپنے مالک کی خوشنودی اور اسکی رضا کا حصول صادق و امین ﷺ کی تعلیمات کا مقصود و مطلوب ہے اسی لئے حقوق الحق حقوق العباد اور حقوق النفس کی پاسداری اور حفاظت کی عمارت ان ہی تعلیمات کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔

تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق اسی عمارت کی تعمیر و تزئین کا نام ہے۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ نظام تعلیم میں ابتداء تدریس قرآن اور عربی سے کی جائے جو کہ تعلیم کی جڑ اور اصل ہے۔ جس کے بعد طالب علم کو آہستہ آہستہ تفسیر قرآن حدیث فقہ اور سیرت النبی ﷺ اور سیرت صحابہؓ کی تعلیم سے بہرہ ور کیا جائے۔ تا کہ ان علوم کی تکمیل سے نہ صرف ایسے افراد تیار کئے جائیں جو اچھے شہری ہوں بلکہ ان پر مشتمل ایک ایسا معیاری اسلامی معاشرہ بھی معرض وجود میں آسکے جس کے افراد کا کردار حضور اکرم ﷺ کے مطلوبہ معیاری انسان کی سچی تصویر ہو۔

تخلیق کائنات پر تفکر

اس کے ساتھ ساتھ تعلیم حکمت بھی قرآن کا بنیادی نصب العین ہے ۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حکمت پر مبنی تمام تر سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کو نظام تعلیم کا حصہ بنایا جائے اور ایسے ادارے قائم کیے جائیں جو موجودہ ایٹمی دور میں جدید ترین فنی مہارت کے حصول کا ذریعہ ہوں اسی بنا پر قرآن نے فطرت کا مشاہدہ اور کارخانہ قدرت پر غور و خوض انسان کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ ویتفکرون فی خلق السموات والارض (۱۴) کے تحت قرآن کا تدبر اور تخلیق کائنات پر تفکر ایک عالم اور دانشور کا فرض منصبی ہے۔ پھر قرآن وسنت کے واضح دلائل پر مبنی فقہ واجتہاد ہر زمانہ میں وقت کی اہم ترین ضرورت رہی ہے۔ لہٰذا یہ بھی لازمی ہے کہ دور جدید میں پیش پا افتادہ مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں قائم کردہ فقہی اصول ومبادی کی بنیاد پر تلاش کیا جائے۔ تاکہ تدبر و تفکر کے ذریعہ عملی اجتہاد اور سعی و کوشش سے حق کی جستجو کرنے والے کے پریشان حال اور سرگرداں ذہن کو اس کے سامنے اٹھتے ہوئے سوالات کا سیر حاصل اور تسلی بخش جواب دیا جا سکے اور اسے علمی اور عملی سطح پر مطمئن کیا جا سکے۔

وقت کی اہم ترین ضرورت

اس کے لئے ایسے اداروں کا قیام ناگزیر ہے جس میں دینی مدارس کے اساتذہ سرکردہ علماء مختلف جامعات کے ماہرین تعلیم سائنسی اور فنی ٹیکنوکریٹس اور مذہبی سکالر سر جوڑ کر بیٹھیں اور مسائل کا حل تلاش کر کے وقت کی اہم ترین ضرورت کو پورا کرنے کی سعی کریں۔

مراجع ومصادر

۱۔ البقرہ ۳۱

۲۔ صحیح بخاری ۲۳۴/۱

۳۔ البقرہ ۱۰۶

۴۔ یونس ۹۹

۵۔ الدھر ۳

۶۔ البقرہ ۱۲۹

۷۔ بخاری ومسلم

۸۔ بخاری

۹۔ بخاری

۱۰۔ الاعراف ۱۷۹

۱۱۔ یوسف ۵۳

۱۲۔ الفجر ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰

۱۳۔ آل عمران ۱۹۱

ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا

پھر ہم نے آپکو ایک شریعت کے حکم پر رکھا آپ اُسی پر چلیں

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۝

اور نادانوں کی چاہتوں کے پیچھے نہ چلیں۔

(جاثیہ ۱۸)

کمال دستور شریعت

کتاب اللہ اگر ما انزل اللہ علیک کے تحت اللہ کا اتارا ہوا علم ہے تو سنتِ رسول ما اراک اللہ یعنی اللہ کا دکھایا ہوا اور اسی کا پرتو اور نقش ہے۔ اس لئے خدا کی جانب سے روشنی اور ہدایت ہونے کی بنا پر یہ دونوں ایک ہیں ان دونوں میں فرق صرف نامہ و پیام کا ہے۔ علم نبوت یعنی قرآن اگر نامۂ خداوندی ہے تو عمل نبوت یعنی سنت پیام خدا ہے اسی لئے دونوں ہمیں اللہ کی جانب سے بطریق تواتر ملے ہیں۔ علم نبوت قرآن کا تواترِ علمی ہے اور عمل نبوت سنت کا تواتر عملی قرآن تاریخ علم نبوت ہے اور سنت تاریخ عمل نبوت اس لئے دونوں شریعت میں برھان علم اور برھانِ عمل ہونے کی حیثیت سے ہر دور کی اولین ضرورت اور روشن ترین حجت ہیں کہ جن میں سے کسی ایک سے بھی سر مو تفاوت یا انحراف امتِ مسلمہ کیلئے بہت بڑے المیہ سے کم نہ ہوگا۔

ذیلی عنوانات

☆ اسلام دین فطرت
☆ شریعت کے بنیادی اصول
☆ اجتہاد میں اجتماعیت
☆ تمام انسانوں کیلئے مساوات کا اصول
☆ مظلوم مصری کی شکایت
☆ آسان اور سستا انصاف
☆ عادلانہ اور غیر جانبدارانہ طریق کار
☆ شریعت میں عدل کا مقام
☆ غریب اور نادار کا جائز حق
☆ متحرک اور متعدی نظام حیات
☆ نیکوکاری کا فیشن
☆ دور جدید میں شریعت کی افادیت
☆ مسلمان ہونے کا دعویٰ
☆ مکافات میں عدل وانصاف
☆ برھان علم وعمل
☆ انفرادی حقوق کی ضمانت
☆ حضرت عمر کٹہرے میں
☆ فقیر اور بادشاہ کے لئے یکساں قانون
☆ اسلامی عدالت کے کھلے دروازے
☆ عدالت نبوی کا تاریخ ساز فیصلہ
☆ فلاح انسانیت
☆ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
☆ دعوت کا کام پوری امت کی ذمہ داری
☆ سماجی برائیوں کا سد باب
☆ یورپی ثقافت کے متوالے
☆ آخری دین کامل

اسلام دین فطرت

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اور اپنے ضابطہ ء حیات میں انسان کے فطری تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتا ہے لہذا اُسی کے مطابق آئین فطرت میں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اجزائے عالم کی ترتیب ایک پختہ توازن اور ایک حسین اعتدال پر قائم فرمائی جس کے اوپر سارے عالم کا انحصار ہے۔اور قدرت کا سارا نظام جس کے تحت چل رہا ہے۔اگر یہ توازن نہ رہے تو یہ کائنات درہم برہم ہو کر رہ جائے کیونکہ یہی اعتدال نظام عالم کی جان ہے۔جیسا کہ فرمایا کہ تمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا لامبدل لکلماتہ (۱) تیرے رب کی بات واقعیت اور عدل پر قائم ہوئی اسلئے کہ اسکی

باتوں کوتبدیل کرنے والا کوئی نہیں۔ پھر اس توازن کی خاطر مالک نے ہر شے کا ایک پختہ اندازہ مقرر فرمادیا ہے۔ جس سے طبعی طور پر ہر چیز اعتدال میں ہے اور متوازن طریقے پر قائم ہے۔ فرمایا کہ انا کل شیء خلقناہ بقدر (۲) ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا فرمایا۔

لیکن جہاں پر عناصر میں یہ اعتدال طبعی اور جبری ہے وہاں پر انسانی معاشرت معیشت اور سیاست میں اسے انسان کے لئے اختیاری اور انتخابی شے بنا دیا کہ چاہے تو اختیار کرکے وہ فلاح دارین حاصل کرلے اور چاہے اسے نظر انداز کرکے نہ صرف معاشرتی ، معاشی اور سیاسی میدان میں صعوبتوں کا شکار ہوجائے بلکہ اپنی آخرت بھی برباد کرلے۔ اور اختیار اور انتخاب کے ذریعہ اس عالم رنگ و بو میں انسان کو ہر زاویہ زندگی میں عدل وانصاف کو اپنانے اور ہیئت اجتماعی میں شریعت کے تحت نظام عدل کو قائم کرنے کی ہدایت فرمائی یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک فرد سے لیکر جماعت تک انسان کو زندگی کے ہر شعبہ میں قیام عدل کی تلقین فرمائی اور انسانی معیشت معاشرت سیاست اور قانون میں اسی کو اصل الاصول قرار دیا۔ یہاں تک کہ شریعت کے سارے ضابطے بھی عدل پر ہی قائم فرمائے۔ آپ ﷺ نے جہاں پر معیشت میں اسراف اور بخل کی دو انتہائی راہوں کو چھوڑ کر اعتدال پر قائم انفاق فی سبیل اللہ کا رستہ دکھایا۔ وہاں پر سیاست میں بھی مغربی جمہوریت اور آمریت کے دو انتہائی اصولوں کے برخلاف اعتدال پر مبنی شورائیت کا سیاسی نظام عطا فرمایا اس طرح جہاں پر رھبانیت اور قارونیت کی افراط وتفریط سے نجات دلائی وہاں پر اعتدال اور توازن کی بنیاد پر اجتماعی عدل اور سماجی انصاف کا معاشی نظام عطا فرمایا۔

مکافات میں عدل وانصاف

اسی طرح جہاں ایک طرف من قتل نفساً بغیر نفسٍ او فسادٍ فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا کی آیت کریمہ میں ایک جان کے قتل کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا وہاں پر دوسری طرف ولکم فی القصاص حیاۃ یا اُولی الالباب کے الفاظ سے قتل کا قصاص واجب قرار دیا۔ تاکہ قانون مکافات میں عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور محمد عربی ﷺ کی شریعت پوری طرح نافذ ہو۔ اس بنا پر عدل وانصاف کے اصل الاصول پر قائم اسلامی شریعت اپنی جگہ بے مثال خصوصیات کی حامل ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

شریعت کے بنیادی اصول

کوئی شریعت یا قانون اپنے طور پر اس وقت تک معتبر نہیں ہوگا۔ جب تک کہ اسکی پشت پر رہنمائی کیلئے بنیادی اصول موجود نہ ہوں۔ اسلام کا دستور شریعت قرآن وسنت اور اجماع وقیاس کے اصول اربعہ پر مبنی ہے۔ مسائل کے استنباط اور قوانین کی ترتیب کے لئے قرآن وسنت کی حیثیت اصول استنادی ہے کہ جنہیں دین میں دلیل شرعی اور حجت ہونے کی بنا پر سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ جبکہ اجماع وقیاس اجتہاد کے بنیادی اصول قرار پاتے ہیں کہ جن کی رہنمائی میں مجتھد اور فقیہ مسائل کے لئے محنت اور کوشش کرتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلامی قانون سازی میں اصول استناد کے ساتھ اصول اجتہاد کو بھی خاصی اہمیت حاصل ہے۔ کہ جن کی بنیاد پر ہر دور میں قوانین کی تشکیل کا کام انجام پاتا رہا۔ تاہم اس کے باوصف اسلامی شریعت کا اولین سرچشمہ ہونے کی حیثیت سے

قرآن وسنت کی اہمیت اپنی جگہ ایک لازوال حقیقت ہے کہ جنہیں ہر لحاظ سے دین اسلام کی اولین خشت اور بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ اسی لئے امت مسلمہ کے واسطے ان دونوں کو حبل اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہ جن کے ساتھ اعتصام ازبس لازم ہے۔ اور جو وحدتِ امت کی پختہ زنجیر ہے۔

برھان علم وعمل

اس واسطے کتاب اللہ اگر ما انزل اللّٰہ علیک کے تحت اللہ کا اتارا ہوا علم ہے تو سنتِ رسول ما اراک اللّٰہ یعنی اللہ کا دکھایا ہوا اور اسی کا پرتو اور نقش ہے۔ اس لئے خدا کی جانب سے روشنی اور ہدایت ہونے کی بنا پر یہ دونوں ایک ہیں ان دونوں میں فرق صرف نامہ و پیام کا ہے۔ علم نبوت یعنی قرآن اگر نامۂ خداوندی ہے تو عمل نبوت یعنی سنت پیام خدا ہے اسی لئے دونوں ہمیں اللہ کی جانب سے بطریق تواتر ملے ہیں۔ علم نبوت قرآن کا تواترِ علمی ہے اور عمل نبوت سنت کا تواتر عملی قرآن تاریخ علم نبوت ہے اور سنت تاریخ عمل نبوت اس لئے دونوں شریعت میں برھان علم اور برھانِ عمل ہونے کی حیثیت ے ہر دور کی اولین ضرورت اور روشن ترین حجت ہیں کہ جن میں سے کسی ایک سے بھی سر مو تفاوت یا انحراف امتِ مسلمہ کیلئے بہت بڑے المیہ سے کم نہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کے نبی اکرم ﷺ کے عہد میں یہی دونوں شریعت کا آئین اور عدالت کا قانون تھے۔ تمام فتوے انہی سے حاصل کئے جاتے۔ اور تمام مقدمات کے فیصلے انہی پر منحصر تھے۔ پھر ہر دور اور ہر زمانہ میں استناد کے لئے یہی معتبر تھے۔ تاہم بعد کے ادوار میں کتاب وسنت کے ساتھ ساتھ اجماع وقیاس بھی ادلۂ شرعیہ کے طور پر مسلمہ اصول قرار

پائے جن کی وجہ سے پیش پا اُفتادہ مسائل کا حل تلاش کرنیکی خاطر اجتہاد کیا گیا۔ اور شریعت میں قانون سازی کا وسیع وعریض کام ہوا۔ نیز فقہاء اور مجتہدین نے اپنی بے پناہ ذہانت اور بہترین فکر وتدبر کے ساتھ اللہ کے دیئے ہوئے اصول ونظریات کی ٹھیک ٹھیک تشریحات فرمائیں۔ جو شریعت کا بہترین سرمایہ اور عظیم ورثہ ہیں۔

اجتہاد میں اجتماعیت

دور جدید میں جبکہ اجتہاد کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ از بس ضروری ہے کہ ایک طرف ان دلائل شرعیہ سے مکمل استفادہ کیا جائے اور دوسری طرف اجتہاد کے لئے اجتماعیت کا اصول اپنایا جائے۔ تاکہ بین الملی سطح پر اسلامی حکومتوں کے تعاون سے امت مسلمہ کے علماء اور دانشور دور جدید میں شریعت کے قوانین کی صلاحیت کارکو پورے عالم میں اجاگر کرسکیں۔

انفرادی حقوق کی ضمانت

شریعت کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ مملکت کے ہر فرد کے حقوق کی مکمل طور پر ضمانت دی جاتی ہے۔ اور ہر باشندے کی عزت وآبرو جائیداد ومال جسم وجان اور چادر وچار دیواری کے تحفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

ان اللّٰہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل. (۳)

بیشک اللہ تم کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچادو اور جب لوگوں میں تصفیہ کرنے بیٹھو تو انصاف کے ساتھ تصفیہ کرو۔ اس آیت میں شریعت

کے تحت ارباب حکومت کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے۔ اور آیت کے دوسرے حصہ میں عدلیہ کے فرض منصبی کا بیان ہے اس لئے کہ بندوں کے حقوق کا تحفظ ان کی خصوصی ذمہ داری ہے۔ اس لئے مختصر سی آیت میں انفرادی حقوق کی پاسداری پر جوزور دیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انفرادی حقوق کی ادائیگی دراصل شریعت کی ذمہ داری ہے۔ اور اسی میں اس کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔

تمام انسانوں کے لئے مساوات کا اصول

شریعت کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہاں پر کسی پابندی اور شرط کے بغیر تمام انسانوں کے لئے مساوات کا اصول نافذ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ

انا خلقناکم من ذکروانثی وجعلنا کم شعوباوقبائل لتعارفو. ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم. (۴)

ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

الناس کاسنان المشط سواء لافضل لعربی علیٰ عجمی الا بالتقویٰ.

تمام لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں کسی عربی کو عجمی پر برتری کے لئے تقویٰ کے سوا کوئی بنیاد نہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کٹہرے میں

اس مساوات کا اعلان اسلامی شریعت میں گزشتہ پندرہ سو سال سے ہو رہا

ہے۔جبکہ وضعی قوانین پر اس راز کا انکشاف اٹھارویں صدی عیسوی میں آ کر ہوا اور اس اصول کو صحیح تسلیم کرنے کے باوجود یورپ میں اس کی پابندی بہت معمولی حد تک کی جاتی ہے۔جبکہ دین اسلام میں آزاد غلام، امیر غریب، کمزور توانا، کالے گورے یا حاکم ومحکوم کی کوئی تفریق نہیں اور شریعت کی نظر میں سب برابر ہیں ۔ بادشاہ یا امیر المومنین بھی عدالت کے روبرو ویسے ہی کٹہرے میں کھڑا ہوگا جس طرح ایک عام آدمی کھڑا ہوتا ہے۔ اور اپنے مقدمے کی پیروی کرتا ہے۔جیسا کہ حضرت ابی بن کعبؓ کے ساتھ مقدمہ کے موقع پر امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ جب حضرت زیدؓ بن ثابت کی عدالت میں پہنچے تو آپ کو دیکھ کر حضرت زیدؓ نے درمیان میں فرش پر جگہ کشادہ کردی اور عرض کیا امیر المومنین یہاں تشریف رکھیئے یہ بات آپؓ کو ناگوار گزری جس پر آپؓ نے فرمایا کہ

هذا اول جورٍ جريتَ في حكمك ولكن اجلس مع خصمىء .(۵)

یہ تمہارا پہلا ظلم ہے جو تمہارے فیصلے میں ہوا ہے میں تو اپنے مدمقابل کے ساتھ ہی بیٹھوں گا۔

مظلوم مصری کی شکایت

اس پر بس نہیں حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مظلوم مصری کی شکایت پر مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے کو اس مصری کے ساتھ زیادتی کرنے پر بدلہ میں اُسی سے کوڑے لگوائے جب مصری نے اپنا بدلہ لے لیا تو آپ نے فرمایا کہ سن لو کہ انصاف میں کسی کی تمیز نہیں ہوا کرتی جو بھی جرم کا مرتکب ہوگا بدلہ پائے گا اسکے بعد گورنر کو مخاطب کرکے فرمایا کہ

مذ عبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احراراً. (۶)
جن کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا تم نے کب سے انہیں غلام بنالیا ہے۔

فقیر اور بادشاہ کے لئے یکساں قانون

اس بنا پر شریعت محمدی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں انسان کا بنایا ہوا نہیں بلکہ رب العالمین کا دیا ہوا قانون نافذ ہوتا ہے۔ جسمیں نہ کوئی افراط وتفریط ہے۔ اور نہ ہی کسی کے لئے خاص امتیاز وتفریق۔ جو قانون فقیر کے لئے ہے۔

وہی بادشاہ کیلئے بھی ہے۔ اور جو آئین سرمایہ دار کے لئے ہے وہی ایک مزدور اور فاقہ مست کے لئے بھی، ایسے ہی جو قوانین اپنوں کے لئے ہیں وہی غیروں کے لئے بھی یہاں تک کہ حاکم ومحکوم میں سے کوئی بھی ان سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اور وہ سب پر برابر لاگو ہیں۔ گویا کہ اسلامی شریعت کے ذریعہ صحیح معنوں میں خدا کا دیا ہوا قانون نافذ کر کے اسلام عدل وانصاف کی حکومت یعنی Rule of Justice قائم کرنا ہے۔

آسان اور سستا انصاف

حضرت معاذ بن جبل کو جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کے ہمراہ یمن کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو دونوں کو وصیت فرمائی کہ

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا . وتطاوعا ولا تختلفا. (۷)
نرمی برتنا دشواری پیدا نہ کرنا خوشخبری سنانا نفرت انگیزی نہ کرنا اور باہم متحد رہنا آپس میں اختلاف نہ کرنا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں عوام کے لئے انصاف کے حصول کو انتہائی آسان بنایا جاتا ہے۔ اور ایسے قواعد وضوابط وضع کئے جاتے ہیں کہ جن کے ذریعے عام آدمی اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے دوسروں کا ہرگز دست نگر نہیں ہوتا بلکہ وہ آسانی سے عدل وانصاف حاصل کرسکتا ہے۔ اسی لئے شریعت میں عدل وانصاف کا معاوضہ یا کورٹ فیس جیسی کسی چیز کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ عدل اور انصاف حکومت کی ذمہ داری اور اس کا اہم ترین فریضہ ہوتا ہے۔ شریعت کی جانب سے باشندوں کو ہر حال میں ہر ایک کے دروازے کی چوکھٹ پر عدل وانصاف مہیا کیا جاتا ہے۔ کہ رشوت اور معاوضہ تو درکنار خود ساختہ قواعد وضوابط کی رو سے کورٹ فیس بھی ممنوع قرار دی جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کی خدمت کے لئے متعین کیا جائے اور پھر وہ ان کی حفاظت اور نگرانی اتنی نہ کرے جتنی کہ وہ اپنے گھر والوں کی حفاظت اور نگرانی کرتا ہے۔ تو ایسا شخص جنت کی بو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

اسلامی عدالت کے کھلے دروازے

اس واسطے ضروری ہے کہ کار پردازان حکومت لوگوں سے ایسا رویہ اختیار کریں کہ جس سے عوام اور رعایا کو اپنی حاجات ان کے سامنے پیش کرنے میں سہولت ہو اور یہی اسلامی شریعت کا اہم تقاضا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

من ولی عن امر الناس شیاً ثم اغلق بابه دون المسلمین او المظلوم او ذی الحاجة اغلق الله دونه ابواب رحمته عند حاجته وفقره افقر مایکون الیه .(۸)

لوگوں کے کاموں میں سے کسی کام کا جو شخص ذمہ دار بنایا جائے اور پھر وہ اپنا دروازہ مسلمانوں یا مظلوم اور ضرورت مند انسانوں پر بند کرے تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص پر اپنی رحمت کے دروازے اسکی اس ضرورت اور محتاجی پر بند کر لیتا ہے جس میں وہ سب سے زیادہ مضطر ہوتا ہے۔

اسی بنا پر شریعت میں انصاف کے حصول کو اتنا سہل اور سستا بنا دیا جاتا ہے کہ ہر کس و ناکس آسانی کے ساتھ اپنے ذاتی حقوق کا تحفظ کر سکتا ہے۔ اور اسے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔

عادلانہ اور غیر جانبدارانہ طریق کار

اسلامی شریعت کی ایک اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں پر انتہائی غیر جانبدارانہ اور مکمل طور پر عادلانہ طریق کار اختیار کیا جاتا ہے۔ کہ کسی کی خطرناک دشمنی بھی جج یا قاضی کے پائے ثبات میں لغزش آنے نہیں دیتی اس لئے کہ قرآن پاک واضح طور پر عدل وانصاف پر قائم رہنے کی تلقین فرما رہا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے کہ

یا ایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شناٰن قوم علیٰ ان لا تعدلوا اِعدلوا ھو اقرب للتقویٰ واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون. (۹)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے احکام کی پوری پابندی کرنے والے انصاف کی شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل ہی نہ کرو۔ عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی

پوری پوری اطلاع ہے۔

پہلے حصے میں نفس عدل وانصاف کا وجوبی حکم ہے اور دوسرے حصہ میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ جب کوئی انصاف کی مسند پر بیٹھ جائے تو وہ صرف منصف اور جج ہو تمام عداوتوں ہر طرح کے بغض عناد حسد اور جذبہ انتقام سے اس کا دل پاک اور دماغ صاف ہو۔ اگر انسانی تقاضے سے اس طرح کی باتیں ذہن میں آئیں تو یہ سوچ کر کہ کل خدا کے سامنے مجھے اپنے اخلاق واعمال کا حساب پیش کرنا ہے۔ ان لغویات کو ہرگز جگہ نہ دے۔ عدالت کی کرسی پر بیٹھنے کے بعد دوست دشمن اس کی نظر میں برابر ہوں جب کہ اسکی نظر صرف انصاف پر ہو۔ مقدمات کی ترتیب اور معاملہ کا نشیب و فراز جس صحیح نتیجہ تک پہنچائے وہی اسکا فیصلہ ہو۔ یہاں پر جذبات کی رو میں بہنا اور انسانی جذبہ انتقام سے متاثر ہونا اس منصب عظیم کے سراسر منافی ہے۔

عدالت نبوی کا تاریخ ساز فیصلہ

اس بنا پر اسلامی شریعت میں بلا رو رعایت اور عادلانہ طریق کار سے فیصلے صادر کرنے کا جو دستور العمل نبی اکرم ﷺ نے تجویز فرمایا ہے۔ اس کی مثال خود آپ ہی کی سیرت مطہرہ سے ملتی ہے۔ جب کہ آپ کے عہد میں ایک ایسی خاتون چوری کی مرتکب ہوئی جو شریف اور اونچے خاندان کی لڑکی تھی۔ قریش کو اس کی بڑی فکر ہوئی۔ انہوں نے سوچنا شروع کیا کہ کون شخص ایسا ہوسکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے اسکی سفارش کرے بالآخر طے پایا کہ اس بات کی جرات صرف اسامہ بن زیدؓ ہی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ آپ کے بڑے چہیتے ہیں۔ لوگوں کے اصرار پر حضرت اسامہؓ نے لب

کشائی کی جسارت کی تو حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

انما هلک من کان قبلکم انهم کانو یقیمون الحد علیٰ الوضیع ویترکون الشریف والذی نفسی بیده لو فاطمة فعلت ذالک لقطعت یدها. (۱۰)

تم سے پہلے والے اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ سزا نیچ لوگوں کو دیتے اور شریفوں کو چھوڑ دیتے قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ اگر فاطمہ میری بیٹی وہ کام کرتی تو میں یقیناً اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

جواب کا لب ولہجہ ملاحظہ فرمایئے کہ جب آپ کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو کس مضبوطی کے ساتھ آپ نے اپنا فیصلہ سنایا کہ جس میں شریف زادی کے لئے اس کی شرافت کی وجہ سے کسی قسم کی رعایت ہرگز نہ تھی۔

شریعت میں عدل کا مقام

اس بنا پر اسلامی شریعت میں عدل کو بڑا مقام حاصل ہے جیسا کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ جس نے مسلمانوں کیلئے منصف بننے کی خواہش کی اور اسے یہ منصب مل گیا پھر اسکے بعد اس کے انصاف نے ظلم وزیادتی کو مغلوب کر ڈالا تو بلاشبہ اس کے لئے جنت ہے اور اگر اسکا الٹا ہوا تو پھر اسکا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (۱۱) نیز فرمایا کہ جو انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر انصاف سے گریز کرے اس پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔

فلاح انسانیت

اسلامی شریعت کی خصوصیات میں سے ایک عظیم خصوصیت فلاحی معاشرہ کا قیام ہے۔ کہ جس میں تعاون واشتراک اور امداد باہمی کے تحت ہر فرد کے جذبات و

احساسات کا احترام کیا جاتا ہے۔ اور ہمدردی و مدارات اور غم خواری و مواسات سے کام لیکر معاشرہ کو امن و عافیت کا مرکز اور گہوارہ بنادیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ

تعاونو علی البر والتقویٰ ولا تعاونو علی الاثم والعدوان. (۱۲)

جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔

غریب اور نادار کا جائز حق

پھر فرمایا کہ

حق معلوم للسائل والمحروم (۱۳)

تمہارے مالوں میں سائل اور محروم کا مقررہ حق ہے۔

یعنی اسلامی شریعت مال والے کے مال میں سے تنگدست اور سوالی کا باقاعدہ مقررہ حصہ تجویز کرتی ہے کہ جس حصہ کی ادائیگی مال کے مالک پر لازم ہے اور سوالی یا تنگدست پر اس کا کوئی احسان بھی نہیں کیونکہ وہ تو اللہ کی جانب سے مقرر کردہ غریب اور نادار کا جائز حق ہے نیز فرمایا کہ

انما الصدقت للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمو لفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل فریضة من الله والله علیم حکیم (۱۴)

یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کیلیے ہیں او ان لوگوں کے لئے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کیلیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضہ داروں کی مدد کرنے کے لئے ہیں اور راہ خدا

میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لئے پھر یہ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا دانا و بینا ہے۔

پھر فرمایا کہ

کَی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم (۲۰)

کہیں یہ مال مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔

یعنی اس طریقہ سے شریعت اسلامی نے پہلے ہی دن سے فلاحی معاشرہ کے قیام کے لئے ایسی موثر اور زوردار تدابیراختیار فرمائیں کہ جن سے انسانیت کی صلاح و فلاح کا اہتمام ہو سکے چاہیے کہ وضعِ قوانین کے متوالوں کی آنکھیں بھی آج کھلیں کہ وہ بھی اس جانب قدم بڑھائیں اور وہ انسانوں کی فلاح و بہبود کی خاطر سعی و کوشش کو بروئے کار لائیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

اسلامی شریعت میں بھلے کاموں کی دعوت دینے اور نیکی کا حکم نافذ کرنے منکر اور برائی سے روکنے کے اہم فریضہ کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ جس کیلئے قرآن پاک نے امت مسلمہ کے ایک طبقہ کو مختص فرمایا اور حکم دیا کہ

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویا مرون بالمعروف وینھون عن المنکر. (۱۵)

تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضروری رہنے چاہیں جو نیکی کی طرف بلائیں بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔

متحرک اور متعدی نظام حیات

اس لحاظ سے شریعت ایک متحرک فعال اور متعدی نظام حیات اور دستور زندگی ہے کہ جس کے تصورات و افکار کو ایک جگہ منجمد ہو جانا اور رک کر رہ جانا نہیں ہے بلکہ حرکت کرنا تقاضائے وقت کے ساتھ آگے بڑھنا اور دوسروں کے لئے ہر لحاظ سے نفع بخش ثابت ہونا ہے۔ اسی مقصد کی خاطر امت مسلمہ کے سب سے زیادہ فعال اور جاندار طبقہ یعنی علماء ائمہ اور خطباء کے علاوہ پڑھے لکھے دانشوروں اور قانون دانوں کے ذمہ یہ فریضہ عائد فرمایا کہ وہ اٹھ کھڑے ہوں اور شریعت کی دعوت کے کام کو خوش اسلوبی سے سرانجام دیں۔ تاکہ دین متین کی آفاقی قدریں اور کائناتی حقیقتیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عظیم فریضہ سے جہانیان عالم پر اجاگر ہوں اور دین اسلام کی صلاحیت کا آج کے دور میں بھی عملی طور پر ثابت ہو کر رہے۔

دعوت کا کام پوری امت کی ذمہ داری

یہی وجہ ہے کہ شریعت اپنے پاس تمام تر ذرائع اور اسباب کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے بروئے کار لاتی ہے۔ چاہے قانون اور عدالت ہو محتسب کا ادارہ ہو یا مسجد مکتب مدرسہ اور جامعہ کا استاد اور خطیب، شریعت کے نزدیک سب داعی اور مبلغ قرار پاتے ہیں اور اپنی اپنی جگہ اس بات کے پابند ہیں کہ دعوت کے کام کو جاری و ساری رکھیں اور اللہ کے دین کی منفعت بخش اقدار کو روحانی اور جسمانی طور پر ہر کہ و مہ پر واضح اور اجاگر کر دیں شریعت کے نزدیک دعوت کا کام پوری امت کی ذمہ داری ہے اور اس کے لئے امت کا ہر فرد جوابدہ اور قابل محاسبہ ہے چاہے ایک طبقہ ہی اس

فریضہ سے عہدہ برآ ہو رہا ہو۔ پھر بھی فرض کفایہ ہونے کی بنا پر دعوت کا کام رک جانے اور آگے نہ بڑھنے پر پوری امت گنہگار ہوگی اور اپنے آقا و مالک کے ہاں اس کوتاہی پر سزا کی مستحق قرار دی جائیگی۔

نیکوکاری کا فیشن

دعوت کے کام کیلئے شریعت نے حکومت وقت کو سب سے زیادہ ذمہ دار ٹھہرایا ہے امیر المومنین امام یا سلطان کا یہ اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے اقتدار اور اختیار کو اسطرح کام میں لائے کہ اسکا اختیار اور حکومت بھلائی کے کاموں میں متحرک اور فعال ہو اور برائی کو روکنے اور دبانے کیلئے استعمال ہو۔ تاکہ اسلامی معاشرہ میں نیکی اور نیکوکاری کا فیشن ہو اور برائی اور گناہ ہر حال میں معاشرے کے افراد کے اندر دبا ہوا اور سہما سہما رہے۔ تاکہ اول تو کسی کو برائی کی جرات ہی نہ ہو سکے اور اگر کوئی جسارت کر بیٹھے تو اسطرح لک چھپ کر کہ اس کے گناہ کی کسی دوسرے کو کانوں کان خبر بھی ہونے نہ پائے۔

سماجی برائیوں کا سد باب

شریعت ایسے قوانین بھی نافذ کرتی ہے کہ جن کے ذریعہ معاشرے میں امن و عافیت قائم ہو اور لوگ رزائل سے اجتناب کریں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت بے حیائی عریانی اور ظلم و زیادتی کے علاوہ ذخیرہ اندوزی رشوت ستانی سود خواری چوری اور سینہ زوری کے سراسر خلاف ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا لهم عذاب

الیم فی الدنیا والاخرہ. (۱۶)

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی اور بے شرمی کا چرچا ہو ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

پھر فرمایا کہ

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم. (۱۷)

اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کیلئے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقہ سے کھانے کا موقع مل جائے۔

اسطرح رشوت چوری اور سینہ زوری کو شریعت میں حرام قرار دیا گیا اور ظلم و زیادتی کی نفی کردی گئی تا کہ کسی کو دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے کھانے کی جرات نہ ہو۔ پھر ذخیرہ اندوز کے بارے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ المحتکر ملعون ذخیرہ اندوزی کرنے والا لعنتی ہے۔

دور جدید میں شریعت کی افادیت

مغربی تمدن کے دلدادہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شریعت موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتی لہذا آج کے ترقی یافتہ دور میں ترک کر کے جدت کی نئی راہیں تلاش کرنی چاہیے۔ حالانکہ شریعت قرآن وسنت کے جن اصولوں پر قائم ہے وہ آج بھی اسی قدر موثر ہیں جتنا کہ آج سے پندرہ صدیاں پہلے کیونکہ قوانین مروجہ کی صلاحیت کار کا انحصار ان اصولوں کی صلاحیت کار پر ہوتا ہے۔ جن کی بنیاد پر انہیں

مدون کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے شریعت کا کوئی بھی اصول ایسا نہیں جس کی صلاحیت کار آج کے دور میں ختم ہو چکی ہو۔ بلکہ منفعت بخش اور کار آمد ہونے پر وہ تقابلی مطالعہ میں آج کے وضعی اور انسان کے خود ساختہ قوانین کی بہ نسبت زیادہ فعال اور متحرک ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا خصوصیات کے بیان سے اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

یورپی ثقافت کے متوالے

یورپی ثقافت کے متوالے اس سے متاثر ہو کر اپنی جگہ یہ خیال کرتے ہیں کہ شریعت کے کچھ حصے تو ایسے ہیں جو آج بھی بڑے کار آمد ہیں مگر دوسرے ایسے بھی ہیں جنکو ترک کر دینا ضروری ہے۔ جیسا کہ ان کی نظر میں جرائم کیلئے مقرر کردہ اسلامی سزائیں وقتی تھیں آج وہ نہیں چل سکتیں۔ دراصل ان کے خیال کے پس منظر میں کار فرما عامل یہ ہے کہ ان سزاؤں کی کوئی نظیر انہیں انسان کے بنائے ہوئے قوانین میں نہیں ملتی۔ لیکن اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ انسانی قانون ساز ادارے وقت کی ضرورت کے پیش نظر اپنا کوئی بھی قانون وضع کر لیں اور اس کے لئے نظریہ ضرورت کا سہارا لیکر دلائل بھی تیار کر لیں تو یہی لوگ اپنے بنائے ہوئے قوانین کے لازمی اور لابدی ہونے کا بڑا بلند بانگ نعرہ لگانے لگیں گے۔ جیسا کہ یورپین ممالک میں حالات کار اور بعض خصوصی قوانین کے نفاذ کے وقت ہوتا ہے کہ قانون ضرورت جیسے بدنام زمانہ قانون کے تحت ہر طرح کی لاقانونیت کو جائز قرار دیا جاتا ہے۔

مسلمان ہونے کا دعویٰ

پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ مغربی تہذیب کی جھولی میں پڑے ہوئے کچھ

لوگ مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر انہوں نے اسلام کو سمجھا ہوتا تو ایسی باتیں کبھی اپنی زبانوں پر نہ لاتے اسلام کے احکامات تو ابدی اور سرمدی ہیں ان میں سے کوئی حکم اگر رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں منسوخ نہیں ہوا تو وہ ابدالاباد تک جاری وساری رہے گا۔ اسی واسطے خطبہ حجۃ الوداع کے دوران یہ آیت کریمہ آپ ﷺ پر نازل ہوئی جسمیں دین وشریعت کی تکمیل کا اعلان ہوا کہ

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً. (۱۸)

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے۔ اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے۔ اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند کر لیا ہے۔

آخری دین کامل

حیرت ہے یہ نام نہاد مسلمان آخر کیوں نہیں سوچتے کہ اسلام کے بعض احکامات کو اگر وقتی مان لیا گیا تو باقی کے بارے میں ابدی اور دائمی ہونے اور دین متین کے آخری دین کامل ہونے کی کیا ضمانت باقی رہ جائیگی۔ پھر اس صورت میں اسلام کا کیا بنے گا اور یہ لوگ دین اسلام کو خیر باد کہہ کر کہاں جائیں گے۔ قرآن نے مختلف مقامات پر اسی لئے واضح فرمادیا ہے کہ

من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک هم الکافرون هم الفاسقون هم الظالمون. (۱۹)

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں وہی فاسق ہیں وہی ظالم ہیں۔

مراجع ومصادر

۱۔ الانعام ۱۱۵

۲۔ القمر ۴۹

۳۔ النساء ۵۸

۴۔ الحجرات ۱۳

۵۔ اشہر مشاہیر اسلام ۳۸۳

۶۔ اشہر مشاہیر اسلام ۳۸۳

۷۔ مشکوٰۃ باب ما علی الولاۃ

۸۔ مشکوٰۃ کتاب الامارہ

۹۔ المائدہ ۸

۱۰۔ بخاری اقامۃ الحد علی الوضیع والشریف

۱۱۔ کتاب الترغیب والترسیب

۱۲۔ المائدہ ۲

۱۳۔ المعراج ۲۴، ۲۵

۱۴۔ التوبہ ۶۰

۱۵۔ آل عمران ۱۰۴

۱۶۔ النور ۱۹

۱۷۔ البقرہ ۸۸

۱۸۔ المائدہ ۳

۱۹۔ المائدہ ۴۴، ۴۵، ۴۷

۲۰۔ الحشر ۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی

یقیناً اللہ حکم دیتا ہے عدل واحسان کا اور اہل قرابت کو دینے کا

وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ

اور وہ منع کرتا ہے کھلی برائی سے مطلق برائی سے اور ظلم سے

لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ٥

وہ تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو

(النحل ۹۰)

کمال نظم معاشرت

یہی وجہ ہے کہ اسلام ایک انسان کو معاشرے میں ایسا ماحول مہیا کرنے کا اہتمام کرتا ہے جس میں اُسے خلوص نیت اور ارادۂ خیر کے حصول کی تربیت ہو۔ ایسے گرد و پیش میں جب وہ اپنی آزادانہ رائے کو خیر کے انتخاب کے لئے استعمال کرنے کی مسلسل اور بار بار مشق کرتا ہے تو پھر یہ عادت اس کی طبیعت میں راسخ ہو جاتی ہے اور یوں فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ کہ بالاخر اپنے رب کے فضل و کرم سے شر سے اجتناب کرنا اس کے لئے مشکل نہیں رہتا اور وہ تعلیم و تربیت سے اللہ کا محبوب بندہ اور مرد صالح بن جاتا ہے۔

☆ صحیفہ سیرت النبی ﷺ
☆ حکمت کے خزانے
☆ زندگی کا قرینہ
☆ عمل صحیح کی بنیاد
☆ خلوص نیت اور ارادہ خیر
☆ کانٹ کی رائے
☆ حدیث قدسی
☆ مومن کا مقام
☆ سب سے زیادہ جامع آیت
☆ ولید بن مغیرہ کا تاثر
☆ نظم معاشرت کی ترتیب
☆ چہرہ اطہر پر غازۂ مبارک
☆ تین باتوں کا حکم
☆ عدل کا معنیٰ ومفہوم
☆ عدل میں اعتدال
☆ احسان کا معنیٰ ومفہوم
☆ حدیث جبرئیل میں احسان کے معنیٰ
☆ مخلوقات کے ساتھ حسن سلوک
☆ امام قرطبی نے فرمایا
☆ عدل اور احسان میں فرق
☆ مامورات ثلاثہ میں تیسرا حکم
☆ باضابطہ درجہ بندی
☆ ذی القربیٰ کے اجمال کی تفصیل
☆ والدین کا ادب واحترام
☆ وہ دونوں تیری جنت میں
☆ الاقرب فالاقرب کا معیار خالص
☆ ابوہریرہؓ کی روایت
☆ الجار ذی القربی والجار الجنب
☆ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد
☆ حسن کاری کا مظاہرہ
☆ غلامی کی لعنت کا خاتمہ
☆ حضور ﷺ کے جواہر پارے
☆ منھیات ثلاثہ اور ان کا مفہوم
☆ منھیات کی سنگین نوعیت
☆ معاشرتی رزائل ثلاثہ
☆ متکبر بخیل اور ریا کار کا انجام
☆ سورۃ النحل کی آیت عظیم

صحیفہء سیرت النبی ﷺ

رسول اللہ ﷺ کے خالق عظیم کی مکمل کتاب ہونے کی حیثیت سے جہاں قرآن کو صحیفہء سیرت النبی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ وہاں پر ایمان والوں کے لئے منبع رشد و ہدایت اور سرمایہ بشارت و نذارت ہو کر تمام تر ضروریاتِ دین کی وضاحت و بیان بھی اسی کتاب مبارک کا عظیم کارنامہ ہے پھر ان ہر دو خصوصیات کی بنیاد پر قرآن زندگی کیلئے جو رستہ تجویز کرتا ہے وہ اسقدر سیدھا اور صاف صراطِ مستقیم ہے کہ جس میں کوئی کج پیچ نہیں اور جس پر چلنے والا اپنے رب کی جانب سے واضح نصب العین پر فائز ہو کر یقین کامل کے ساتھ کامیابی کی منزل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔

حکمت کے خزانے

اوراس لئے بھی کہ قرآن نے دستورِ زندگی اور نظم معاشرت کے بارے میں جو ضابطے انسانوں کو عطا کئے گئے ہیں وہ سراسر حکمت کے عناصر پر مشتمل ہیں اور پختہ حقائق اور ٹھوس دلائل پر مبنی ہونے کی بنا پر فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔اس لئے سورہ بنی اسرائیل میں جس مقام پر انسان کے لئے معاشرتی ضابطوں کی تفصیل بیان فرمائی وہاں ان کے آخر میں اعلان کیا کہ

ذالک مما اوحیٰ الیک ربک من الحکمة ۔ (۱)

یہ سب باتیں ہیں جو تمہارے رب نے حکمت کے خزانوں میں سے تمہاری جانب وحی فرمائی ہیں جب کہ آغاز بیان میں فرمایا کہ

اِن ھـذا الـقـرآن یھدی للتی ھی اقوم ویبشر المومنین الذین یعملون الصلحت ان لھم اجرا کبیرا. (۲)

بیشک یہ قرآن اُس راستے کی طرف رہنمائی کر رہا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں اس بات کی بشارت دیتا ہے کہ اُن کیلئے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر وثواب ہے۔

زندگی کا قرینہ

اس بنا پر نبی اکرم ﷺ نے صراط مستقیم کی نشان دہی کرتے ہوئے معاشرتی آداب کی صورت میں زندگی کا جو قرینہ مختص فرمایا ہے اسکی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں

جب تک اسلامی عقائد میں سے اصول ثلاثہ کو ایک مسلمان کے ذہن وفکر کی بنیاد قرار نہیں دیا جاتا اور توحید و رسالت اور آخرت کی ایمانیاتی مثلث مسلمانوں کے جملہ معاشرتی ضابطوں کی روح اور جان نہیں بن جاتی۔ جیسا کہ فرمایا کہ

وما ذا علیھم لو اٰمنو ا باللہ ورسولہٖ والیوم الاخر (۳)

اُن پر کیا مشکل ہے اگر وہ اللہ اس کے رسول اور آخرت پر ایمان لے آویں۔

عمل صحیح کی بنیاد

اس بنا پر اسلامی زندگی کے ہر زاویہ میں فکر صحیح کو عمل صحیح کی جڑ اور بنیاد خیال کیا جاتا ہے۔ نیز مخلوقات کے ساتھ حسن معاملہ اور حسن معاشرت کے سارے سلسلے سرتاسر مبداء و معاد کے بارے میں ستھرے اور صاف عقیدہ پر ہی منحصر ہیں جس کے لئے نیت اور ارادے کا خالص ہونا ازبس ضروری ہے اس لئے فرمایا کہ

انما الاعمال بالنیات و انما لا مری مانویٰ (۴)

دراصل تمام عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص وہی کچھ پالے گا۔ جس کی اس نے نیت کی۔

خلوص نیت اور ارادہ خیر

یہی وجہ ہے کہ اسلام ایک انسان کو معاشرے میں ایسا ماحول مہیا کرنے کا اہتمام کرتا ہے جس میں اُسے خلوص نیت اور ارادۂ خیر کے حصول کی تربیت ہو۔ ایسے گرد و پیش میں جب وہ اپنی آزادانہ رائے کو خیر کے انتخاب کے لئے استعمال کرنے کی

مسلسل اور بار بار مشق کرتا ہے تو پھر یہ عادت اس کی طبیعت میں راسخ ہو جاتی ہے اور یوں فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ کہ بالآخر اپنے رب کے فضل و کرم سے شر سے اجتناب کرنا اس کے لئے مشکل نہیں رہتا اور وہ تعلیم و تربیت سے اللہ کا محبوب بندہ اور مرد صالح بن جاتا ہے۔

کانٹ کی رائے

مشہور فلسفی Kant کی زبان میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نیکی کی مسلسل مشق کرنے پر اس کی Good Will (یعنی ارادۂ خیر) Holy Will (یعنی ارادۂ طیبہ) میں بدل جاتی ہے۔

قرآن حکیم نے مردِ صالح کی اس بات کو اللہ کے رنگ میں رنگے جانے سے تعبیر فرمایا ہے۔ جب کہ نیکی رنگ کی طرح اس کے رگ و ریشہ میں رچ بس جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ

صبغة الله ومن احسن من الله صبغة ونحن له عابدون. (۵)

اللہ نے رنگ دیا ہے اور اللہ کے علاوہ کون ہے جس کا رنگ دینا اللہ سے خوب تر ہو۔ اور ہم تو اسی کی بندگی میں ہیں۔

حدیث قدسی

ایک حدیث قدسی میں رب تعالیٰ اپنے نیکوکار بندے کی اس طبیعت راسخہ کو اسطرح بیان فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے:

وما یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی اَحببته فاذا احببته فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بهاوان ساء لنی لاعطینه ولئن استعاذنی لاعِیذنه ۔(۶)

میرا بندہ میری خوشنودی کے کاموں کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اسکی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ چاہتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔

مومن کا مقام خاص

حضرت علامہ اقبالؒ نے بندہ مومن کی اس سرفرازی کا یوں ذکر فرمایا ہے کہ یہ وہ مقام خاص ہے جہاں پر ''خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے''

سب سے زیادہ جامع آیت:

اس فلسفہ اور فکر کے تحت اسلامی نظم معاشرت کے دستور العمل کی وضاحت کی خاطر قرآن پاک میں سب سے زیادہ جامع آیت کا نزول ہوا اور فرمایا کہ

اِن اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون.(۷)

بیشک اللہ تعالیٰ عدل واحسان اور اہل قرابت کو دینے کا حکم دیتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع کرتے ہیں۔اور تم کونصیحت کرتے ہیں تا کہ تم نصیحت قبول کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ سورۂ نحل کی یہ آیت قرآن کی جامع ترین آیت ہے۔(۸) اس میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند الفاظ میں سمودیا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کے عہد سے آج تک سب کا یہ معمول رہا ہے کہ جمعہ وعیدین کے خطبوں کے آخر میں یہ آیت تلاوت کیجاتی ہے۔

ولید بن مغیرہ کا تاثر

آپ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن کی اس آیت کی تلاوت سننے کے بعد ولید بن مغیرہ کا تاثر جو اس نے اپنی قوم سے بیان کیا یہ تھا کہ

واللہ ان لہ لحلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وان اصلہ لمورق واعلاہ لمثمر وماھو بقول بشر.

خدا کی قسم اس میں ایک خاص حلاوت ہے اور اس کے اوپر ایک خاص رونق اور نور ہے اس کی جڑ سے شاخیں اور پتے نکلنے والے ہیں اور شاخوں پر پھل لگنے والا ہے اور یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہے۔

نظمِ معاشرت کی ترتیب

اس آیت میں باری تعالیٰ نے اسلامی نظم معاشرت کی ترتیب وتجسیم کی خاطر ماموارات اور منہیات کا ایک جامع دستوری ڈھانچہ مختص فرمادیا جو اپنی جگہ مثبت اور

منفی کے حسین امتزاج پر مشتمل ہے اور جس میں معاشرے کے ہر فرد کی رہنمائی کے لئے تمام اشیائے حسنہ وقبیحہ کی تشریح فرمائی گئی ہے۔ تاکہ انسان ماموارت کو اختیار کرے اور منھیات سے بچنے اور اجتناب کرنے کی فکر کرے۔

چہرہ اطہر پر غازۂ مبارک

اس جامعیت کے پیش نظر آیت گرامی قدر کے چہرہ اطہر کو تبیانا لکل شیء کے غازۂ مبارک سے سجا کر اعلان فرمایا کہ اس دین کی تمام باتیں وضاحت سے بیان کی جارہی ہیں۔ کیونکہ یہ کتاب مسلمانوں کے واسطے ہدایت ورحمت کا سامان ہے۔ اور اس میں فرمان برداروں کو کامیابی کی خوشخبری دی جارہی ہے۔

تین باتوں کا حکم

چنانچہ آیت زیر نظر میں عدل احسان اور ایتاء ذی القربیٰ کی صورت میں تین باتوں کا حکم دیا کیونکہ اسلامی زندگی میں حسن معاملہ اور حسن معاشرت کا سارا دارومدار ان تینوں پر ہے۔ پھر یامر کے لفظ سے حکم خداوندی کی ضرورت واہمیت کی وضاحت فرمائی تاکہ معلوم ہو کہ تینوں باتیں اسلامی نظم معاشرت کیلئے محض اختیاری اور انتخابی نہیں ہیں بلکہ ان کا حصول ہر فرد کیلئے لازمی اور لابدی ہے۔

عدل کا معنیٰ ومفہوم

عدل کے لغوی معنی برابری کرنے کے ہیں لیکن اصطلاحی معنی اور مفہوم کو سمجھنے کیلئے عدل کی مندرجہ ذیل صورتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کرنا ۲۔ اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان حقوق اللہ میں عدل کرنا ۳۔ اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان حقوق

العباد میں عدل کرنا۔ ۴۔ دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کرتے وقت عدل کرنا۔
۵۔ ذاتی معاشرتی معاشی اور سیاسی معاملات میں افراط و تفریط سے بچ کر میانہ روی اور اعتدال سے کام لینا۔

ان تمام صورتوں میں لازم ہوگا کہ ایک انسان نہ صرف جسمانی اور روحانی طور پر افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال پر قائم رہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے حظ نفس پر اور اس کی رضاجوئی کو اپنی خواہشات کی تکمیل پر مقدم جانے اور تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے۔ نیز کسی کے ساتھ بھی ظلم و زیادتی اور خیانت کیے بغیر ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف سے کام لے۔ اور اگر کبھی دو فریق اپنے کسی معاملہ کو محاکمہ کے لئے اس کے روبرو پیش کریں تو فیصلہ میں کسی کی طرف ناروا میلان کئے بغیر حق و انصاف کی بنیاد پر فیصلہ کرے۔

عدل میں اعتدال

امام عبداللہ رازی کے نزدیک لفظ عدل میں عقیدہ کا اعتدال عمل کا اعتدال اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں۔(۹) اس وضاحت کے پیش نظر اس آیت کا لفظ عدل اپنے مفہوم کے اعتبار سے اسقدر وسیع اور جامع ہے کہ اس میں معاشرتی سطح پر ایک انسان کے لئے تمام اعمال و اخلاق حسنہ کی پاسداری کرنے اور برے اعمال و اخلاق سے بچنے کے معنیٰ پوری طرح شامل ہو گئے ہیں۔

احسان کے معنیٰ و مفہوم

احسان لغت میں اچھا کرنے خوبصورت بنانے اور بھلائی کرنے کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی طور پر کسی فعل عمل خلق عادت یا کام کو اسطرح خوبصورتی اور اچھائی کے ساتھ مکمل کرنا کہ اسمیں کوئی بھی نقص یا خامی نہ رہنے پائے۔ احسان کہلاتا ہے۔

حدیث جبرئیل میں احسان کے معنیٰ

حدیث جبرئیل میں خود نبی اکرم ﷺ نے احسان کے جو معنیٰ بیان فرمائے ہیں وہ عبادت کا احسان ہے جیسا کہ فرمایا کہ

ان تعبدالله کانک تراه و ان لم تکن تراه فانه یراک

تو اللہ کی عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر ایسا نہیں تو اتنا تو ہو کہ تو یقین کرے کہ تیرا رب تجھے دیکھ رہا ہے۔(۱۰)

مخلوقات کے ساتھ حسن سلوک

غرضیکہ آیت زیر نظر میں احسان سے مراد عبادت کا احسان بھی ہے۔ اور اس کے علاوہ تمام اعمال و اخلاق عادات و اطوار اور انسانی آداب و خصائل کا احسان بھی جس کے تحت ان سب چیزوں کو سنوارنا اور بنانا غرضیکہ تمام مخلوقات کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور بھلائی کے ساتھ پیش آنا احسان کے مفہوم میں داخل ہے۔

امام قرطبی نے فرمایا

امام قرطبی نے فرمایا کہ جس شخص کے گھر میں اس کی بلی کو اپنی مطلوبہ خوراک اور ضروریات نہ ملیں اور جس کے ہاں پنجرے میں بند پرندوں کی پوری طرح خبر گیری نہ ہو وہ کتنی ہی عبادت کیوں نہ کرے محسنین میں شمار نہیں ہوگا۔(۱۱)

عدل اور احسان میں فرق

عدل تو یہ ہے کہ کسی کو اس کا حق پورا پورا ادا کیا جائے جس میں کوئی کمی زیادتی نہ ہو جبکہ احسان یہ ہے کہ دوسرے کو اس کے اصل حق سے زیادہ دیا جائے اور خود اپنے حق میں کمی کو بخوشی قبول کر لیا جائے۔ پھر اگر دوسرا کوئی نقصان بھی پہنچائے تو برابر کا انتقام لینے کی بجائے اسے معاف کر دینا یا برائی کا بدلہ بھلائی سے دینا احسان کہلائے گا۔ اسطرح عدل کرنا فرض اور واجب ہوگا۔ اور احسان نفلی اور مستحب۔

مامورات ثلاثہ میں تیسرا حکم

مامورات ثلاثہ میں تیسرا حکم ایتاء ذی القربیٰ کا ہے ایتاء کے معنی کوئی چیز دینے کے ہیں اور قربیٰ سے قرابت داری اور رشتہ داری مراد ہے۔ اور ذی القربیٰ کے معنی قریبی رشتہ دار ذی رحم عزیز کے ہیں۔ اسطرح ایتاء ذی القربیٰ کے معنی ہوئے قریبی رشتہ دار کو کچھ دینا۔ ایک اور مقام پر قرآن نے الاقرب فالاقرب کے پیمانے کے تحت ذی القربیٰ کی مفصل فہرست مرتب فرماتے ہوئے ایتاء کو احسان سے تعبیر فرمایا۔ اور قرابت داروں اور عزیزوں کے ساتھ حسن کاری کی تلقین فرمائی ارشاد ربانی ہے۔

واعبدو اللہ ولا تشرکو ا بہ شیئا وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم.

اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور دوسرے اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے

ساتھ بھی اور غریب غرباء کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راہ گیر مسافر کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ بھی جو شرعاً تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں۔

باضابطہ درجہ بندی

اسطرح گروہی عصبیت اور منافرت کو ابھار کر معاشرے کی طبقاتی تقسیم کرنے کی بجائے قرآن نے افراد کو ایک حسین اور باضابطہ درجہ بندی کے تحت اسلامی نظم معاشرت میں اسطرح منسلک فرمادیا کہ ہر فرد دوسرے کے لئے کارآمد اور کارآفرین بن کر مددگار اور معاون ثابت ہو سکے لیکن اس درجہ بندی کے بیان سے پہلے اللہ کی بندگی اور اس کی توحید خالص کا اعلان اس لئے فرمایا کہ نظم معاشرت کی ترتیب و نسق صرف تقویٰ اور خوف خدا پر منحصر ہے اور یہ چیز توحید خالص کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ ورنہ جس شخص کو اپنے مالک کا خوف اور اس کے حقوق کا لحاظ نہ ہوگا۔ تو اس سے دنیا میں اور کسی کے حقوق کے اہتمام کی کیا امید رکھی جاسکتی ہے۔ لہذا آیت بالا میں قرابت کو ذیل کے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پھر ہر حصے میں اس سے متعلقہ افراد کی فہرست درج ہے۔ ۱۔ قرابت رشتہ ۲۔ قرابت مکانی ۳۔ معاشرتی قرابت

ذی القربیٰ کے اجمال کی تفصیل

آیت بالا میں ذی القربیٰ کے اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے قرآن پاک نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اسکی توحید خالص کی تلقین کرنے کے بعد سب سے پہلے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے اور ان کے حقوق کی پاسداری کرنے کا

حکم دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بعد انسان پر سب سے زیادہ احسانات اس کے والدین کے ہی ہوتے ہیں جو پیدائش سے لیکر جوانی تک اپنی اولاد کی پرورش کرتے اور ان کے وجود اور نشوونما کے ضامن ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے دوسرے مقامات پر بھی والدین کے حقوق کو اللہ کی عبادت و اطاعت کے ساتھ متصل بیان کیا ہے جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا کہ

وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احساناً اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلاتقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما. واخفض لھما جناح الذل ، من الرحمة وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیراً. (۱۴)

اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو اگر وہ تیرے پاس ہوں اور ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کو کبھی ہوں تک بھی نہ کہنا اور نہ ہی ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ میرے پروردگار ان دونوں پر رحم فرمایئے جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں پالا پرورش کیا ہے۔

والدین کا ادب واحترام

اس آیت میں حق تعالیٰ نے والدین کے ادب واحترام اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر واجب فرمایا بلکہ ایک جگہ والدین کا شکریہ

ادا کرنے کو اپنے شکر کے ساتھ لازم قرار دیا۔ اور فرمایا کہ

ان اشکرلی ولوالدیک (۱۳)

میرا شکرادا کرو اور اپنے والدین کا بھی۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے شکر کے بعد والدین کا شکریہ بھی لازم ہے۔ اسی لئے جب ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کونسا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نماز اپنے وقت پر ادا کرنا۔ اس نے پھر دریافت فرمایا کہ اس کے بعد کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے تو آپ نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک۔ (۱۴)

وہ دونوں تیری جنت ہیں

ایک اور موقع پر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رضا والدین کی رضا میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی والدین کی ناراضی میں ہے۔ (۱۵) اسی طرح ایک شخص نے جب سوال کیا کہ اولاد پر والدین کا کیا حق ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دونوں تیری جنت ہیں یا دوزخ ہیں۔ (۱۶)

نیز فرمایا کہ جو خدمت گزار بیٹا اپنے والدین کو عزت و احترام اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اسے ہر نظر کے بدلے میں ایک حج مقبول کا ثواب ملتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر وہ دن میں سو مرتبہ اس طرح نظر کرے تو فرمایا کہ ہاں سو مرتبہ بھی ہر نظر پر یہی ثواب ملتا رہے گا۔ (۱۷) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

کہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں لیکن جو شخص والدین کی نافرمانی اور دل آزاری کرے اس کو آخرت سے پہلے دنیا میں ہی طرح طرح کی آفتوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔(۱۸)

الاقرب فالاقرب کا معیار خالص

قرابت رشتہ کے باب میں والدین کے بعد میاں بیوی اولاد بھائی بہن اور دیگر ذوی الارحام کا درجہ ہے جس کے لئے الاقرب فالاقرب کے معیار خالص کیمطابق ہر ایک کا حق دوسرے پر فائق ہے۔

جس کی پاسداری کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ

من احب ان یبسط لہ فی رزقہ وینسالہ فی اثرہ فلیصل رحمہ. (۱۹)

جس کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی آئے اور اس کی عمر دراز ہو تو اسے چاہیے کہ رشتہ کو ملائے اور صلہ رحمی کرے۔(۲۰)

ابوھریرہؓ کی روایت

حضرت ابوھریرہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

خلق اللہ الخلق فلما فرغ منہ قامت الرحم فاخذت بحقوی الرحمٰن فقال مہ قالت ھذا مکان العائذبک من القطیعہ قال الا ترضین ان اصل من وصلک واقطع من قطعک قالت بلیٰ یا رب قال فذالک۔ (۲۱)

اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور جب اس سے فارغ ہوا تو قرابت رشتہ کھڑی ہوگئی اور اس نے رحمٰن کے دونوں پہلو تھام لئے تو رحمان نے پوچھا کیا ہے جس پر قرابت بولی کہ یہ تیرے سامنے قطعہ رحمی سے بچنے والے کی پناہ گاہ ہے۔ اسپر رحمان نے فرمایا کہ تو نہیں چاہتی کہ جو تجھے جوڑے میں اسے جوڑے رکھوں اور جو تجھے کاٹے میں اسے کاٹ دوں۔ تو قرابت نے جواب دیا کہ ہاں میرے رب اسپر اعلان ہوا کہ ہاں تجھ سے یہی عہد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ذی القربیٰ کے حقوق کا لحاظ نہ رکھنے والا نہ صرف اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ بلکہ اسکا جنت میں داخل ہونا بھی خارج از امکان ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ

لا تنزل الرحمة علی قوم فیه قاطع رحم

اس قوم پر اللہ کی رحمت نہیں اترے گی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔

الجار ذی القربیٰ والجار الجنب

ذوی الارحام کے بعد ذی القربیٰ کی فہرست میں وہ لوگ آتے ہیں جو عارضی یا مستقل طور پر کسی کے قریب ہوں جن کے بارے میں فرمایا کہ والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب رشتہ دار پڑوسی غیر پڑوسی اور پاس بیٹھنے والا ساتھی یا رفیق کاران کے ساتھ بھی قرآن کے نزدیک حسن معاملہ کرنا اور نیک سلوک سے کام لینا انتہائی ضروری ہے۔ مفسرین کا اسپر اتفاق ہے کہ پڑوسی خواہ قریب ہو یا بعید رشتہ دار ہو یا غیر مسلم بہرحال اسکا حق ہے کہ اسکی معاونت کی جائے اور اس کا لحاظ رکھا جائے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد

خود نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو یوں واضح فرمایا کہ:

الجیران ثلثة جارله حق واحد وهو ادنیٰ الجیران حقا وجارله حقان وجار له ثلاثة حقوق وهو افضل الجیران حقاً واما الجار الذی له حق واحد فجار مشرک لا رحم له له حق الجوار واما الجار الذی له حقان فجار مسلم له حق الا سلام و حق الجوار واما الذی له ثلاثة حقوق فجار مسلم ذورحم له حق الجوار وحق الاسلام وحق الرحم. (۲۴)

پڑوسی تین ہیں بعض پڑوسی وہ ہیں جن کا صرف ایک حق ہے بعض وہ ہیں جن کے دوحق ہیں اور بعض وہ ہیں جن کے تین حق ہیں ایک حق والا پڑوسی وہ ہے جو غیر مسلم ہے جس سے کوئی رشتہ داری بھی نہیں دوحق والا پڑوسی وہ ہے جو پڑوسی ہونے کے ساتھ مسلمان بھی ہے۔ تین حق والا پڑوسی وہ ہے جو پڑوسی بھی ہے مسلمان بھی ہے اور ذورحم بھی اس لحاظ سے پڑوسی کا حق اسقدر زیادہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

ماذال جبریل یوصینی بالجارحتی ظننت انه سیورثه

جبریل امین مجھے پڑوسی کے بارے میں تلقین کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ پڑوسی کو بھی وراثت میں شریک کردیا جائے گا۔

پھر پڑوسی کی طرح اس شخص کا بھی حق ہے جو رفیق سفر ہے کسی عام مجلس میں تھوڑی دیر کے لئے آپ کے برابر بیٹھا ہے چاہے اپنا ہے یا پرایا مسلمان ہے یا غیر مسلم اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کی ہدایت فرمائی گئی۔ جس کا سب سے کمتر درجہ یہ ہے کہ

آپ کے قول و فعل سے اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اس طرح صاحب بالجنب کے معنیٰ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کاروبار پیشہ یا کسی دفتر میں باہم رفقائے کار ہیں۔

حسن کاری کا مظاہرہ

اسلامی نظم معاشرت کے مندرجہ بالا درجات کے بعد معاشرتی سطح پر دیگر جن طبقات کے ساتھ احسان و اکرام کا حکم دیا گیا ہے۔ ان میں یتیم مسکین بیمار کمزور بوڑھے مسافر دوست احباب مہمان ملازم مزدور مملوکہ جانور اور حیوانات سب شامل ہیں۔ اور حسن سلوک اور حسن معاملہ کے بجا طور پر مستحق اسلامی معاشرہ کے ہر فرد کے لئے لازم ہے کہ سب سے حسن کاری کا مظاہرہ کرے اور کسی کے ساتھ بھی ظلم زیادتی یا بدسلوئی کا مرتکب نہ ہو۔

غلامی کی لعنت کا خاتمہ

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے آزاد شہری تو درکنار ایک مملوک غلام کے ساتھ بھی خوش خلقی اور رواداری کے ساتھ پیش آنے کی تلقین فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب کا وہ معاشرہ جسکا ہر فرد کسی نہ کسی طرح دوسرے کا غلام تھا اس میں سے بالاخر غلامی کی لعنت کا یکسر خاتمہ ہو گیا۔ آیت کرای قدر میں، ماملکت ایمانھم کے ضمن میں نہ صرف غلام نوکر چاکر اور ملازم ہی آتے ہیں بلکہ تمام مملوکہ مویشی جانور بھی اس فہرست میں شامل ہیں۔ جن کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے چنانچہ فرمایا:

للمملوک طعامُه' وشرابُه' وکسوتُه' ولا یکلّف الّا ما یطیق فان کلّفتموھم فاعینوھُم ولا تعذّبوا عبادَاللّٰہِ امثالُکم (۲۴)

تمہارے غلاموں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم اُنہیں کھانا پانی دو کپڑے پہناؤ اور اُن پر کام کا اتنا ہی بوجھ ڈالو جتنا وہ برداشت کر سکیں۔ اگر سخت اور بھاری کام اُن سے لو تو ان کی مدد کرو۔ اللہ کے بندوں کو سخت کام لیکر عذاب اور تکلیف میں نہ ڈالو وہ بھی تمہاری طرح اللہ کی مخلوق ہیں۔

حضور ﷺ کے جواہر پارے

حقیقت یہ ہے کہ نظم معاشرت کی تزئین و آرائش اور آداب زندگی کی تکمیل کیلئے سرورکائنات ﷺ کے عطا کردہ جواہر پاروں سے کتبِ حدیث خوب بھری پڑی ہیں۔ حسنِ معاشرت کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے رہنمائی نہ فرمائی ہو اور معاشرت میں خلل انداز ہونے والی باتوں سے نہ روکا ہو یہی وجہ ہے کہ افراط و تفریط سے ہٹ کر توسط و اعتدال پر مبنی بہترین معاشرتی دستور جو سرورِ کائنات ﷺ نے عطا فرمایا ہے آج دنیا اُسکی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

منہیات ثلاثہ اور ان کا مفہوم

اسلامی نظمِ معاشرت کی ترتیب و نسق کیلئے جہاں پر قرآن نے ماموراتِ کی صورت میں عدل احسان اور اِیتاءِ ذی القربٰی کی مثلّث کو اسلامی معاشرتی ضابطے میں شامل فرمایا وہاں پر فحشاء منکر اور بغی کی منہیاتِ ثلاثہ سے باز رہنے کو بھی دستور معاشرت کا جُز قرار دیا۔

فحشاء سے مراد ایسی کھلی برائی ہے جس کا برائی ہونا کسی سے ڈھکا چھپا نہ ہو بلکہ بغیر کسی شک وشبہ کے ہر کوئی اُسے بُرائی خیال کرتا ہو۔ اور منکر معروف کی ضد ہے اور

معروف ان اچھی باتوں کو کہتے ہیں جن کا ہر اچھے معاشرے میں فیشن ہو جیسے مہماندا ری مسافر نوازی اوراس قبیل کی دوسری نیکیاں جبکہ بغی کے معنی حد سے بڑھنے اور تجاوز کرنے کے ہیں۔اوراس سے مراد وہ ظلم وتعدّی ہے جس کے تحت آدمی اپنی قوت وطا قت اورزوروااثر سے ناجائز فائدہ اُٹھاکر دوسروں کو دبانے کی کوشش کرے۔

اگرچہ یہ تینوں اصطلاحیں ہم معنی ہونے پر منکرات ہی ہیں لیکن فحشاء انتہائی کھلی برائی اور شناعت کا نام ہے۔جبکہ بغی متعدی برائی اور ظلم کو کہتے ہیں جو ایک بڑا خطرناک اور سنگین فعل ہے۔یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ظلم کی بھیانک صورت کا تذکرہ یوں فرمایا کہ

الظلم ظلمات یو م القیٰمة(۲۵)

ظلم قیامت کے دن تہ درتہ تاریکیوں اوراندھیروں کی صورت میں آئیگا۔

منہیّات ثلاثہ کی سنگین نوعیت

پھران معانی ومطالب کے ساتھ ینھی کا لفظ استعمال کرکے منھیات ثلاثہ کی سنگین نوعیت سے خبردار کیا تاکہ مالک کی منشا کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھانا معاشرے کے افراد کیلئے سنگین جرم ہو۔

اس بنا پر اسلامی نظم معاشرت کا دستور یہ ہے کہ اسکا ہر فرد تمام صغائر وکبائر سے بچتا رہے۔اورزندگی کے ہر شعبہ کو گناہ کی آلائش سے پاک کرکے دم لے۔اس کے لئے نہ صرف قتل ناحق بدکاری جھوٹ اسراف وتبذیر جیسے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنا مشکل ہو بلکہ بدعہدی بددیانتی اورلالچ جیسے گناہ بھی اس کیلئے محال ہوکررہ جائیں۔

معاشرتی رزائل ثلاثہ

قرآن پاک کے نزدیک حقوق العباد میں کوتاہی کرنے والے اور دستور نظم معاشرت کی قانون شکنی کرنے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو تکبر بخل اور ریا کے معاشرتی رزائل ثلاثہ میں مبتلا ہو کر خدا اس کے رسول اور آخرت کو یکسر فراموش کر دیتے ہیں۔ اور جن کا سینہ ایمان ویقین سے معمور ہونے کی بجائے کفر وانکار اور فسق و فجور کے گندے خیالات سے بھر جاتا ہے۔ انہی کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے کہ

اِن اللّٰہ لا یحبُّ من کان مختالاً فخوراً الّذین یبخلون ویاء مُرون النّاس بالبُخل ویکتمون ما اتاھم اللّٰہ من فضلہ و اعتدنا للکٰفرین عذا باً مھیناً والّذین یُنفقون اموا لھم رئاالنّاس ولا یوء منون با للّٰہ ولا با لیو م الا خر (۲٦)

بیشک اللہ ایسے لوگوں سے محبت نہیں رکھتا جو دل میں اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں۔ اور زبان سے شیخی کی باتیں کرتے ہیں۔ جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور جو کچھ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے رکھا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ اس لیے ہم نے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور وہ لوگ جو اپنے مال صرف لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔

متکبر بخیل اور ریا کار کا انجام

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ حقوق العباد میں کوتاہی کی تین بنیادی وجوہات ہیں

جو تینوں انسان کو اس بات پر مجبور کرتی ہیں کہ اللہ کے بندوں کے حقوق غصب کیے جا ہیں اور معاشرے کے افراد کو ظلم و زیادتی کا نشانہ بنایا جائے اور وہ یہ ہیں تکبر غرور بخل و امساک اور ریاء کاری۔

یہ ایک نمایاں حقیقت ہے کہ اپنے آپ کو ناحق بڑا جاننے والے متکبّر اپنے مالوں کے خرچ کرنے میں بخل سے کام لینے والے بخیل اور صرف نام و نمود اور دکھاوے کی خا طر مال خرچ کرنے والے ریا کار اپنے انجام بد کی وجہ سے دراصل اللہ کے عذاب کو دعوت دیتے ہیں اس لیے کہ وہ صحیح معنوں میں مومن نہیں ہوتے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ہرگز ایمان نہیں رکھتے۔

اس بنا پر قرآن وسنت میں تکبر بخل اور ریاء کی شدید مذمت کی گئی ہے کیونکہ یہ تین بُری خصلتیں انسان کو بالآخر تباہ و برباد کر دیتی ہیں۔

سورۃ النخل کی آیت عظیمہ

چنانچہ سورۃ النحل کی اس آیت عظیم میں قرآن نے نظم معاشرت کا جو دستور اساسی مثبت اور منفی حقائق سے انسانوں کے لئے مختص فرمایا ہے وہ اپنی جگہ اتنی جامع اور اسقدر وسیع ہے کہ عملی زندگی میں اسے نافذ کرنے کے بعد ہم بے شمار معاشرتی برائیوں اور لاتعداد سماجی عقوبتوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں مامورات اور منھیات کی صورت میں تمام تر آداب حسنہ وقبیحہ کی مکمل طور پر نشاندہی کر کے انسانیت کیلئے صلاح وفلاح کا سرمایہ جاودانی مہیا کیا گیا ہے۔

مراجع ومصادر

۱۔ بنی اسرائیل ۳۹
۲۔ بنی اسرائیل ۹
۳۔ النساء ۳۹
۴۔ صحیح بخاری ومسلم
۵۔ البقرہ ۱۳۸
۶۔ صحیح بخاری
۷۔ النحل ۹۰
۸۔ ابن کثیر
۹۔ بحر محیط
۱۰۔ صحیح مسلم
۱۱۔ قرطبی
۱۲۔ بنی اسرائیل ۲۳، ۲۴
۱۳۔ لقمان ۱۴
۱۴۔ صحیح بخاری
۱۵۔ ترمذی
۱۶۔ ابن ماجہ
۱۷۔ بیہقی شعب الایمان
۱۸۔ بیہقی
۱۹۔ صحیح بخاری ومسلم
۲۰۔ صحیح بخاری ومسلم
۲۱۔ صحیح بخاری ومسلم
۲۲۔ ابن کثیر
۲۳۔ صحیح بخاری ومسلم
۲۴۔ صحیح بخاری
۲۵۔ صحیح بخاری ومسلم
۲۶۔ النساء ۳۶ تا ۳۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا یھا الناس انی رسول اللہ

اے لوگو میں رسول ہوں اللہ کا

الیکم جمیعا

تم سب کی طرف

(اعراف ۴۸)

کمال پیغام آفاقیت

تکمیل دین کے موقع پر میدان عرفات میں آپ ﷺ کے باکمال ارشادات ملاحظہ فرمایئے جو کہ بذات خود آفاقی نظام عالم کی اساس ہیں آپ ﷺ کے دیئے ہوئے اس آخری منشور کے الفاظ اس کے نفس مضمون اور انداز بیان پر غور فرمایئے یہ دستاویز امن وسلامتی اور عالمگیر طمانینت کا ایسا بین الاقوامی اعلامیہ ہے کہ تاریخ عالم جس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ منشور اعظم انسانیت کو ہر طرح کے غم وآلام سے نجات دلا کر سکون واطمینان کی ضمانت فراہم کرتا ہے کہ جس سے فتنہ وفساد کا یکسر خاتمہ ہو جائے اور امن وامان کا دور دورہ ہو۔

☆ عالمگیر نسخہء کیمیا

☆ مجمع کمالات عالم

☆ حضور سرور کائنات ﷺ کو دی گئی بشارات

☆ امن عالم کی اساس

☆ تاریخ ساز اعلان

☆ تتمہ اور تکملہ

☆ معیار عزت وکرامت

☆ ایک گلوبل اکائی

☆ مژدۂ جانفزا

☆ عالمگیر نظام امن

☆ تمکین دین کا وعدہ

☆ اعلان عفو عام

☆ امن وسلامتی کا دن

☆ دشمنوں کے لئے دعائیں

☆ سفیروں اور قاصدوں کا احترام

☆ خصوصی ہدایت

عالمگیر نسخہء کیمیا

دور حاضر میں انسانوں کو باہمی نفرتوں اور حقارتوں سے نجات دلانے کیلئے حضور سرور کائنات ﷺ کا عطا کردہ نظام وہ نسخہء کیمیا ہے جسے ایک خدائے یکتا ایک رسول خاتم ایک کتاب ہدایت ایک امت وسط اور ایک آفاقی دعوت کی اکائی پر مبنی ہونے کی وجہ سے انسانیت کے تمام تر دکھوں کا اصلی مداوا قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور جسے چھوڑ کر نظام عالم کی تشکیل فعل عبث ہوگی۔

مجمع کمالات عالم

حضور ﷺ کا خاتم النبین ہونا خود اس امر کی دلیل ہے کہ اب انسانیت ہر لحاظ سے

بلوغت کو پہنچ گئی ہے۔ اب دین اسلام کی فطری قباء اپنی مکمل صورت میں نوع انسانی کے زیب تن ہو گی۔ اب نبوت و رسالت کی ضرورت نہیں رہی بلکہ آخری کتاب ہدایات کا ابدی اور لازوال ضابطہ حیات انسانوں کیلئے رہبر و رہنما ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی رب کریم نے آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو انسانی زندگی کے تمام تر زاویوں کیلئے جامع اور ہمہ گیر بنا دیا کہ آپ ﷺ مجمع کمالات عالم بن کر دنیا کے سامنے جلوہ افروز ہوئے۔

اس واسطے آپ ﷺ خود اپنے پیغام کی عملی تفسیر بن کر تشریف لائے یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کا ہر لمحہ تاریخ عالم میں ابد تک کیلئے محفوظ ہے۔

یہاں تک کہ انتہائی قریب سے مکمل طور پر مشاہدہ کرنے والے آپ ﷺ کے صحابہ کا عملی نمونہ بھی پوری شرح و بسط کے ساتھ قیامت تک کیلئے موجود اور محفوظ ہے اس بناء پر آج کے دور پُرفتن میں جب کہ بحر و بر فساد کی لپیٹ میں ہے اور دنیا جنگ و جدل اور فتنہ و آلام کا گہوارہ بن کر رہ گئی ہے حضور سرور کائنات ﷺ کا لایا ہوا عالمگیر پیغام انسانیت کے جملہ مسائل و مشکلات کا شافی و وافی حل قرار دیا جا سکتا ہے۔ آیت محولہ بالا میں حضور سرور کائنات ﷺ کے عالمگیر پیغمبر انفس و آفاق ہونے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ جب آپ کی بعثت و رسالت قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے اور پورے عالم کے لئے عام ہوئی تو اب کسی دوسرے جدید نبی و رسول کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اسی لئے آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰؑ تشریف لائیں گے تو وہ بھی اپنی جگہ اپنی نبوت پر برقرار ہونے کے باوجود شریعتِ محمدی پر عمل کریں گے، جیسا کہ صحیح روایاتِ حدیث سے ثابت ہے۔

رسول ﷺ کی بعثت و رسالت ساری دنیا اور قیامت تک کے لیے عام ہونے پر یہ آیت بھی بہت واضح ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کی متعدد آیات اس پہ شاہد ہیں۔ مثلاً

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَاالقرُآن لِاُنذِرَکُم بِہ وَمَن بلَغ

یعنی یہ قرآن مجھ پر بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تا کہ تم کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں اوران لوگوں کو بھی جن کو میرے بعد یہ قرآن پہنچے۔

حضور سرور کائنات ﷺ کو دی گئی بشارات

ابنِ کثیر نے روایت کیا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر رسول ﷺ نماز تہجد میں مشغول تھے صحابہ کرام کو خوف ہوا کہ کوئی دشمن حملہ نہ کر دے اس لئے آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ آج کی رات مجھے پانچ چیزیں ایسی عطاء کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی رسول و نبی کو نہیں ملیں۔

اول یہ کہ میری رسالت و نبوت کو ساری دنیا کی کل اقوام کے لئے عام کیا گیا حالانکہ مجھ سے پہلے جتنے انبیاء کرام آئے ان کی دعوت و بعثت صرف اپنی اپنی قوم کے ساتھ مخصوص تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ مجھے میرے دشمن کے مقابلہ میں ایسا رعب عطا کیا گیا کہ وہ مجھ سے ایک مہینہ کی مسافت پر ہو تو میرا رعب اس پر چھا جاتا ہے تیسرے یہ کہ میرے لئے کفار سے حاصل شدہ مال غنیمت حلال کر دیا گیا حالانکہ پچھلی امتوں کے لئے حلال نہ تھا بلکہ اس کا استعمال کرنا گناہ عظیم سمجھا جاتا تھا۔ان کے مال غنیمت کا سرف یہ مصرف تھا کہ آسمان سے ایک بجلی آئے اور اس کو جلا کر خاک کر دے۔

چوتھے یہ کہ میرے لیے تمام زمین کو مسجد اور پاک کرنے کا ذریعہ بنا دیا کہ ہماری نماز زمین پر ہر جگہ ہو جاتی ہے مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں جبکہ پہلی امتوں کی عبادت

صرف ان کے عبادت خانوں کے ساتھ مخصوص تھی اپنے گھروں میں یا جنگل وغیرہ میں ان کی نماز وعبادت نہ ہوتی تھی۔ نیز یہ کہ جب پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو، خواہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے یا کسی بیماری کے سبب تو وضو کے بجائے مٹی سے تیمّم کرنا اس امت کے لئے طہارت ووضو کے قائم مقام ہوجاتا ہے پچھلی امتوں کے لئے یہ آسانی نہ تھی، پھر فرمایا پانچویں چیز کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں وہ خود ہی اپنی نظیر ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر رسول کو ایک دعا کی قبولیت ایسی عطا فرمائی ہے کہ اس کے خلاف نہیں ہوسکتا اور رسول و نبی نے اپنی اپنی دعا کو اپنے خاص خاص مقاصد کے لئے استعمال کرلیا وہ مقصد حاصل ہوگئے مجھ سے یہی کہا گیا کہ آپ کوئی دعا کریں، میں نے دعا کو آخرت کے لیے محفوظ کرادیا۔ وہ دعا تمہارے اور قیامت تک جو شخص لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی شہادت دینے والا ہوگا اس کے کام آئے گی۔

لہٰذا ان بشارات کی رو سے حضور ﷺ کا تمام موجودہ اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے اور ہر ملک ہر خطہ کے باشندوں کے لئے اور ہر قوم و برادری کے لئے رسول عام ہونا ثابت ہوا اور یہ کہ آپ کی بعثت کے بعد جو شخص آپ پر ایمان نہیں لایا وہ اگر چہ کسی سابق شریعت وکتاب کا یا کسی اور مذہب وملت کا پورا پورا اتباع تقویٰ واحتیاط کے ساتھ بھی کررہا ہو وہ ہرگز نجات نہیں پائے گا۔

امن عالم کی اساس

تکمیل دین کے موقع پر میدان عرفات میں آپ ﷺ کے باکمال ارشادات ملاحظہ فرمایئے جو کہ بذات خود آفاقی نظام عالم کی اساس ہیں۔ آپ ﷺ کے دیے ہوئے اس آخری منشور کے الفاظ اسکے نفسِ مضمون اور اندازِ بیان پر غور فرمایئے یہ دستاویز

امن وسلامتی اور عالمگیر طمانیت کا ایسا بین الاقوامی اعلامیہ ہے کہ تاریخ عالم جس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ منشور اعظم انسانیت کو ہر طرح کے غم وآلام سے نجات دلا کر سکون واطمینان کی ضمانت فراہم کرتا ہے کہ جس سے فتنہ وفساد کا یکسر خاتمہ ہو جائے اور امن واماں کا دور دورہ ہو۔

تاریخ ساز اعلان

اس بنا پر داعی امن وسلامتی حضرت محمد ﷺ نے اپنے عہد کے سب سے بڑے اجتماع میں تاریخ ساز اعلان فرمایا کہ

☆ لوگو! سن لو تمہارا پروردگار ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کالے کو گورے پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت اور برتری نہیں مگر صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنا پر۔

☆ لوگو! تمہارا خون تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں قیامت تک کے لیے اسی عزت وحرمت کی مستحق ہیں جس طرح تم آج کے دن اس مہینے اور اس شہر (مکہ مکرمہ) کی حرمت کرتے ہو۔

☆ میں جاہلیت کے تمام سود باطل قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے خاندان میں سے عباس بن عبدالمطلب کا سود ختم کرتا ہوں۔

☆ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق تم پر ہیں۔

☆ میں تم میں وہ چیز چھوڑے جاتا ہوں جسے مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یہ اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے۔

☆ لوگو! نہ میرے بعد کوئی پیغمبر ہے اور نہ کوئی نئی امت وجود میں آنے والی

ہے۔ خوب سن لو۔ اپنے پروردگار کی عبادت کرو پنجگانہ نماز کے پابند رہو۔ رمضان کے روزے رکھو مال کی زکوٰۃ خوش دلی سے دیا کرو۔ خانہ خدا کا حج بجالاؤ اپنے سربراہوں کی اطاعت کرو پھر تم اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

تتمہ اور تکملہ

یہ خطبہ دراصل حضور سرور کائناتﷺ کی ساری زندگی کے اس عملی پیغام کا تتمہ اور تکملہ ہے جس کے تحت آپﷺ جہانوں کے واسطے سراپا رحمت ورآفت بن کر تشریف لائے یہی وجہ ہے کہ اسی خطبہ کے دوران تکمیل دین کا اعلان ہوا اور فرمایا گیا کہ آج تمہارے لئے میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دیں اب یہ دین سب کے لئے ہے ہمیشہ کے لئے ہے۔ اور ساری انسانیت کے لئے گویا کہ دین اسوقت مکمل ہوا جب حضور سرور کائناتﷺ نے امن وسلامتی کی آفاقی اقدار پر مبنی اپنے تاریخی خطاب عظیم سے انسانوں کو نوازا تا کہ عالم انسانیت کو امن و امان اور سکون واطمینان حاصل ہو۔

معیار عزت وکرامت

اس عالمی منشور میں سرور عالمﷺ نے دولت عظمت امارت نسل قبیلے جاہ وحشم اور خاندانی شرافت کو معیار عزت وکرامت نہیں ٹھہرایا بلکہ واضح کر دیا کہ فضیلت و بزرگی کا صرف ایک ہی معیار ہے اور وہ بس تقویٰ ہے۔

ان اکرمکم عند الله اتقاکم (۵)

یقیناً اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

اس لئے اگر ہم اپنی زندگی میں اس اصول کے مطابق تقویٰ کو معیار بنالیں اور ہمارے اذھان سے جھوٹی نخوت اور فخر ومباھات پر مبنی جہالت کا خیال یکسر ختم ہو کر رہ جائے۔تو جذبہء اخوت ومحبت اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس طرح جلوہ گر ہوگا کہ جس سے پھر باہمی جنگ وجدل نفرت وحقارت اور جاہلانہ عصبیت کا خاتمہ ہوگا اور امن وعافیت معاشرے کا مقدر بن جائے گا۔

ایک گلوبل اکائی

اسی بنا پر آیت گرامی قدر میں یـا یھـاالنـاس کے الفاظ سے اس خطبہ کی عالم گیریت اور آفاقیت کو اجاگر کیا گیا تا کہ رنگ ونسل اور زبان وقوم کے سارے تفرقے مٹ جائیں اور کرۂ ارضی کی ایک گلوبل اکائی کی تشکیل ہو۔

مژدہ جانفزا

یہی وجہ ہے کہ عرفات کے منشور اعظم میں پہلی بار یہ اعلان ہوا کہ اس سے زیادہ دنیا کے کسی منشور نے انسانیت کو اس کے فطری اور عالمی نظام کی جانب رہنمائی نہیں فرمائی۔اسواسطے یہی منشور اعظم دور حاضر میں سسکتی اور دم توڑتی انسانیت کیلئے مژدۂ جانفزا ہے۔گزشتہ صدی میں دو عالمی جنگوں میں زبردست تباہی اور ھلاکت کے بعد انسانیت اب امن کی تلاش میں ہے۔جبکہ نئی نئی مھلک ایجادیں جدید ترین جنگی ہتھیار نام نہاد ترقی یافتہ انسان کی خونخوار ذہنیت کا ثبوت ہیں۔کہ آج جس کا مداوہ ازبس ضروری ہے۔آج ہر ایک منٹ میں سینکڑوں بچے بھوکے اور لاعلاج مر جاتے ہیں۔اور اسی ایک منٹ میں اربوں روپے سامان جنگ پر خرچ کیے جا رہے ہیں۔ اُدھر حقوق انسانی کے بین الاقوامی کمیشن کی رپورٹ کے مطابق دنیا میں مذہبی عدم

رواداری بڑھتی جارہی ہے۔اور مذہبی بنیاد پر ایذا رسانی قتل وغارت گری توھمات پر مبنی بری جاہلانہ رسمیں پوری طرح زوروں پر ہیں۔اور مقدس عمارات کی توھین بھی عروج پر ہے۔

عالمگیر نظامِ امن

اس لئے اس خطرناک ترین دور میں آج ختمِ نبوت کے اس عالمگیر نظام امن و سلامتی کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ہے جو انسانی زندگی کے لئے اعلیٰ اقدار کے تحفظ کی ضمانت دے رہا ہو۔ایسا نظام جس میں انسانی وحدت ومساوات باہمی تعاون شرافتِ انسانی عفوودرگزر حریت فکر عدل وانصاف ایفائے عہد اور اخوت ومحبت کو جزولازم کی حیثیت حاصل ہو۔اور جسمیں کبر ونخوت دولت وثروت ملکی ونسلی عصبیت اور حب جاہ واقتدار کی قطعاً گنجائش نہ ہو۔جو صرف جسموں پر ہی حکمرانی کا قائل نہ ہو بلکہ دلوں کی گہرائی میں غمخواری ومواسات ہمدردی وموالات کی بنیاد پر اس کی حکومت کا سکہ چلتا ہو۔

ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم (٦)

اور وہ جمادیگا ان کے لئے ان کا دین جو ان کے واسطے اس نے پسند فرمایا۔

تمکین دین کا وعدہ

قرآن نے جہاں مومنین صالحین کو زمین میں خلافت عطا فرمانے کیلئے تمکین دین کا وعدہ فرمایا وہاں انعام کے طور پر انہیں ڈر کے بدلے میں امن وسکون سے مالا مال کرنے کا اعلان بھی فرمایا۔لہذا تاریخ شاہد ہے کہ عالم اسلام میں وہ دور بھی دیکھنے میں آیا جب وعدہ ربانی کے مطابق دنیا والوں نے امن وعافیت کو عملی طور پر آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا۔جب کہ ایک عورت اگر تن تنہا زیورات سے لدی پھدی صنعا سے

حضر موت تک سفر کرتی ہے تو کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے والا بھی نہیں ہوتا۔

اعلان عفو عام

اس بنا پر رحمۃ للعالمین ہونے کے ناطے آپکی صفت رحمت آپ کی حیات طیبہ کے ہر لمحہ سے اجاگر تھی اور صلح و جنگ ہر دو مواقع پر اسکا مشاہدہ یکساں طور پر کیا جا سکتا تھا۔ جس طرح میدان عرفات میں خطبہء حجۃ الوداع کے اعلامیہ سے خاتم النبین ﷺ کی ذات اقدس پر دین اسلام کی تکمیل کا اعلان ہوا۔ اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا وانتم الطلقاء (۷)

کے اعلان عفو عام سے حضور ﷺ کی صفت رحمت تامہ کا ظہور کامل ہوا اور ایسا بے مثال مظاہرہ دیکھنے میں آیا کہ کائنات ہست و بود میں جسکی نظیر نہیں ملتی۔

امن وسلامتی کا دن

جب کہ جان نثار ساتھی جوش انتقام سے سرشار ہوکر **الیوم یوم الملحمہ** کے نعرے لگا رہے تھے اور سارا عالم دم بخود تھا کہ ابھی آن واحد میں ضرور کوئی حادثہ ہونے والا ہے کوئی حشر بپا ہوگا۔ اور ظالموں کو ظلم و ستم ڈھانے کے بدلے میں کیفر کردار تک پہنچایا جائیگا۔

لیکن رحمۃ للعالمین کی رحمت عامہ جوش میں آئی جس نے جیالے اور بہادر ساتھیوں کا رخ یکدم موڑ دیا۔ آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ ٹھہر جاؤ آج کا دن لڑائی اور جنگ کا دن نہیں انتقام اور خون خرابے کا دن نہیں بلکہ معافی اور بخشش کا دن ہے اس لئے اعلان ہوا کہ **الیوم یوم المرحمہ** کہ جاؤ آج کا دن رحم و کرم کا اور امن و سلامتی کا دن ہے تم سب آزاد ہو تم پر کوئی بوجھ نہیں۔

آج ہر اس شخص کو امان ہے جو اللہ کے گھر میں داخل ہو جائے خود اپنے ہی گھر میں چھپا رہے۔ یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے لے۔

اسطرح رحمۃ للعالمین کی بخشش و جان نوازی اور پیغمبر امن و سلامتی کے جذبہء انسان دوستی کا مشاہدہ کیجئے نیز آپ ﷺ کی فراخ حوصلگی اور عظمت کا حال دیکھئے کہ اپنے سب سے بڑے دشمن اور نبوت کے سب سے بڑے مخالف ابوسفیان کو بھی گلے سے لگا لیا اور ایک لمحے کے اندر اسکے بارے میں اسلامی مملکت کا معزز شہری ہونے کا اعلان فرما دیا۔

جانی دشمنوں کے لئے دعائیں

اس پر بس نہیں جنگ احد میں دشمنوں نے جب آپ پر پتھر پھینکے تیر برسائے تلواریں چلائیں یہاں تک کہ آپ کا دندانِ مبارک شہید ہو گیا۔ جبینِ اقدس خون آلود ہوئی اور آپ زخمی ہو کر ایک گڑھے میں جا گرے ان سب حملوں کا وار آپ نے جس سپر پر روکا وہ یہ دعا تھی۔

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

کہ اے میرے اللہ میری قوم کو ہدایت دے یہ مجھے جانتے نہیں۔

وہ طائف جہاں ظالموں نے ظلم کی انتہا کر دی تھی کہ آپ کا جسم لہولہان ہوا۔ اور آپ ﷺ کے جوتے آپ ﷺ کے خون سے ہی بھر گئے پہاڑوں کے فرشتے ملک الجبال نے پیش کش کی کہ اگر حکم ہو تو اس پوری بستی کو پہاڑوں کے درمیان رکھ کر پیس ڈالوں جواب میں فرمایا کہ رہنے دو شاید کہ کوئی ان کی نسل سے ہی خدائے برحق کا

پرستار پیدا ہو۔

سفیروں اور قاصدوں کا احترام

اسلام سے پہلے دشمن قوم کی طرف سے بھیجے جانے والے سفیروں اور قاصدوں کا قتل جائز تھا۔ قریش نے بھی حضور ﷺ کی جانب سے بھیجے جانے والے قاصد کو قتل کر کے اس کے گھوڑے کو بھی مار ڈالا تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ خبردار قاصدوں اور سفراء کو ہر لحاظ سے جان کی امان دی جائے اور انہیں ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ مسیلمہ کذاب نے جنگ یمامہ کے دوران جب اپنا قاصد حضور ﷺ کے پاس بھیجا تو اس کی گستاخانہ گفتگو سن کر آپ نے فرمایا کہ ہمارے ہاں قاصدوں کو قتل کرنے کا رواج نہیں ورنہ اپنے گستاخانہ رویے پر تو ضرور قتل کر دیا جاتا۔ اس پر بس نہیں آنحضرت ﷺ نے اسیران جنگ کی نسبت تاکید فرمائی کہ خبردار ان میں سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے حاتم طائی کی بیٹی کو جب آپ ﷺ کے حضور پیش کیا گیا تو آپ نے بڑے احترام کے ساتھ شفقت فرمائی اسے مسجد کے ایک گوشے میں ٹھہرایا اور اوڑھنے کے لئے چادر عطا فرمائی پھر فرمایا کہ تمہارے علاقے سے کوئی آ جائے گا۔ تو اس کے ہمراہ تجھے روانہ کر دوں گا۔

خصوصی ہدایات

آپ ﷺ جب بھی کوئی لشکر جہاد کیلئے روانہ فرماتے یا کسی جیش کی قیادت سنبھالتے تو ہدایت جاری فرماتے کہ کسی کہن سال بوڑھے کو کسی بچے کو کسی کم سن کو یا کسی عورت کو ہرگز قتل نہ کرنا۔ کھیتی باڑی اور فصلوں کو تباہ نہ کرنا۔ مویشی چوپایوں اور پالتو جانوروں کو کچھ نہ کہنا حالانکہ اُدھر دور جدید کا ترقی یافتہ فوجی جرنیل محبت اور جنگ میں

سب کچھ جائز قرار دیتا ہے۔ اس کے برعکس جو خصوصی ہدایات فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے مکہ میں اپنے فاتحانہ داخلہ کے وقت ان لوگوں کیلئے جاری فرمائیں جو حالت امن میں بھی ایمان والوں کے خون کے پیاسے تھے اور انہوں نے مسلمانوں کے واسطے مکہ کے اندر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ وہ محبت و آشتی اور امن وسلامتی کی اعلیٰ اقدار کا مرقع تھیں اور جن سے عفو عام اور رحمت تام کا اعلان ہو رہا تھا۔

تجزیہ اور مشاہدہ

لہذا تجزیہ اور مشاہدہ سے یہ بات بآسانی واضح ہو جاتی ہے کہ آسمانی ہدایتوں اور ربانی تعلیمات کے علاوہ دوسری کوئی چیز ایسی نہیں جو انسانوں کو امن وسلامتی کا عالمگیر نظام عطا کر سکے۔ یہی تعلیمات و ہدایات حضور ﷺ نے بطور خاص اپنی جانب سے عنایت فرمائیں اور یہی ضابطے عالم انسانیت کیلئے مختص کر دیئے۔ تاکہ کرۂ ارضی فوز و فلاح پائے اور پورا عالم دنیا و آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو۔ اسی لئے آپ ختم المرسلین ہیں اور آپ ہی وہ سرچشمہ ہدایت ہیں جہاں سے نوع انسانی کو شر و فساد سے نجات ملتی ہے۔ اور امن و سکون کے میٹھے سانس لینے کیلئے فرحت بخش ہوائیں میسر آتی ہیں۔

آپکے عالمگیر پیغام امن وسلامتی پر مبنی صراط مستقیم کے علاوہ انسانوں نے جتنی راہیں امن و آشتی کی تلاش میں اختیار کی ہیں وہ سب عالمگیریت کی منزل تک نہیں جاتیں جو انسانیت کا مطلوب و مقصود ہے۔

آیئے نفرتوں، حقارتوں اور جنگ و جدل سے نجات حاصل کرنے کے لئے رسول عربی ﷺ کا دامن رحمت و رافت تھام لیجئے اور ان کے اقدار عالیہ کو عملی زندگی میں اپنا کر دنیا کو شر و فساد کی بجائے امن وسلامتی کا گہوارہ اور اطمینان و سکون کا مرکز بنایئے اور یہی حضور سرور کائنات ﷺ کا کامل پیغام آفاقیت ہے۔

مصادر ومراجع

۱۔ اعراف : ۴۸

۲۔ انعام : ۱۹

۳۔ ابن کثیر

۴۔ معجم طبرانی سنن کبریٰ

۵۔ الحجرات : ۱۳

۶۔ نور : ۵۵

۷۔ یوسف : ۹۲

۸۔ بخاری ومسلم

حرف آخر

وما توفیقی الا باللہ

اور مجھ کو تو جو کچھ بھی توفیق ہے صرف اللہ ہی کی مدد سے ہے۔

علیہ توکلت والیہ اُنیب

اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور ہر حال میں اسی کی جانب پلٹتا ہوں۔

منزلِ شوق تک رسائی

الحمداللہ!

کمالات سیرت رسولؐ کی تکمیل پر دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا اور عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔

سوچا کہ یہ ہیچ مدان، گنہگار، گناہوں اور خطاؤں کے ساتھ کس منہ سے حاضری دے۔اس لیے وہ ذات پاک جن کے صدقے سے ایمان جیسی بے پایاں دولت اور عظیم نعمت نصیب ہوئی اور جن کی وساطت سے ایمان والے دین اسلام کی آفاقی قدروں سے بہرہ ور ہوئے۔ آج ان کے حضور ''کمالات سیرت رسول'' کو ہی ارمغان عقیدت ومحبت کے طور پر پیش کیا جائے۔

بفضلہٖ تعالیٰ اس مسوّدہ کو سینہ سے لگا کر رفیق سفر بنایا اور اس عزم کے ساتھ سر زمین حجاز کے لیے رخت سفر باندھا کہ میرا یہ حقیر سا تحفہ منزل شوق تک پہنچے تا کہ میں عنایت خداوندی سے مقام بندگی پا کر سیرت نگاروں میں شامل کیا جا سکوں۔

الحمدللہ: زہے عز وشرف کہ میری یہ کاوش قبولیت سے مشرف ہوئی کہ جس کی بنا پر آج ''کمالات سیرت رسولؐ'' زیور طباعت سے آراستہ، آپ تک پہنچ رہی ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ہوتا ہے جن میں نام رسولؐ خدا بلند
ان محفلوں کا مجھ کو نمائندہ کر دیا

سرکارِ دو جہاںؐ کا بنا کر مجھے غلام
میرا بھی نام تا بہ ابد زندہ کردیا

(مولانا ظفر علی خان مرحوم)

اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے ماہرین کے پینل میں رکن نامزد ہوئے۔ جناح اسلامیہ کالج کے صدر شعبہ علوم اسلامی اور پرنسپل کے عہدہ پر فائز رہے۔ بطور پرنسپل آپ کا کالج تعلیمی معیار اور نظم وضبط میں بہترین کالج قرار دیا گیا۔

پچیس سال تک علاقہ کی سب سے پرانی درس گاہ دارالعلوم الشہابیہ کے اعزازی مہتمم رہے۔ ۱۹۹۲ء میں حضرت مولانا کاندھلویؒ کی وفات کے بعد صدر انجمن کے عہدہ پر فائز ہوئے۔

سیرت طیبہ پر صدارتی میڈل حاصل کیا۔ نیز حکومت پاکستان کی جانب سے سیرت کی بہترین کتابوں کے انعامی جائزہ کے متعدد بار جج مقرر ہوئے۔

شہر اقبال میں پرائیویٹ سیکٹر میں کروڑوں روپے کی لاگت سے انٹرنیشنل سیرت سٹڈی سنٹر قائم کیا۔ اس وقت سنٹر کے سیکرٹری جنرل ہیں اور اعزازی ڈائریکٹر کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

علوم اسلامی اور سیرت طیبہ پر متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ زیر نظر کتاب کمالات سیرت رسول ﷺ ان کے مضامین سیرت کا مجموعہ ہے۔ (ادارہ)

ہماری دیگر مطبوعات

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۳۔ کورٹ سٹریٹ لوئر مال، لاہور
ہیڈ آفس: منصورہ ملتان روڈ، لاہور پاکستان

Tel:+92-42-37248676-37320961
042-35417074
Fax: +92-42-37214974
E-mails: islamicpak@hotmail.com
islamicpak@yahoo.com
Website: www.islamicpak.com.pk